شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں

مصنف

ڈاکٹر شمس بدایونی

شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں

(یعنی تذکرۂ نعت گویانِ بدایوں)

مصنّف

ڈاکٹر شمس بدایونی

ناشر

محمد عبدالستار بدایونی

اے - ۵۴۷/۱۱ - بی نارتھ کراچی

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب :	شعرائے بدایوں دربار رسول میں
نام مصنف :	ڈاکٹر شمس بدایونی
ناشر :	محمد عبدالستار
طبع اول :	۱۹۸۸ء
طبع ثانی :	۱۹۹۷ء
تعداد :	پانچ سو (۵۰۰)
قیمت :	۱۰۰ روپے
پریس :	ڈان پرنٹنگ پریس ناظم آباد ۲ کراچی۔

ملنے کا پتہ

عالمی کتاب مرکز۔ الاعظم اسکوائر نزد لیاقت آباد نمبر ۱۰۔ کراچی

محمد عبدالستار۔ اے۔ ۷۴۵/ ۱۱۔ بی نارتھ کراچی

قادری بک اسٹور۔ سبزی منڈی گیٹ۔ بدایوں۔یوپی (انڈیا)

ڈاکٹر شمس بدایونی۔ ۷۳ کھول والان۔ بریلی (انڈیا)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

تعارف

اس وقت تذکرۂ نعت گویاں بدایوں بہ عنوان "شعرائے بدایوں دربار رسول میں" میرے سامنے ہے اور اس کے توسط سے دنیاوی سیاست وقیادت سے لے کر دینی ثقافت و روحانی وراثت تک، اہل بدایوں کے علمی وادبی کارناموں، اور تہذیبی وثقافتی فتوحات کی پوری تاریخ ذہن میں ابھر آئی ہے۔ جی تو چاہتا تھا کہ پہلے اس روح پرور تاریخ کا مختصر جائزہ لینے کے بعد پھر "تذکرہ نعت گویان بدایوں" کے بارے میں اظہار خیال کیا جائے لیکن کتاب کے فاضل مرتب اور نامور محقق ونقاد وڈاکٹر شمس بدایونی نے ابتدائیہ یا دیباچے میں، اس موضوع پر ایسی سیر حاصل بحث کر دی ہے کہ میرا کچھ کہنا تحصیل لاحاصل کے زمرے میں آئے گا۔ اس لئے براہ راست کتاب کے موضوع اور اس کے مرتب و مصنف ڈاکٹر شمس بدایونی کے بارے ہی میں اجمالاً کچھ عرض کروں گا۔

"نعت" کا موضوع اگرچہ بہ ہر اعتبار شعروادب کا ایک نہایت اہم موضوع ہے اور اسی موضوع پر نعت گو شعراء کی معرفت اتنا بڑا سرمایہ جمع ہو گیا ہے کہ اس جانب ہمارے محققین و ناقدین کو بطور خاص متوجہ ہونا چاہیئے تھا لیکن جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء میں مفصل اظہار خیال کیا ہے۔ ہمارے اہل قلم نے نعت کو موضوعاتی شاعری سے وابستہ کر کے دانستہ اسے نظرانداز کیا ہے اور نعت گوئی کے ذخیرے پر اتنی توجہ نہیں دی گئی جتنا کہ اس کا حق تھا۔

پچھلے تیس چالیس برسوں میں البتہ نعت کی صنف قدرے اہتمام کے ساتھ زیر بحث آئی ہے زیر نظر کتاب دراصل اسی سلسلہ بحث کی ایک اہم کڑی ہے اور اس کڑی کو ڈاکٹر شمس بدایونی نے ایسے لوازم واجزاء سے مربوط و منسلک کر دیا ہے کہ ان کی کتاب صرف بدایوں کے نعت گو شعراء کا تذکرہ نہیں رہی بلکہ اپنی معنوی حیثیت میں اردو نعت گوئی کی مختصر تاریخ بن گئی ہے۔ یہ تاریخ ایک طرف تخلیقی ذہن کو مہمیز کرتی ہے اور دوسری طرف ناقدین و محققین کو جولانی قلم کے لئے گراں قدر شعری وادبی سرمایہ بھی فراہم کرتی ہے۔

ڈاکٹر شمس بدایونی جیسے بلند پایہ ناقد و محقق اور عالم و مورخ کو وہ شہرت نہیں ملی جس کے وہ فی الحقیقت مستحق تھے لیکن اردو کے قارئین کو یہ جاننا چاہیئے کہ وہ معمولی نہیں غیر معمولی

تنقید. تحقیقی صلاحیتوں کے ادیب ہیں اور ان کی جتنی تحریریں اب تک سامنے آئی ہیں وہ سب ان کی وسعت مطالعہ اور حذاقت علمی کا لوہا منواتی ہیں۔ زیر نظر کتاب سے قطع نظر ان کی تازہ ترین کتاب جو نظامی بدایونی اور نظامی پریس کی ادبی خدمات کے نام سے ابھی حال میں منظر عام پر آئی ہے، صرف عام قارئین ادب کے لئے نہیں بلکہ صاحبان تحقیق و تنقید کے لئے قابل رشک ہے سوا چار سو صفحات کی اس کتاب میں انیسویں صدی میں اردو شعروادب خصوصاً غالب اور معاصرین غالب کے سلسلے میں اتنا وافر و قیمتی مواد سامنے آگیا ہے کہ یہ مواد کسی اور ذریعے سے میسر نہیں آسکتا بلاشبہ یہ کتاب انیسویں صدی کے شعروادب کی مستند تاریخ کہلانے کی مستحق ہے اور سارے علمی و ادبی حلقوں کی طرف سے، مصنف کو اس کی داد ملنی چاہیئے۔

برصغیر میں تذکرہ نگاری کی روایت بہت پرانی ہے اردو شعراء کے اولین تذکروں میں

(۱) لغات الشعراء از محمد تقی

(۲) گلشن گفتار از افضل بیگ قاقشال

(۳) تحفتہ الشعراء از حمید اورنگ آبادی

سے قبل فارسی شعراء کا اولین دستیاب تذکرہ لب الالباب مولفہ محمد عوفی مرقومہ ۶۱۷ / ۶۱۸ ھ بھی برصغیر کے علاقے میں لکھا گیا ہے۔ ان تذکروں کی قدروقیمت سے انکار نہیں کہ یہ تذکرے اردو، فارسی شعروادب کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں اور ایسے قیمتی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں جنھیں نظرانداز کر کے آب حیات (مرقومہ ۱۸۸۰ء) سے قبل کے اردو ادب کے سلسلے میں کوئی مستند تحقیقی و تنقیدی کام نہیں کیا جاسکتا لیکن قدیم تذکروں کی ان خوبیوں کے باوصف جیسا کہ میں نے ماہنامہ نگار کے تذکروں کا تذکرہ ۱۹۶۴ء اور اپنی ضخیم تصنیف "اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور مطبوعہ ۱۹۷۲ء میں تفصیل سے بحث کی ہے، قدیم شعرا کے تذکرے حد درجہ مختصر ہیں چند سطری بلکہ عموماً ایک دو سطری سوانح حیات دے گئے ہیں، سال پیدائش و وفات، شاعر کی ولدیت و سکونت اور تلمذ، رنگ شاعری کے بارے میں بھی کوئی کارآمد مواد مشکل سے ملتا ہے تنقیدی لب و لہجہ عموماً خوش اخلاقی و جذباتی جوش و خروش کا حامل ہے چنانچہ ذاتی تعلقات کی بناء پر کسی کی بلادلیل مدح سرائی کی گئی ہے اور کسی کو تعریض و تنقیص کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

یہ امر قابل مسرت ولائق تحسین ہے کہ ڈاکٹر شمس بدایونی نے قدیم تذکروں کی غیر معتدل روش سے اپنے آپ کو شعوری طور پر اور کلی طور پر بچایا ہے اور ہر شاعر کے بارے میں ایسی معتدل تفصیلات دے دی ہیں کہ تذکرے کا ہر ترجمہ تحقیقی و تنقیدی مقالے کے زمرے

میں آگیا ہے اور تذکرے کو تاریخ و تنقید اور تحقیق و تفصیل کی ایسی منزلوں میں لے آتا ہے کہ ان کا تذکرہ فی الواقع بدایوں کے نعت گو شعرا، کے حوالے سے اردو کی نعتیہ شاعری کا نہایت قیمتی باب بن گیا ہے۔

"تذکرۂ نعت گویان بدایوں" کا سب سے اہم اور قابل تحسین پہلو یہ ہے کہ وہ ادبی تحقیق کا ایک بلند معیار ہمارے سامنے لے آتا ہے اس تحقیق کا تعلق صرف شاعر کے حالات زندگی سے نہیں بلکہ اس کے دواوین و منتشر کلام سے بھی ہے۔ تحقیق کے اس رخ نے متعدد ایسے اشعار شاعر کے نام کے ساتھ ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں جن کے خالق سے اس سے پہلے ہم بے خبر تھے اور جنھیں آوارہ اشعار کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا۔ تحقیق کے اس پہلو کی اہمیت کی طرف میں نے اپنی کتاب اردو کی نعتیہ شاعری میں بطور خاص، توجہ دلائی تھی اور متعدد نعتیہ اشعار کے بارے میں سوال اٹھایا تھا کہ ان کے شاعر کا سراغ لگا کر ان کے کمال فن کی داد دی جائے۔ تحقیق طلب اشعار اس نوع کے تھے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ڈاکٹر شمس بدایونی کی تحقیقی کاوش اس طرح کے درجنوں اردو شعر ہمارے سامنے لے آئی ہے اور ان کے شاعروں سے بھرپور ہمارا تعارف کرا دیا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل شعر دیکھیئے۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

یہ شعر نعت کے باب میں غضب کا شعر ہے اور بیشتر صاحبان ذوق کے حافظے میں ہے لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ شعر لطف بدایونی کا ہے، مجھے بھی یہ آگاہی ڈاکٹر شمس بدایونی کی زیر نظر کتاب کے حوالے سے ہوئی اور ذہن و دل کے سرور کا باعث ہوئی۔ یقین ہے کہ کتاب کے مطالعے کے بعد اس طرح کا سرور ہمارے قارئین کو میسر آئے گا۔

ترتیب

ابتدائیہ (طبع ثانی) ——— مرتب ——— ۷
ابتدائیہ (طبع اول) ——— مرتب ——— ۱۱
مقدمہ ——— ۱۳

فصلِ اوّل (ماقبل عہد جدید) ———

۱۔ اسیر: علی احمد خاں ——— ۲۷
۲۔ انوار: انوار الحق (مولانا) ——— ۳۱
۳۔ تنویر: محمد رضی الدین ——— ۳۱
۴۔ جلیل: محمود حسین (شیخ) ——— ۳۲
۵۔ حامد: حامد بخش ——— ۳۳
۶۔ حامد: حامد علی (سید) ——— ۳۶
۷۔ حسن: جمال الدین ——— ۳۸
۸۔ حسین: ن۔ ب حسین ——— ۳۹
۹۔ ذاکر: محمد مجاہد الدین ——— ۴۰
۱۰۔ ذکا: رحمت علی (مولوی) ——— ۴۴
۱۱۔ ریاض: محمد ریاض الدین (قاضی) ——— ۴۴
۱۲۔ زلالی: انصار حسین ——— ۴۵
۱۳۔ سعید: محمد سعید الدین ——— ۴۹
۱۴۔ سلیم: سلیم اللہ (شیخ) ——— ۵۱
۱۵۔ شائق: سدید الدین (مولوی) ——— ۵۲
۱۶۔ شرر: علی بخش خاں ——— ۵۵
۱۷۔ شفاعت: شفاعت اللہ (شیخ) ——— ۵۹

۱۸۔ نقیر: عبدالغفار (مولانا) ——— ۶۱

۱۹۔ نقیر: خوشبو علی (سید) ——— ۶۴

۲۰۔ تدبیر: عبدالقدیر ——— ۶۵

۲۱۔ کامل: محمد سعیدالدین (نرشوری) ——— ۶۶

۲۲۔ کشش: التفات حسین (حکیم) ——— ۶۹

۲۳۔ کشفی: محمد سلامت اللہ (مولانا شاہ) ——— ۷۰

۲۴۔ کیف: ابرارالحق (مولانا) ——— ۷۱

۲۵۔ مذاق: محمد دلدار علی (شاہ) ——— ۷۲

۲۶۔ مست: فضل رسول ——— ۷۸

۲۷۔ مضطر: غلام مشہور ——— ۸۱

۲۸۔ وجد: محمد اسمٰعیل الدین ——— ۸۲

۲۹۔ وحشت: احمد حسن (مولوی) ——— ۸۳

فصل دوم (عہد جدید) ———

۳۰۔ ابر: محمد سلطان حسن ——— ۸۶

۳۱۔ ابر: احمد بخش (احسنی) ——— ۸۷

۳۲۔ ابرار: محمد ابرار علی ——— ۸۹

۳۳۔ بالا: محمد حسین ——— ۹۱

۳۴۔ بدر: بدر عالم (مولانا) ——— ۹۳

۳۵۔ بیتاب: محمد احمد ——— ۹۴

۳۶۔ بےچین: محمد حسین ——— ۹۶

۳۷۔ بیدل: محمد رضا حسنین ——— ۹۶

۳۸۔ تمنا: تمنا حسین ——— ۹۸

۳۹۔ تولاّ: تولا حسین ——— ۹۹

۴۰۔ ثاقب: نجم الدین احمد (مولانا) ——— ۱۰۱

۴۱۔ جامی: محمد عبدالجامع ——— ۱۰۶

۴۲۔ حامد: عبدالحامد (مولانا) ——— ۱۰۸

۴۳۔ حمزہ: عبدالرزاق (حاجی) ——— ۱۱۱

۴۴۔ حمید: حمیدالدین (ن نظ۔ دانشمندی) ——— ۱۱۲

۴۵۔ حیا: عبدالرحمٰن (مولانا) ——— ۱۱۳

۴۶۔ ذائق: محمد اتیاز علی (شاہ) ——— ۱۱۵

۴۷۔ راغب: یعقوب بخش ——— ۱۱۷

۴۸۔ رفیع: رفیع بخش ——— ۱۲۰

۴۹۔ رونق: رونق علی خاں ——— ۱۲۲

۵۰۔ سالم: عبدالحمید (سالم میاں) ——— ۱۲۴

۵۱۔ شاد: محمد صالح (رنگراوی) ——— ۱۲۵

۵۲۔ شائق: محمد اسرار علی (شاہ۔ نداقی) ——— ۱۲۷

۵۳۔ شاہین: محمد علی خاں (شاہین اشرف) ——— ۱۲۸

۵۴۔ شفیقاً: نامعلوم ——— ۱۳۰

۵۵۔ شکیل: شکیل احمد ——— ۱۳۱

۵۶۔ شمیم: رکن الدین (چودھری) ——— ۱۳۴

۵۷۔ صادق: محمد عبدالحق ——— ۱۳۵

۵۸۔ ضیا: محمد یعقوب حسین (ضیاء القادری) ——— ۱۳۵

۵۹۔ ظہیری: ظہیر احمد (ظہیر العلماء سہسوانی) ——— ۱۳۸

۶۰۔ عالی: کفیل الدین (حکیم) ——— ۱۴۱

۶۱۔ عروج: فیاض علی (زبیدی) ——— ۱۴۳

۶۲۔ عطا: عطا محمد ——— ۱۴۵

۶۳۔ عیش: مجتہد الدین ——— ۱۴۸

۶۴۔ فائق: مصطفیٰ بخش ——— ۱۵۱

۶۵۔ قدر۔ قدیر: محمد عبدالقدیر (مولانا قادری) ——— ۱۵۲

۶۶۔ لطف: اکرام احمد (مفتی) ——— ۱۵۵

٦٧. محشر: فاروق احمد ــــــــــ ١٥٧

٦٨. مختار: مختار احمد (حکیم سبزواری) ــــــــــ ١٥٩

٦٩. منشور: عبدالماجد (مولانا) ــــــــــ ١٦١

٧٠. منور: ثقلین احمد ــــــــــ ١٦٤

٧١. نسیم: احمد حسین (مولانا گنوری) ــــــــــ ١٦٦

٧٢. نظامی: نظام الدین حسین ــــــــــ ١٦٨

٧٣. نور: نورجہاں ــــــــــ ١٧١

٧٤. ہادی: محمد عبدالہادی ــــــــــ ١٧٣

٧٥. یمانی: محمد سلمان احمد ــــــــــ ١٧٤

٧٦. کتابیات ــــــــــ ١٧٦

٧٧. اشاریے ــــــــــ ١٨١

ابتدائیہ

(طبع دوم)

گزشتہ چند سالوں سے اُردو میں نعت کو بھی موضوعِ تحقیق و تنقید سمجھا جانے لگا ہے۔ کثیر سرمایۂ نعت کا تجزیہ و تعارف پیش کیا جا چکا ہے اور یہ کام ہند و پاک میں ابھی جاری ہے۔ علاقائی نعت نگاروں کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی ہے۔ نعت گویان کے چند ایک تذکرے منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ اس رنگ و اسلوب کی شاعری میں جو رفعت، اشاریت، پاکیزگی، احتیاط و ہنرمندی، ابلاغِ اقدار اور معیارِ اخلاق پوشیدہ ہے اس پر ابھی مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ موضوع قصیدہ و مثنوی کی طرح اپنی ایک مستقل ادبی تاریخ کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔

راقم الحروف نے اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ۱۹۸۱ء میں نعت گویانِ بدایوں پر ایک مقالہ سپردِ قلم کیا تھا (مطبوعہ ماہنامہ "مومن" بدایوں۔ جنوری تا مارچ ۱۹۸۲ء) یہ مقالہ قدرے اضافہ کے ساتھ میرے مضامین کے مجموعے "حقائق ابتدا" (بدایوں ۱۹۸۳ء) میں شامل ہوا۔ بعد میں یہ کتاب مذکور کے مطابق ہی علیحدہ کتابی شکل میں بنام "شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں" (بدایوں ۱۹۸۸ء) طبع ہوا۔

آج تقریباً بارہ سال بعد اس مقالے یا تذکرے پر نظرِ ثانی کر کے حذف و اضافے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ گیارہ بارہ برس میں بدایوں کے ادب پر راقم الحروف اور میرے بعض ہم وطنوں نے خاصی دادِ تحقیق دی ہے۔ کراچی سے ماہنامہ مجلّہ "بدایوں" (ابتدا ۱۹۹۱ء تا حال جاری) کی اشاعت سے وہ مواد جو تقسیمِ ہند کے بعد سرحد پار چلا گیا تھا وقفِ عام کیا گیا۔ شہید حسین شہید بدایونی (ف ۱۹۸۸ء) کا تذکرہ "تذکرۂ شعرائے بدایوں" (کراچی ۱۹۸۷ء) نے بدایوں کی شعری روایت کے تسلسل کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ قدیم و جدید تمام ماخذ پیشِ نظر رکھے جائیں اور جدید طورِ تحقیق کو بروئے کار لاتے ہوئے پورے اعتماد اور صداقت کے ساتھ شعراء کے تراجم پیش کیے جائیں۔

ضلع بدایوں میں کم و بیش بارہ سو شعراء ہیں ان میں پانچ سو سے کچھ کم صاحبِ دیوان ہیں۔ ان شعراء میں چند ایک کو مستثنیٰ کر کے نعت گوئی ہر ایک کی "بسم اللہ" بنی۔ شعری مجموعوں، طبع زاد داستانوں، قصیدوں و دیگر شعری کاوشوں میں نعتیہ اشعار بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ لیکن اس تذکرے میں صرف ان شعراء کو شامل کیا گیا ہے جنھوں نے زندگی بھر نعت کہی یا بہاریہ شاعری ترک کر کے صرف نعت

دستیاب نہ تذکرہ کو خارج کیا یا ان کی کوئی نعتیہ شعری کاوش مرتب و شائع ہوئی۔

طبع دوم میں ۶۵ (پچپن) شعراء شامل ہیں۔ طبع اول میں ۴۹ شعراء کے تراجم پیش کیے گئے تھے تین شعراء۔ اظہر احمد اظہر کمالی (ف ۱۹۹۰ء) پنڈت دھرم نرائن حضرت (ف ۱۹۰۹ء) معین الدین مبین (تلمیذ توحید) کے تراجم طبع اول میں شامل تھے لیکن ان کے نعتیہ دیوان کی عدم ترتیب و اشاعت کا علم ہوجانے کے بعد ان کے اسماء کو طبع دوم سے خارج کر دیا۔

اس اشاعت میں ۲۰ نئے ناموں کا اضافہ ہوا ہے۔ چند کے اسماء تذکرہ شعرائے بدایوں کے حوالے سے مجھ تک پہنچے ہیں۔ بعض کے ماخذ دوسرے ہیں۔ بعض معاصر شعراء کے دواوین بھی اس درمیان شائع ہوئے لہٰذا اصول ترتیب کے لحاظ سے ان کو بھی شامل تذکرہ کر لیا گیا مثلاً عروج زیدی، رونق بدایونی محشر بدایونی وغیرہ۔

طبع اول کی ترتیب باعتبار حروف تہجی تھی لیکن طبع دوم کو دو فصلوں میں منقسم کر کے ترتیب کو باعتبار حروف تہجی برقرار رکھا گیا ہے۔ اس تذکرے کو اصولی طور پر طبقات یا ادوار میں تقسیم کیا جانا چاہیے تھا لیکن شعراء کی مختصر تعداد نے اس اصول سے انحراف پر آمادہ کیا۔ کیونکہ ادوار یا طبقات شعراء کے رنگ سخن پر تبصرے کا مطالبہ کرتے ہیں اور ایک دور دوسرے دور سے مطابقت اور ایک ارتقائی صورت پیش کرنے کا خواہاں ہوتا ہے جو تعداد شعراء اور مقدار کلام میں کمی کے سبب ممکن نہیں تھا اس تذکرے میں شعراء کی شمولیت کے لیے جو اصول وضع کیا ہے اس لحاظ سے ہمیں انیسویں صدی عیسوی سے پہلے (دستیاب معلومات کی روشنی میں) ایسے شعراء نظر نہیں آتے جنھوں نے زندگی بھر نعت کہی ہو یا ان کا نعتیہ دیوان یا کوئی مطبوعہ کاوش ہمدست ہو۔ اگرچہ اٹھارہویں صدی میں ایسے شعراء کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے نعت کہی تھی۔ لہٰذا اس تذکرے کی فصل اول کو جو انیسویں صدی سے کچھ قبل سے شروع ہو کر بیسویں صدی کے ربع اول کو محیط ہے، 'ما قبل عہد جدید' کا عنوان دیا ہے۔ اس فصل کے آخری شاعر علی احمد خاں اسیر (ف ۱۹۲۷ء) ہیں جو نعت کے بلند پایہ شاعر تھے ان کی سنہ وفات (۱۹۲۷ء) پر اس فصل کو ختم کر دیا ہے گویہ باعتبار حروف تہجی اس فصل کے پہلے شاعر ہیں۔ ہو الاول والآخر۔

دوسری فصل جو ۱۹۳۰ء سے موجودہ عہد تک کے تراجم پیش کرتی ہے اسے 'عہد جدید' کا عنوان دیا گیا ہے۔ ان دونوں فصلوں کی شاعری پر اجمالاً مقدمے میں تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ تنقیدی مطالعے کے لیے ابھی مزید سرمایۂ شعری کی ضرورت ہے جو سردست فراہم نہیں ہو سکا۔

اس تذکرے میں میں نے سوانحی حصہ کو صحت و معیار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دستیاب

کتابی، مکتوبی اور زبانی حوالے اہم اور ضروری معلومات پیش کرتے وقت دیدیے گئے ہیں البتہ کلام سے متعلق اکثر جگہ حوالہ نہیں آسکا ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جن شعراء کے مطبوعہ دیوان یا گلدستے موجود ہیں یا غیر مطبوعہ دیوان دسترس میں رہے ان کا نمونہ بیشتر مذکورہ مطبوعات و دواوین سے لیا گیا ہے ان کے حوالے کی ضرورت نہیں محسوس کی لیکن جن کے ساتھ یہ صورت نہیں ان کے نمونہ کو طبع اول کے مطابق سمجھنا چاہیئے۔ دراصل بدایوں سے بریلی منتقل ہوتے ہی وہ تمام قلمی مواد منتشر ہو گیا جو طبع اول کی ترتیب کے وقت سامنے تھا۔

اس تذکرے میں تاریخی نقطۂ نظر سے ہر شاعر کے حالات کی چھان پھٹک کی گئی ہے اور اسے اس کے خاندانی پس منظر میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں ہر شاعر کے متعلق پہلے بدایوں میں لکھے گئے تذکروں، تاریخوں، خاندانی شجروں اور مضامین سے رجوع کیا۔ بعد میں بدایوں سے باہر کی حوالہ جاتی کتب کو دیکھا ہے۔ اس طرح مجھے بروقت پیش کردہ معلومات کی تنقیح کا موقع ملا۔ اور میں صحیح، مصدقہ یا قریب الصحت معلومات تک رسائی حاصل کرسکا۔ اس سلسلہ میں بدایونی و غیر بدایونی اہل قلم سے جو فروگذاشتیں ہوئی ہیں ان کی نشاندہی بھی کرسکا۔

تذکرے میں میں نے جن باتوں کا التزام کیا ہے ان پر روشنی ڈالنا ازبس ضروری سمجھتا ہوں شاعر کا صحیح اور مکمل نام، ولدیت، سکونت، خاندان، تلمذ، تاریخ پیدائش و وفات، مدفن، وفات سے متعلق تاریخی مادہ، مطبوعہ کتب کا سال و مقام اشاعت۔ ہجری سنوں کا عیسوی سنہ سے تطابق اس طرح تذکرے کو تاریخی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔ ہر شاعر سے متعلق دستیاب معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس کے تمام مآخذ کی نشاندہی بھی کردی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض شعراء کے تراجم مضمون کی صورت اختیار کر گئے ہیں لیکن میرے لیے یہ ناگزیر تھا کیونکہ ان شعراء پر دوبارہ کون قلم اٹھائے گا۔

طبع اول میں بعض شعراء کے کلام کے نمونے دستیاب نہیں تھے۔ طبع دوم میں بھی بعض کے ساتھ یہی صورت حال ہے لیکن حتی الوسع کلام کا نمونہ فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں بدایوں میں موجود نعت خواں حضرات کی بیاضوں کی بھی ورق گردانی کی ہے۔ بعض نعت خواں حضرات کا اپنا کلام بھی دستیاب ہوا لیکن چونکہ بدایوں کی ادبی برادری میں وہ بہ زمرہ شعراء کبھی شامل نہیں رہے اس لیے ان کی شاعرانہ حیثیت مشتبہ ہے۔ کلام پر قدماء کی طرح رائے دینے سے گریز کیا ہے کیونکہ ایک دو نعتوں اور قصیدوں کے چند اشعار کی موجودگی میں کسی شاعر کی پوری شاعری پر کیوں کر رائے دی جاسکتی

ہے جس جس شاعر کے کلام کا وافر حصہ میری نظر سے گذرا ہے اس پر مجموعی تبصرہ چند سطروں میں کر دیا ہے۔

اس تذکرے میں دو شاعرات شفیقؔ اور حسینؔ بانو اور دو ایک شعراء کا کلام شاعری کے عمومی معیار سے کمتر ہے لیکن ان کو محض اس لیے شامل کر لیا گیا کہ وہ بدایوں میں عمومی نعت گوئی کی فضا کا رنگ پیش کرتے ہیں۔

ہجری سنوں سے عیسوی بنائے ہیں میں نے ابوالنصر محمد خالدی کی مرتبہ تقویم ہجری و عیسوی (دہلی [illegible]) کو سامنے رکھا ہے۔ کسی تاریخ میں فرق نظر آنے کی صورت میں اسی تقویم سے رجوع کرنا مناسب ہوگا۔

اس تذکرے کی از سر نو ترتیب پر جناب یوسف حسین قادری (کراچی) پسر ضیاء القادری مرحوم کے ایک مکتوب نے اکسایا۔ لہٰذا ان کا میں شکرگزار ہوں۔

ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب (مصنف "تذکرہ نعت گویان بریلی" ۔ بریلی ۱۹۸۶ء) نے اپنے مفید مشورے دیے خاص طور پر تذکرے کی تقسیم کے متعلق ان سے گفتگو کرنے کے بعد ہی پیش کردہ تقسیم کے نتیجے تک پہنچا۔ ان کی بزرگانہ شفقت اور میری تحریروں پر ان کے حوصلہ افزا کلمات مجھے بڑی تقویت پہنچاتے ہیں اور میرے قلم کی رفتار کو بڑھاتے ہیں ان کا میں جتنا بھی شکرگزار ہوں کم ہے۔

میرے ہم وطن بزرگوں اور دوستوں میں قاضی الیاس رشید، تسلیم غوری، ڈاکٹر عنایت اللہ خاں نے خط و کتابت کے ذریعے مجھے مطلوبہ معلومات سے باخبر کیا اور اپنی ذاتی کتب سے استفادہ کا موقع دیا۔ میں ان کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔

آخر میں میں اپنی اہلیہ سیدہ ظہیرہ لطیف کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے حصے کا وقت میں نے اس تذکرے سے متعلق تلاش و تحقیق میں صرف کیا۔ اگر ان کی طرف سے اتنی رعایت و رخصت نہیں ملتی تو شاید یہ کام مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔

جناب عبدالستار ناشر ماہنامہ مجلہ بدایوں (کراچی) نے اس تذکرے کی اشاعت کی جملہ ذمہ داریاں ازراہ دوست نوازی اور ادب پروری اپنے ذمہ لی ہیں۔ ان کا کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں۔ مژدے از غیب بروں آید و کارے بکند کے مصداق وہ اچانک ہندوستان تشریف لائے اور کتاب ملاحظہ فرما کر اس کو شائع کرانا منظور فرما لیا۔ ان کی یہ نوازش ہمیشہ یاد رہے گی۔

مجھے امید ہے کہ یہ کوشش بدایوں کی علمی و ادبی بازیافت میں معاون ثابت ہوگی۔

بریلی ۔ ۔۔ مارچ ۱۹۹۶ء

شمس بدایونی

ابتدائیہ

(طبع اوّل)

اُردو ادب میں نعت گوئی دن بدن مقبول ہوتی جا رہی ہے اور نتیجتاً اس سلسلہ کا جو سرمایہ قدیم تذکروں یا دواوین میں محفوظ ہے اسے تلاش و تحقیق کے بعد یکجا کرنے کی سعی بھی کی جا رہی ہے راقم الحروف نے بھی اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے بدایوں کے ان شعراء کو متعارف کرانے کا عزم کیا۔ جن کا نعت گوئی شعار رہا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی سلسلہ کی ایک تحریر ہے۔ یہاں یہ عرض کر دوں کہ یہ مقالہ راقم الحروف کی تصنیف "حقائق و بصائر" (۱۹۸۴ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی مقبولیت کے پیشِ نظر اسے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

میں مولانا احمد حسین صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب پر اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ بدقسمتی سے اس کتاب میں بھی طباعت و کتابت کی اغلاط راہ پا گئی ہیں جن کو درست کرنے کے لیے کتاب کے آخر میں ایک اغلاط نامہ لگا دیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ میری یہ کاوش بھی ادبی حلقوں میں مقبول ہو گی۔

شمس بدایونی

مقدمہ

بدایوں میں علوم و فنون کی روشنی گیارہویں صدی عیسوی میں حضرت سالار مسعود غازیؒ (المتوفی ۱۰۳۳ء) کے فوجی لشکر کے ساتھ پہنچی۔ ۱۲۰۲ء میں قطب الدین ایبک (المتوفی ۱۲۱۰ء) کے قلعہ بدایوں فتح کرلینے کے بعد بدایوں بھی مسلم فرماں رواؤں کے زیر اقتدار آگیا اور یہاں مسلم آبادکاری کا سلسلہ شروع ہوا۔

بدایوں پر قطب الدین ایبک کی ایک سالہ حکومت (۱۲۰۲ء) کے دوران جامع مسجد قطبی کی تعمیر ہوئی۔ اور ایک عالیشان مدرسہ ''مدرسہ معزیہ'' سلطان معز الدین بن سام یعنی محمد غوری کے نام پر قائم ہوا۔ بعد ازاں شمس الدین التمش (ف ۱۲۳۶ء) کے عہد گورنری (۱۲۰۴ تا ۱۲۱۱ء) میں یہاں علمی ماحول پروان چڑھا اور ایک مقدس فضا پیدا ہوگئی۔ التمش نے بہ عہد گورنری عیدگاہ شمسی تعمیر کرائی (۱۲۰۹ء) اور جامع مسجد شمسی (۱۲۱۰ء) کی بنیاد رکھی۔ عہد شمسی میں بے شمار علماء و صلحاء و صوفیاء بلاد عرب و عجم سے آکر یہاں متوطن ہوگئے اور انہوں نے یہاں رشد و ہدایت و علم و عمل کے چراغ جلائے۔ مغلوں کے زوال تک علم و فقر و تصوف کے نغمے یہاں گونجتے رہے اور یہاں کی فضاؤں پر تقدس بنا رہا۔ بایں سبب بدایوں نتیجتہً مدینۃ الاولیاء اور پیران شہر کے نام سے معروف ہوا۔ جو بزرگان دین یہاں آکر متوطن ہوئے ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔ لیکن ان میں قدیم ترین یہ ہیں:

قاضی دانیال قطری (ف ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء) خواجہ سید عرب بخاری (ف ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء) حضرت سلطان العارفین (ف ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) صاحب مشارق الانوار مولانا رضی الدین حسن صغانی (ف ۶۵۰ھ/ ۱۲۵۲ء) مولانا علاؤ الدین اصولی (ف ۶۶۲ھ/ ۱۲۶۳ء) شیخ شہاب الدین مہمرہ (۶۸۶ھ/ ۱۲۸۷ء) اجداد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء) حضرت امیر حسن سجزی (۷۳۸ھ/ ۱۳۳۷ء) خواجہ ضیاء الدین نخشبی (۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء) وغیرہ۔

ان بزرگان دین کی آمد کے ساتھ ہی مختلف دیار و امصار سے بعض مسلم خاندان وقتاً فوقتاً بھی یہاں آکر متوطن ہوئے۔ بعض خاندانوں کے مورث بھی بزرگان دین تھے۔ بغداد، بخارا، سمرقند، یمن، نخشب

شہر بصرہ، غزنین و غور سے کتنے ہی خاندان مغلوں کے دور حکومت تک یہاں آتے رہے اور یہاں کی علمی فضا سے متاثر ہو کر یہیں بس گئے۔ سادات میں سادات قبائی، نقوی، ہاشمی۔ شیوخ صدیقی میں عثمانی، حمیدی، فرشوری، متولی، دانشمندی۔ پٹھانوں میں غوری، لودی، شیروانی، محمد زئی، دل زاک اور بعض دوسرے خاندان مثلاً انصاری و قریشی وغیرہ نے یہاں کی آباد کاری میں حصہ لیا۔ اور یہاں ایک تہذیبی و علمی فضا قائم کرنے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ دین اسلام ان خاندانوں کی علمی زندگی کی اساس تھا۔ چنانچہ تعلیم و تعلم، تبلیغ و تنظیم، تزکیہ قلوب و تطہیر نفس کے ساتھ ساتھ مقامی علمی اقدار اور تہذیبی روایت کے تحفظ کے لئے انہوں نے بڑی جدوجہد کی۔ شاہی سرپرستیوں اور انفرادی و اجتماعی کوششوں سے انہوں نے علماء و صلحاء کے دوش بدوش خانقاہیں، مسجدیں، مدارس، مکتب گھریلو تعلیم گاہیں قائم کیں، اس طرح علم و ادب کے فروغ اور انسانی اقدار کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے انھوں نے بنیاد کا کام کیا۔ چنانچہ بدایوں کی علمی فضا قال اللہ و قال الرسولؐ کی دل نشین صداؤں کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے نغموں سے بھی گونجنے لگی۔ وہ علماء و صلحاء جو یہاں دین اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے تھے، تنہائی میں اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے شعر و سخن سے شغل کرنے لگے۔ روحانی سرّیت نے شاعری کا جامہ زیب تن کیا۔ حمدیہ، نعتیہ اور صوفیانہ شاعری ظہور میں آنے لگی۔ صوفیاء کے دوش بدوش ان کے خلفاء و مریدین، متعلقین و متاثرین نے بھی یہی رنگ اور موضوع اختیار کیا اور اس طرح نعت کہنے، پڑھنے اور سننے کا رواج غیر معمولی اہمیت حاصل کرتا چلا گیا۔

بدایوں میں یوں تو مختلف سلسلہ ہائے طریقت کے بزرگوں نے فقر و تصوف، ایمان و ایقان تعلیم و تعلم کے دیئے روشن کیے اور ان سلسلوں سے متعلق اشخاص سلسلہ ارادت و خلافت کے مجاز قرار پاتے رہے لیکن جو سلسلہ ہائے طریقت یہاں مقبول و مروج ہوئے۔ خصوصاً اٹھارہویں صدی تا حال۔ ان میں یہ تین سلسلے بدایوں کی نسبت سے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سلسلہ قادریہ

سلسلہ مذاقیہ

سلسلہ نیازیہ

سلسلہ قادریہ کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (المتوفی ۱۱۶۵ء) سے ہے۔ بدایوں میں یہ سلسلہ مارہرہ کے بزرگ حضرت شاہ برکت اللہ بلگرامی ثم مارہروی (المتوفی ۱۷۲۹ء) کی آمد سے مقبول و مروج ہوا۔ خاص شہر بدایوں میں حضرت شاہ عبدالمجید قادریؒ (المتوفی ۱۸۴۴ء) اس سلسلہ کے بانی قرار

پائے۔ انھوں نے ان بزرگوں سے اجازت و خلافت حاصل کرکے بدایوں میں خانقاہ قائم کی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ شاہ عبدالمجید قادری سے تا حال یہ خانقاہ قائم ہے۔ اس خانقاہ کے بزرگوں کی کئی سو سالہ علمی و ادبی تاریخ ہے۔ شیوخ صدیقی کی شاخ "عثمانی" میں اسی خاندان کے افراد شامل ہوتے ہیں۔

سلسلہ مداریہ انیسویں صدی میں ظہور پذیر ہوا۔ یہ سلسلہ ایک صوفی منش بزرگ اور شاعر حضرت دلدار علی مذاق بدایونیؒ (ف ۱۸۹۴ء) کے نام نامی سے منسوب ہے۔ یہ بزرگ متعدد سلسلہ ہائے طریقت سے خرقۂ خلافت حاصل کرکے بدایوں میں بندگانِ خدا کی روحانی تربیت کے فرائض انجام دیتے رہے بخاص طور پر چشتیہ و قادریہ سلسلوں کے معمولات کو پورا کرتے تھے۔ حُبِ اہل بیت سے سرشار اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے غایت درجہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ان کو خاقانی ہند ذوق دہلوی (ف ۱۸۵۴ء) سے تلمذ حاصل تھا۔ شعرائے بدایوں کی شعری تربیت میں بھی ایک استاذ فن کی طرح حصہ لیا۔ تلامذہ کی کثیر تعداد یادگار چھوڑی۔ ان کا تعلق شیوخ صدیقی کی شاخ "بنو حمید" سے تھا۔ حمیدی خاندان کے افراد ہند و پاک کے وسیع و عریض خطے میں بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

سلسلہ نیازیہ کے قائم کرنے والے حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلویؒ (ف ۱۸۳۴ء) ہیں۔ یہ اگرچہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں لیکن اس علاقہ میں وہ ایک انفرادی سلسلہ نیازیہ کے بانی ہیں۔ ان کے بیٹے حضرت شاہ نصیر الدین چشتی (ف ۱۸۸۸ء) عرف چوٹیا والے میاں ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء یا ۱۸۶۴ء میں بدایوں میں مع اپنی والدہ ماجدہ آکر متوطن ہوئے[1] محلہ بیدوں ٹولہ میں خانقاہ تعمیر کرائی اور بندگانِ خدا کی تربیت میں حصہ لیا۔ ان تینوں سلسلوں میں بدایوں میں آباد خاندانوں کے صدہا افراد مرید تھے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ بدایوں میں یوں تو تمام ہی سلاسل طریقت قدیم سے موجود تھے جو عہد بہ عہد قائم رہے اور جن کے مریدین و خلفا نے علم و فضل اور ادب و شاعری کے فروغ میں قابل قدر حصہ لیا لیکن مذکورہ تین سلاسل معرفت و طریقت کے ساتھ ساتھ شعری ماحول خصوصاً نعت کی طرف اختصاصی رجحان کے محرک تھے۔ یہ اپنے اکابر کا عرس بڑے اہتمام سے کرتے اور اسی کے تحت نعت و مناقب کی محفلیں بھی آراستہ کرتے۔ آستانہ قادریہ میں مستقل مناقب خوانی کی ایک مجلس آراستہ تھی، جو اعراس کے دنوں میں اکثر مشاعرے اور نشستوں کا اہتمام کرتی۔ رات بھر نعت و مناقب کا دور دورہ رہتا۔ مقامی شعراء کے ساتھ ساتھ بیرونی شعرا بھی مدعو کیے جاتے تھے۔ بقول شخصے یہ خدائی رات ہوتی تھی[2]۔ پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا ہے[3]۔

۱۔ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۹۵

۲۔ تذکرہ طیبہ ص: ۲۱۔

۳۔ پیش لفظ کلام حامد ص: ۵

"نعتیہ کلام کی ایک روایت تھی اور بدایوں میں اس روایت کو خاصا فروغ ہوا۔ بدایوں کے شرفاء کے اکثر خاندان یا تو مارہرہ کے قادری سلسلے میں بیعت تھے یا مولوی فضل رسول کے سلسلے میں۔ یہاں علاوہ ربیع الاول کی محفلوں کے اولیائے دین و صوفیائے کرام کے عرس بھی ہوتے رہتے تھے۔ ان عرسوں میں اکثر شعراء اپنا تازہ کلام یا منقبت سناتے تھے۔ نعت میں قصائد بھی لکھے جاتے تھے اور غزلیں بھی۔"

عید میلاد النبی کا رواج بھی انہیں سلسلہ ہائے طریقت کے زیر اثر پڑا۔ اسے وعظ و بیان سے زیادہ نعت خوانی سے جوڑا گیا۔ نعت خواں حضرات کی ٹولیاں وجود میں آنے لگیں اور انہیں "ذاکر رسول" کا درجہ دے کر عزت و مقام دیا گیا اور عام معاشرے میں ان کی تہذیبی حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔ یہ نعت خواں محتشم نعت گو شعراء اور شعرائے بدایوں کا کلام پیش کرتے۔ خانقاہی محفلوں میں اُن کے اسلاف کا کلام پیش کر کے داد و تحسین حاصل کرتے۔ گھر گھر، محلہ محلہ، گلی گلی جلسوں کی ہمہ ہمی رہتی۔ شہر بدایوں میں "نبی خانہ" کے نام سے مستقل ایک عمارت عید میلاد النبی کے جلسوں اور نعت خوانی کی محفلوں کے لیے مخصوص تھی۔ یہ عمارت حافظ مجاہد الدین ذاکر بدایونی (ف ۱۹۱۶ء) نے ۱۸۷۶ء میں تعمیر کرائی تھی۔ ذاکر قادریہ سلسلے میں شاہ آل رسول قادری مارہروی (ف ۱۸۷۹ء) کے خلیفہ تھے۔ بدایوں میں ذاکر رسول اور عاشق رسول کی عرفیت سے معروف تھے۔ یہ نبی خانہ شعرائے بدایوں میں نعت گوئی کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ بنا۔ متعدد شعراء نے نبی خانہ کی پاکیزہ محفلوں سے متاثر ہو کر خود کو نعت تک محدود کر لیا اور رسمی شاعری سے تائب ہو گئے۔ پروفیسر ضیاء احمد نے لکھا ہے[۱]

"نبی خانہ کے نام کے ساتھ اس کے بانی (حضرت ذاکر مرحوم بدایونی) کا جوش عقیدت اور کمال ارادت آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ربیع الاول شریف کے مہینے میں جو درحقیقت "ربیع فی ربیع فی ربیع" کا مصداق ہے۔ یہ مقام تلاوت قرآن، صلوٰۃ سلام ذکر رسول اور ترانہائے نعت سے گونج جاتا تھا اور حاضرین بزم برکات سے دامن بھر کر اٹھتے تھے۔ یہیں بدایوں کے متعدد سخنور، زلالی، جامی، راغب، عطا، شاد، عالی وغیرہم ہر سال اپنا تازہ کلام نعت سنانے اور اہل ذوق سے داد پاتے تھے۔"

یہ محافل نعت نظامی بدایونی (ف ۱۹۴۷ء) مالک و بانی نظامی پریس بدایوں) جیسے معروف ترین انسان کو معمولاً نعت و نظم کہنے کے لیے مجبور کر دیتی تھیں۔ مولوی محمد احمد شوری (ف ۱۹۴۰ء) نے لکھا ہے[۲]

---

[۱] تعارف زاد آخرت ص: ۲۰

[۲] تجلیات سخن ص: ۴

نظامی صاحب نے سالہا سال سے یہ معمول کرلیا ہے کہ اگر سال کے ۳۶۴ دنوں میں ایک شعر بھی موزوں نہ کریں تو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کی شب میں وہ ایک قطعہ یا نظم جشن میلاد نبی خانہ کے لیے ضرور لکھتے ہیں۔

درگاہ قادریہ میں اعراس کے دنوں میں ایسی ہی ایک محفل نعت میں یہ شعر تخلیق ہوا جو آج تنہا نعت کے باب میں بدایوں کی ادبی شہرت کا ضامن ہے۔

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

اس شعر کی شان نزول بدایوں کے ایک بزرگ نے اس طرح بیان فرمائی کہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں کے سالانہ عرس کے زیر اہتمام نعتیہ نشست کے جو پروگرام ہوتے تھے ان میں بدایوں کے دو نعت خواں مولوی محمد حسین اور مولوی نثار احمد کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ یہ دونوں حضرات ہم مشرب ہونے کے سبب ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ مولانا شاہ عبدالقدیرؒ قادری (ف ۱۹۶۰ء) کا زمانہ تھا۔ عرس بڑے تزک و احتشام سے منایا جارہا تھا۔ اقبال کی شاعری کی ان دنوں دھوم تھی۔ چنانچہ مولوی احمد حسین نعت خواں نے اقبال کی غزل :

کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

ایک مخصوص نعتیہ نشست میں چھیڑ دی۔ غزل ایک خاص کیفیت رکھتی تھی' لہذا علماء و صوفیا وجد کرتے تھے اس صورتحال کو دیکھ کر مولوی نثار احمد نے اپنا بستہ بغل میں دابا اور لطف بدایونی (ف ۱۹۴۲ء) کے کہنی ماری اور کہا حضرت میں چلا! اب محفل کو گرمانا مشکل ہے۔ لطف کشتۂ عشق اور صاحب وجد و حال تھے۔ چنانچہ درگاہ سے باہر آئے اور زمین پر بے اختیار لوٹنے لگے۔ اسی عالم بے اختیاری میں زبان سے شعر بولتے گئے' مولوی نثار احمد انھیں نقل کرتے گئے۔ مولوی نثار احمد دوبارہ محفل میں آئے اور لطف کی غزل پڑھی جیسے ہی اس شعر پر "رُخ مصطفیٰ ... الخ" پر پہنچے' اقبال کی غزل کا سارا سحر کافور ہوگیا۔

آج بھی بدایوں میں عید میلاد النبی کے موقع پر آستانہ قادریہ میں ایک بڑا نعتیہ مشاعرہ ہوتا ہے۔ شہر میں چھوٹی چھوٹی شعری نشستیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ میلادوں کا سلسلہ ماضی کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ مگر وہ روایتی پاسداری ختم ہوگئی۔ نعت خوانوں کی ٹولیاں بھی اب پہلے جیسی باقی نہیں رہیں۔

انفرادی نعت خوانی کا رجحان البتہ بڑھ گیا ہے۔ آج سے پندرہ بیس سال پیشتر حضرت سید احمد بخاری (ف ۱۳۳۸ھ) (والد حضرت نظام الدین محبوب الٰہی) اور حضرت مذاق میاںؒ (ف ۱۸۹۴ء) کے آستانوں پر بھی نعتیہ نشستیں ہوتی تھیں اور گلدستے طبع ہوا کرتے تھے۔ اب وہاں یہ سلسلہ ختم سا ہے۔

ان عرسوں اور میلادوں سے قطع نظر مذہبی رجحان کو برقرار رکھنے اور اسے پاکیزگی عطا کرنے میں ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس شہر کے علمائے کبار مذہبی مناظروں، بحثوں اور بعض عقائد و مسائل کے تردید و بطلان میں پیش پیش رہے۔ آریہ سماجیوں عیسائی پادریوں، غیر مقلدوں ارباب دیوبند وغیرہ سے مناظرے کیے گئے اور ان کے عقائد و نظریات کے رد میں رسائل لکھے گئے۔ ردِّ وہابیت یہاں کے علمار کا پسندیدہ موضوع رہا۔ اس موضوع پر متعدد علمی رسائل مطبوعہ موجود ہیں مسئلہ اذان ثانی (جمعہ) پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) اور بدایونی علمار کا تحریری مناظرہ اور مقدمہ بازی آج تک مقامی بزرگوں کو یاد ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں بدایوں کے عوام و خواص، ذہنی طور پر علمار و صوفیار سے جڑے رہے۔ اور بہاریہ شاعری کے ساتھ نعت کی طرف بھی کافی ملتفت ہوئے۔ ایسا بھی ہوا کہ شعرار نے بہاریہ شاعری کو ترک کر کے خود کو صرف نعت و مناقب تک محدود کر لیا۔ پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا ہے[۱]

> جب میں نے ہوش سنبھالا تو بدایوں میں ہر طرف شعر و شاعری اور علوم اسلامیہ کے چرچے تھے ...... یہ عرسوں اور مشاعروں، مذہبی مناظروں اور مقدمہ بازیوں کا شہر تھا قدامت یہاں سب کچھ تھی اور وضعداری قدر اعلیٰ۔ اس دور میں اگرچہ زندگی کی تیز رفتاری اور دنیا کے حالات میں تغیر کا احساس کم تھا لیکن بہرحال یہ دنیا ایک تہذیبی ماحول، ایک ادبی ذوق اور ایک علمی نظر رکھتی تھی۔

یہ تھے وہ اسباب و محرکات جو بدایوں میں نعت گوئی کے فروغ کا باعث بنے اور بدایوں میں نعت گوئی کے فروغ کے سبب مختلف اصناف سخن کو بھی یہاں مقبولیت حاصل ہوئی۔ قصیدہ مثنوی، مخمس، مسدس، تضمین، غزل وغیرہ میں بصورت نعت بہت کچھ لکھا گیا۔ بدایوں کی نعتیہ شاعری کا ماحول اس قدر نمایاں تھا کہ ان پڑھ شعرار نے بھی نعت گوئی میں شہرت حاصل کی۔ اس تناظر میں بدایوں میں نعت گوئی کا آغاز یہاں پر شاعری کے آغاز سے جا ملتا ہے۔

اسلامی ہند کے دور اول سے مغلوں کے عہدِ شباب تک بزرگانِ دین کی ایک بڑی جماعت بدایوں میں مسکون نظر آتی ہے ان میں بعض بزرگ شاعری سے بھی علاقہ رکھتے تھے اور فارسی میں

---

[۱] ماہنامہ صبح دہلی بحوالہ نظامی بدایونی اور نظامی پریس کی ادبی خدمات ص: ۴۵

حمد و نعت و منقبت نہ شعر کہا کرتے تھے۔ چند ایک نمونے اس دور کے دستیاب ہیں۔ معروف نام حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۱۲۳۳-۱۳۲۴) کا ہے اس جماعت میں بعض وہ لوگ بھی شامل ہیں جو فارسی میں ممتاز شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں ان میں شیخ شہاب الدین مہمرہؔ (ف ۱۲۸۷ء) امیر حسن سجزیؔ (ف ۱۳۲۷ء) شیخ ضیاء الدین نخشبیؔ (ف ۱۳۵۰ء) شیخ محمد معین فائقؔ (ف ۱۷۶۰ء) اکرام اللہ محشرؔ (ف ۱۸۰۵ء) شاہ عبدالمجید قادری (ف ۱۸۴۶ء) کے نام ممتاز ہیں۔ جنھوں نے فارسی میں نعت گوئی کو ایک معیار دیا۔ نمونہ کلام:

شیخ شہاب مہمرہؔ:

الغم بہ لوت ہستی ہمہ ہیچ در نشانی   بہ بقائے غیر قائم ز وجود خویش فانی
شہ تخت کے محمد کہ سرادق شرف زد   بسوئے در ہمی من ز سرائے امہانی
بشرے ملک لطافت فلک زمیں تواضع   چو فلک بہ پاک جسمے چو ملک بہ پاک جانی
گہرے کہ بود بیش بہ خزانہ الٰہی!   قمرے کہ تافت نورش ز سپہر جاودانی
گہرے کہ قیمت تر ز وجود او نیابد نہ   بہ دلالت عناصر ز محیط آسمانی
شکریں زباں رسولی کہ بود نجات امت   بہ قصیدۂ زبانش ز عقیلہ زبانی!
گہریں بیاں فصیحے کہ فصاحت بیانش   چو ضمیر کاں کند خوں دل گنج شایگانی
ز جمال عارضش کم رخ آفتاب شرقی   ز قوام قامتش خم قد سرو بوستانی
جذبات شوق باطن بہ مکاشفت کشیدہ   ز بسیط کائناتش بہ محیط لامکانی
زمن آں کہ ایں قصیدہ طلبیدہ باد جانش   چو قصیدہ ام مزین بجواہر معانی

(منتخب التواریخ ج ۱/ ص: ۷۱ تا ۷۵)

حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ:

صبا بسوئے مدینہ رو کن از یں دعاگو سلام برخواں   بگرد شاہ رسل بگردد بصد تضرع پیام برخواں
بشو ز من صورت مثالی نماز بگزار اندراں جا   بہ لحن خوش سورۂ محمد تمام اندر قیام برخواں
بہ باب رحمت گہے گزر کن بباب جبریل گہ جبیں سا   صلوٰۃ منی علی نبی گہے بہ باب السلام برخواں
بنہ بچندیں ادب طرازی سر ارادت بخاک آں کو   صلوٰۃ وافر بروح پاک جناب خیر الانام برخواں
بہ لحن داؤدہم نوا شو بنغمہ درد آشنا شو   بہ بزم پیغمبر ایں غزل را ز عبد عاجز نظام برخواں

(تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۳۹)

امیر حسن سجزی :

باغ بہشت وصف جمال محمد است	ختم رسل، صفات کمال محمد است[۱]
نون و قلم بدیده از لوح خلق اوست	طاہا اشارتی ز جمال محمد است
کرسی کہ پشت تخت فلک تحت قدر اوست	یک پایۂ ز جاه و جلال محمد است
آن ز عید شادی و انجام صوم غم	موقوف ابروی چون ہلال محمد است
زان شد فلک ز تحفہ ناک این چنین بلند	کاین حرف خم پذیر چون دال محمد است
ہست این نعم نوالہ از خوان او ولی	جملہ نوالہا ز نوال محمد است
آزاد شد زبان حسن از بنانہ بر غمی	گویا کہ محمد ز آل محمد است

شیخ ضیاء الدین نخشبی :

علوی و عالی و معالی بہ جسم	احمد و محمود محمد بہ اسم
داد گواہی بخدائی حق	رحمت عالم بہ گواہی حق
ذات خوشت راحت جاں آمده	پیش ز آدم بہ جہاں آمده
نخشبی از غاشیہ داران اوست	بنده او بنده یاران اوست

(تذکرۃ الواصلین ص : ۸۸)

مولانا محمد معین فائق :

ای مہبط روح و منزل قرآنی	وی مطلع قدس و نیر تابانی !
بحر کرمی و معدن جود و سخا	باغ ہمی و خلق را بستانی
خیل ہمہ انبیا بروز محشر	خوانند شفیع درگہ صمدانی
ریحان بہار یاسمین و گل را	رخسار تو داد رنگ و بو ارزانی
زنہار ترا پناه خواہم ریزا	زنہار دهِ ملائک و انسانی
سر بر قدم تو با ہزاران الحاح	سایند رسل زہے عظیم الشانی

۱؎ ۔ دیوان حسن راقم الحروف کو قرب و جوار میں دستیاب نہ ہو سکا۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب (علی گڑھ) سے رجوع کیا۔ انہوں نے مذکورہ نعت روس کے ایک عکسی نسخے سے نقل کر کے ارسال کی ۔ جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں ۔

یا احمد مجتبیٰ بجواب مارا | یکبار بگو کہ ہاں چرا گر یانی
یارے وہ فائق کثیر العصیاں | یا در ہمہ جاؤ ہم معین ہر آنی

(تاریخ بنی حمید قلمی ص : ۲۴-۲۵)

شاہ عین الحق عبد المجید قادری :

رفت در بیجانہ اش صبر و دل دو نیم قرار | سادہ لوحی بیں کہ عشقش را خریدارم ہنوز

(تذکرۃ الواصلین ص : ۲۴۸)

بدایوں کے شعر و ادب پر چونکہ ابھی مورخانہ نظر نہیں ڈالی گئی ہے لہذا یہ تعین کرنا سر دست مشکل ہے کہ یہاں نعت کا اولین شاعر کون ہے ۔ سر دست عمیدہ[1] کے نعتیہ قصائد کی موجودگی میں عمیدہ ہی کو نعت کا پہلا شاعر قرار دینا درست ہوگا ۔ منتخب التواریخ (ملا عبد القادر) (۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۶ء) میں تکمیل ہوئی ۔ عمیدہ کے متعلق اس وقت یہی اہم ترین ماخذ ہے ۔ عبد القادر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہاب عمیدہ[2] کا بہت معترف تھا اس نے شہاب عمیدہ کو استاذ الشعراء اور شہسوار میدانِ بلاغت تحریر کیا ۔ چند قصائد تبرکاً نقل کیے جن میں دو قصائد توحید و نعت میں ہیں ۔ شہاب کا تمثیلی اظہار اس پر زور بلاغت اہلِ علم کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں ۔ راقم الحروف نے صرف دس شعر نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے ۔ جب تک کسی دوسرے معتبر ماخذ سے عمیدہ کے قصائد سے قبل بدایوں میں کوئی اور نعت کا نمونہ دستیاب نہ ہوجائے ۔ عمیدہ کی اولیت برقرار رہے گی ۔

---

[1] ۔ یہ امیر خسرو کے استاد تھے ۔ خسرو نے ان کی عظمت کا اعتراف اس طرح کیا ۔

در بداؤں عمیدہ سرمست برخیزد زخواب | گر برآید غلغلہ مرغان دہلی زین نوا

[2] ۔ ملا نے انہیں شہاب عمیدہ بدایونی لکھا ہے (منتخب ص : ۷۰) لیکن بدایونی تذکرہ نویس انہیں شہاب الدین عمیدہ لکھتے ہیں ۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ شہاب کے ساتھ الدین کا اضافہ کب اور کس نے کیا ؟ تخلص کے متعلق بھی بحث کی گنجائش موجود ہے کہ آیا تخلص شہاب تھا یا عمیدہ ۔ خسرو نے مذکورہ صدر شعر میں عمیدہ نظم کیا ہے ۔ جب کہ عمیدہ کے ایک قصیدہ کے شعر میں شہاب بھی استعمال ہوا ہے ۔ شعر یہ ہے :

عجب اے شہاب از تو کہ زسلطنت دریں راہ | نہ امیر ہست خانہ نہ سواد ہفت خوانی

(منتخب التواریخ : ص : ۷۲)

بدایوں میں اُردو شاعری کا آغاز کب سے ہوا۔ یہ سوال ہنوز تشنۂ تحقیق ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمالی ہند میں اُردو شاعری کے آغاز کے ساتھ ہی بدایوں بھی اُردو شاعری سے روشناس ہوا۔ روہیلہ حکومت (آغاز اٹھارہویں صدی تا ۱۷۷۴ء) کے سیاسی استحکام اور ان حکمرانوں کے جذبہ سخنوری و سخن پروری نے اس علاقہ کو تھوڑے وقفے کے لیے علم و ادب کا مرکز بنا دیا تھا۔ بیرونجات کے متعدد شعراء نے آنولہ و بریلی کا رُخ کیا جو سیاسی مراکز تھے اور وہاں کے اُمراء سے وابستہ ہو گئے لیکن بدایوں کے اُردو شعراء کو ان اُمراء کی سرپرستیاں نہیں حاصل ہو سکیں۔ یہی سبب ہے کہ اس صدی میں اُردو شاعری کی ضیا بریلی کے مقابلے بدایوں میں قدرے مدھم نظر آتی ہے۔ وہ شعراء جنھوں نے بدایوں سے باہر دہلی، فیض آباد، لکھنؤ وغیرہ میں بود و باش اختیار کی وہ نمایاں رہے، دیگر شعراء کو نامقبولیت کی تہہ نے ڈھانپ لیا۔

ایسا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی (۱۷۰۱ تا ۱۷۹۹ء) کے آغاز میں بدایوں میں بھی اُردو شاعری کا رواج پڑا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے شعرائے بدایوں کے متعدد نام اُردو تذکروں میں نظر آتے ہیں۔ لیکن حالات و نمونہ کلام ان کے بھی ناکافی ہیں۔ ان میں حافظ امیر الدین امیرؔ، عزیز خاں ہیجانؔ، قاضی محمد جلیسؔ، محمد خلیلؔ، سلیم اللہ راضیؔ، اعزاز الدین عزیزؔ، اکرام اللہ محشرؔ، معین الدین معینؔ، نواب الدین موجدؔ، نواب ظہور اللہ خاں نواؔ، محمد واصلؔ، ہمت سنگھ ہمتؔ، مصطفےٰ خاں یکرنگؔ کا ذکر قدرت اللہ شوقؔ نے اپنے تذکرے "طبقات الشعراء" (سال تصنیف ۱۷۷۴ء) میں کیا ہے۔ منجملہ ان کے عبدالحیٔ تاباںؔ (ف ۱۷۴۹ء)، شاہ محمدی بیدارؔ (ف ۱۷۹۶ء)، فضل حسن فضلؔ، محمد صفی اللہ صفیرؔ (ف ۱۸۳۵ء) کا نام بھی اس صدی کے بعض تذکروں میں ملتا ہے۔ تلاش سے اور بھی متعدد شعراء کے نام مل جائیں گے۔ ایک نام منشی ریاض الدین ریاضیؔ کا ہے جو غالباً میاں مظہر جانِ جاناںؔ (ف ۱۷۸۱ء) کے شاگرد تھے۔ تاباںؔ، نواؔ، موجدؔ کے دواوین شائع ہو چکے ہیں۔ معینؔ کا انتخاب بھی اُردوئے معلیٰ (مارچ ۱۹۱۱ء) میں شائع ہوا۔ بیدارؔ کا وافر کلام تذکروں میں درج ہوا۔ دیگر شعراء کے نمونے مختصر ہیں۔ ان شعراء میں نعت کی طرف توجہ کرنے والوں میں خاص نام اکرام اللہ محشرؔ (ف ۱۸۰۵ء) قاضی محمد جلیسؔ (ف ۱۷۰۶ء) شاہ محمدی بیدارؔ (ف ۱۷۹۶ء) کا رہا ہوگا۔ لیکن ان کے اُردو کے نعتیہ کلام کے نمونے دستیاب نہیں ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی (۱۸۰۱ تا ۱۸۹۹ء) میں بدایوں میں شعر و ادب کی بساط سی بچھ گئی۔ شعرائے بدایوں نے اساتذہ دہلی و لکھنؤ سے سلسلہ تلمذ قائم کیا۔ ذوقؔ، غالبؔ، ممنونؔ، عارفؔ، راسخؔ، ظہیرؔ، داغؔ، حالیؔ، شیفتہؔ وغیرہم اور لکھنوی اساتذہ میں آتشؔ، افضلؔ، تسلیمؔ، امیرؔ، جلالؔ، فراقؔ، یگانہ وغیرہم

سے استفاضہ و استفادہ کیا۔ اس طرح بدایوں میں دہلی اور لکھنؤ دونوں دبستانوں کے لہجے اور شعری اسالیب طرز اظہار و بیان مقبول و مروج ہوا۔ لیکن بدایوں کے شعری ماحول پر دہلی اسکول کا اثر غالب رہا۔ ذوقؔ ظہیرؔ و داغؔ اور احسنؔ مارہروی کے تلامذہ نے اس رنگ کو یہاں پروان چڑھایا اور یہ سلسلہ ابر احسنی (ف ۱۹۷۳ء) جامی بدایونی (۱۹۶۵ء) کے تلامذہ کی صورت میں ابھی موجود ہے۔ گو جدید ادبی رجحانات نے ان ہر دو اسکول کی تمیز کو ختم سا کر دیا ہے لیکن بدایوں کی شعری روایت ہنوز مضمون آفرینی، زبان و بیان کی سحر آفرینی اور تصوف کی چاشنی لیے ہوئے ہے۔ ترقی پسندیت بعد ازاں جدیدیت نے یہاں قابل ذکر اثر نہیں ڈالا۔

جہاں تک نعت کا تعلق ہے اس میں یوں بھی لکھنؤ کی صنعت گری کی زیادہ گنجائش نہیں تھی (اس صدی میں جن شعرائے کرام نے اختصاصی طور پر نعت کہی اور نعت میں امتیاز حاصل کیا وہ سب زیرِ نظر تذکرے میں آ گئے ہیں) اس صدی کے شعرائے بدایوں کے لیے نعت بسم اللہ بنی۔ مدحیہ قصیدوں، طبع زاد داستانوں، مثنویوں، دیوانوں کے آغاز میں بطور تبرک و تیمن ہر ایک نے نعت کہی۔ لیکن بہ اصولِ ترتیب وہ ہمارے مطالعے کا موضوع نہیں۔ اس صدی کے شعرائے بدایوں کے ناموں سے اُردو تذکرے مالامال ہیں علاوہ نعت گو شعراء کے اس صدی کے چند ممتاز شعراء کے نام حسب ذیل ہیں ان میں بعض صاحب دیوان بھی ہیں۔

آزاد: محمد علی خاں (ف ۱۸۵۹ء) تلمیذ ذوقؔ

اعجاز: منشی محمد عبدالعزیز (ف ۱۹۰۰ء)

بندہ: شیخ حفیظ اللہ (ف ۱۸۶۰ء)

بیتاب: میاں عبداللہ شاہ (ف ۱۸۸۰ء)

تسلیم: منشی انوار حسین (ف ۱۸۹۲ء)

دردی: مفتی محفوظ علی (ف ۱۸۳۲ء)

رسوا: مولانا فیض احمد (ف ۱۸۵۷ء)

زار: داؤد اللہ (ف ۵۷-۱۸۵۶ء)

زکی: نواب محمد زکریا خاں (ف ۴-۲-۱۹۰۲ء) تلمیذ غالب

سحر: منشی دیبی پرشاد (ف ۱۹۰۲ء)

شاکر: مولوی رضا احمد (ف ۱۹۱۰ء) تلمیذ سید حسن کیف دہلوی

صادق : عزیز الدین عزیز (ف ۱۸۹۴ء) تلمیذ غالب

صبا : سید صابر حسن (ف ۱۸۹۶ء)

ضابط : اصغر علی (ف ۱۸۹۲ء)

ضیا : راشد علی (ف ۱۸۹۱ء)

فدا و جمالی : حکیم سید احمد حسین (ف ۵۲-۱۸۵۱ء) تلمیذ غالب

قیس : افضل الدین (ف ۵۲-۱۸۵۱ء)

مائل : میر عالم علی خاں (۱۸۷۷ء تک حیات تھے) تلمیذ غالب

مدہوش : سخاوت حسین (ف ۱۹۰۱ء) تلمیذ غالب

مسکین : عظیم اللہ (ف ۱۸۸۶ء)

معجز : آغا علی (ف ۱۸۸۰ء)

ممتاز : حکیم ممتاز الدین (ف ۱۸۹۰ء) تلمیذ شاہ نصیر

موجد : وہاب الدین موجد (ف ۱۸۲۰ء)

ناطق : نظام الدین (ف ۱۸۶۸ء) تلمیذ معروف دہلوی

نفیس : اشرف علی (ف ۱۸۵۸ء) (مجاہد آزادی) تلمیذ نوا

نوا : ظہور اللہ خاں (ف ۱۹۲۰ء) تلمیذ بقا دہلوی

وفا و طالب : میر ابراہیم علی خاں (ف ۱۸۸۸ء) تلمیذ غالب

ان شعراء میں اکثر نے نعت بالعموم اور بعض نے نعت بالخصوص کہی ہوگی اور دیوان بھی مرتب کیے ہوں گے لیکن ان شعراء سے متعلق معلومات اور کلام جو تذکروں میں مذکور ہوا ہے، وہ مذکورہ قیاس کی طرف تو رہنمائی کرتا ہے لیکن زیر نظر تذکرے کے اصول شمولیت کے لحاظ سے یہ ناکافی ہے۔ ان شعراء کا کلام لائبریریوں اور رذاتی ذخیروں میں ممکن ہے موجود ہو اور کبھی دن کا اجالا دیکھے۔

تذکرے کی تقسیم کے لحاظ سے اس صدی کے نعت گو شعراء ماقبل عہد جدید (فصل اوّل) کے تحت شامل ہیں۔ ان میں چند صاحب دیوان ہیں۔ اکثر کا کلام تذکروں اور گلدستوں میں نظر آتا ہے اور بعض کے دیوان اور کلام دونوں عدم دستیاب ہیں۔ لہذا ان کی نعت گوئی پر مفصل گفتگو کرنا درست نہ ہوگا۔ ہاں اشارتاً کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

اس فصل کے شعراء کے یہاں مروجہ اصناف قصیدہ، خمسہ، مثنوی، غزل وغیرہ کا رواج عام ہے

مسدس، قطعہ یا رباعی پر توجہ کم ہے۔ نعت کی اقسام۔ مولود نامہ، معراج نامہ، سراپا، غزوات، معجزات، سراپائے رسول، سلام، مناجات وغیرہ میں طبع آزمائی نظر آتی ہے لیکن عمومیت کے ساتھ مولود نامہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ اس ضمن میں مسلسل نعتیں کہنا اس فصل کے شعرا کا محبوب مشغلہ ہے۔ نعت و قصائد کے اختتام میں خلفائے اربعہ کے ذکر کے ساتھ اپنے اپنے سلسلہ ہائے طریقت کے بانیوں مثلاً چشتیہ سلسلے میں حضرت خواجہ اجمیریؒ اور قادریہ سلسلے میں شیخ عبدالقادرؒ کا ذکر بھی ضرور کیا جاتا ہے۔ نعت کا اختتام کبھی کبھی مناجات کی صورت اختیار کر لیتا ہے، لیکن ایسا طویل اور مسلسل نعتوں میں ہوا ہے۔ وہ نعتیں جو بہ صورت غزل کہی گئی ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس فصل کے شعرا میں جن شعرا کو بعض ادبی و فنی خصوصیات کے لحاظ سے اردو کے محتشم نعت گو شعرا کے بالمقابل کھڑا کیا جا سکتا ہے ان میں یہ پانچ نام میری نظر میں آتے ہیں:

مست: شاہ فضل رسول (ف ۱۸۷[illegible]ء)

شرر: علی بخش خاں (ف ۱۸۸۵ء)

مذاق: شاہ دلدار علی (ف ۱۸۹۴ء)

حامد: حامد بخش (ف ۱۹۰۶ء)

اسیر: علی احمد خاں (ف ۱۹۲۷ء)

بیسویں صدی عیسوی (۱۹۰۱ تا حال) یعنی عہد جدید (فصل دوم) میں اردو شاعری اپنی پوری توانائی کے ساتھ بدایوں میں مقبول ہوئی۔ اس عہد کے شعرا کی تعداد شمار و قطار سے باہر ہے۔ ان میں بعض بڑے ممتاز نام بھی ہیں۔ جنھوں نے اردو شاعری کے وسیع و عریض کینوس پر اپنے اثرات مرتب کیے مثلاً

۱۔ محوی: عبدالحی (ف ۱۹۱۲ء)

۲۔ فانی: شوکت علی خاں (ف ۱۹۴۱ء)

۳۔ ثاقب: نجم الدین احمد (ف ۱۹۴۵ء)

۴۔ شکیل: شکیل احمد (ف ۱۹۷۰ء)

۵۔ ابر: احمد بخش (ف ۱۹۷۳ء)

۶۔ عروج زیدی: فیاض علی (ف ۱۹۸۷ء)

۷۔ محشر: فاروق احمد (ف ۱۹۹۴ء)

۸۔ ادا جعفری (پیدائش ۱۹۲۶ء)

۹۔ دلاور فگار (پیدائش ۱۹۲۹ء)

۱۰۔ عرفان صدیقی (پیدائش ۱۹۳۸ء)

۱۱۔ زہرہ نگاہ (   )

۱۲۔ اسعد بدایونی (پیدائش ۱۹۵۶ء)

ان شعراء کے اسماء سے قطع نظر اساتذہ سخن کے تلامذہ کی بھی اس دور میں بڑی تعداد نظر آتی ہے لیکن وہ سب مقامی شاعر کے مرتبے سے اوپر نہ جا سکے۔ تذکرہ شعرائے بدایوں میں تقریباً ۵۰۰ ان شعراء کے اسماء دیے گئے ہیں جنھوں نے اس دور میں شعر و شاعری سے واسطہ و علاقہ رکھا۔ اور قابل ذکر مطبوعہ سرمایہ بھی چھوڑا۔

اس عہد کے نعت گو شعراء نے روایتی طرز پر ہی نعت کہی۔ وہی مروجہ اصناف قصیدہ، مخمس، مثنوی، غزل، مسدس وغیرہ۔ البتہ رباعیات و قطعات اور جدید انداز کی نظمیں بھی اس دور میں نظر آتی ہیں۔ اس عہد میں نعت گو شعراء کی تعداد خاصی ہے ان میں ۸ شعراء ایسے ہیں جن کا نعتیہ شاعری شعری معیار و اقدار کے لحاظ سے اہم اور مفید مطالعہ ہے۔ ان شعراء کے نام حسب ذیل ہیں۔

تولاؔ: تولا حسین (ف ۱۹۳۶ء)، ثاقبؔ: نجم الدین احمد (ف ۱۹۴۵ء)، جامیؔ: عبد الجامع (ف ۱۹۶۵ء) زلالیؔ: انصار حسین (ف ۱۹۲۴ء)، سلیمؔ: سلیم اللہ (ف ۱۹۲۳ء)، ضیاؔ: ضیاء القادری (ف ۱۹۷۰ء)، علیشؔ: مجتہد الدین احمد (ف ۱۹۵۵ء) لطفؔ: اکرام احمد (ف ۱۹۴۳ء)

اس فہرست میں ایک نام نظامی بدایونی (ف ۱۹۴۷ء) کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے حالیؔ کی طرح نعت سے اصلاح و موعظت کا کام لیا اور اپنی قوم کی اخلاقی و علمی پستی، ملی زبوں حالی کا نوحہ کر کے بارگاہِ رسالت میں مدد کے خواستگار ہوئے۔ شاید اس انداز کی نعتیں نظامیؔ کے علاوہ بدایوں میں کسی نے نہیں لکھیں۔

اِس دور کی جو خصوصیت متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس دور کے بعض شعراء نے نعت کو بھی کامل شعور و ادراک اور اہتمام و سلیقے کے ساتھ لکھا۔ ندرت فکر اور جدت مضامین سے آراستہ کیا۔ اسلوب میں نغمگی پیدا کی۔ عارفانہ خیالات اور روحانی اضطراب کو فطری اور پسندیدہ اسلوب میں نظم کیا۔ نعت کے لیے عموماً غزل کی ہیئت استعمال کی اور تغزل کی چاشنی برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ ان شعراء کی نعت صرف رسمی مضمون پیش کرتی نظر نہیں آتی بلکہ شاعر کے پورے خلوص اور فنی بصیرت کی عکاس ہے۔ ان نعتوں میں قدیم اساتذہ کی رعایت لفظی، محاورہ بندی اور مضمون آفرینی و خیال آفرینی

کا نیا شکوہ بھی ملے گا اور ذاتی وارفتگی و شیفتگی بھی اور سب سے اہم بات اپنے عہد کے انسان کی نفسیات بھی۔ آج کا انسان پیغمبر اسلام کی زندگی ان کی تعلیمات کو کس طرح محسوس کرتا ہے اور ان سے کس حد تک اخلاق کے بناؤ میں کام لے سکتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کے شعراء کے یہاں یہ احساس کبھی ابھر کر آیا ہے لیکن مجموعی طور پر بدایوں میں نعت گوئی قدیم روایت سے انحراف نہیں کرتی۔ ترقی پسندیت اور جدیدیت نے ادب پر جو اثرات ڈالے اور جو لہجہ و اسلوب دیا۔ یہاں کے نعت گو شعراء کے یہاں وہ مفقود ہے سوائے محشر بدایونی کے۔

بدایوں کی نعتیہ شاعری کے باب میں یہ عمومی تبصرہ ہے۔ ابھی یہ موضوع سنجیدہ تنقید کا متحمل نہیں ہو سکے گا اس کے لیے وافر کلام کی ضرورت ہے جو سر دست دستیاب نہیں۔

اردو میں نعتیہ شاعری کا مطالعہ مختلف جہات سے کیے جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ہندو پاک میں متعدد تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں۔ چند شائع بھی ہو چکے ہیں۔ علاقائی نعت نگاران پر بھی کام کیا جا رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ قصیدہ و مثنوی کی طرح اردو نعت کی بھی مستقل ارتقائی تاریخ مدون کی جائے اور علاقائی نعت گوئی کا صحیح ترین جائزہ لیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسا کیا گیا تو بدایوں اس تاریخ کا ضرور ایک باب بنے گا اور باب بنے یا نہ بنے حسب ذیل شعراء: علی بخش خاں شرر، فضل رسول مست، حامد بخش حامد، علی احمد خاں اسیر، ضیاء القادری کے تذکرے کے بغیر یہ تاریخ بہر حال نامکمل رہے گی۔

فصل اوّل

(ما قبل عہد جدید)

(۱) اسیر:- علی احمد خاں ولد جنگ باز خاں، ساکن محلہ چاہ نونی بدایوں۔ ان کے اجداد حافظ رحمت خاں کے عہد حکومت (۱۷۴۹ء-۱۷۷۴ء) میں کسی قبائلی علاقہ سے آکر بریلی میں آباد ہوئے۔ اسیر کے والد جنگ باز خاں معاش کے سلسلہ میں ۱۸۸۱ء سے کچھ قبل بدایوں آکر متوطن ہو گئے۔

اسیر ۱۲۶۸ھ/ ۵۲-۱۸۵۱ء میں بریلی میں پیدا ہوئے[۱]۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز بریلی ہی میں ہوا۔ فارسی کی تکمیل مولوی ہدایت علی بریلوی سے کی۔ علم منقول کی تحصیل مولانا عبدالقادر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) سے کی اور علم حدیث میں مولوی محمد حسن بنی اسرائیلی سنبھلی (ف ۱۸۸۷ء) سے استفاضہ کیا۔ بعد میں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہو گئے اور وہاں شمس العلماء مولوی عبدالحق خیر آبادی (ف ۱۸۹۹ء) سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کی[۲]۔

۱۸۸۱ء میں صیغہ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور بدایوں کے ایک تحصیلی اسکول میں مدرس ہو گئے۔ ۱۹۱۲ء میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول کے منصب سے ریٹائر ہوئے[۳]۔ اسی سال سینٹ جانس کالج آگرہ میں عربی کے استاذ مقرر ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء میں حج کے لیے گئے وہیں ۲۰ محرم ۱۳۴۶ھ ۲۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ضیاء القادری نے تاریخ کہی۔

کہے ضیا سالِ وصال جناب
خاتمہ بالخیر ہوا بے حجاب
(۱۹۲۷)

جنت البقیع میں دفن ہوئے ان کے شعر کا مضمون سچ ہو گیا۔

الجھ کر رہ گیا میں وادی طیبہ کے کانٹوں میں
مجھے پہنچا دیا ہے ضعفِ تن نے منزل جاں تک

۱۔ علی احمد خاں اسیر از ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی۔ جنوری تا مارچ ۱۹۵۶ء
ڈاکٹر اسعد بدایونی نے اپنی کتاب "کاروانِ رفتہ" (علی گڑھ ۱۹۹۱ء) میں ان کا سال پیدائش ۱۸۵۲ء لکھا ہے جو غلط ہے۔ ملاحظہ کریں تذکرہ معاصرین ج ۱ ص: ۲۳۰

۲۔ علی احمد خاں اسیر از ڈاکٹر محمد ایوب قادری۔ مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۵۶ء

۳۔ کچھ یادیں کچھ باتیں از یوسف حسین قادری مشمولہ ماہنامہ مجلہ بدایوں کراچی اکتوبر ۱۹۹۳ء

امیر صاحبِ دل بھی تھے اور عالمِ باعمل بھی۔ تمام عمر سادگی کے ساتھ بسر کی۔ بدایوں کے سلسلہ عالیہ قادریہ کے اکابر سے نسبت و تعلق کو قابلِ افتخار سمجھتے تھے لیکن بیعت سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت عاشق احمد غزنوی بدایونی ساکن اتر ولی ضلع علی گڑھ (ف ۱۸۸۵ء) سے حاصل تھی۔[۱]

امیر نے ۱۸۷۸ء میں مولوی امتیاز احمد تاثیرؔ (ف ۱۹۰۱ء) کی شرکت میں ایک مطبع نسیم سحر قائم کیا۔ اس مطبع سے ایک ہفتہ وار اخبار "نسیم سحر" (اجرا ۱۸۸۴ء بمقام مولوی ٹولہ) شائع ہوتا تھا۔ جس میں بعض ادبی مباحث بھی جاری ہوئے[۲]۔ اس اخبار کے مدیر مولوی تاثیرؔ تھے۔ ۱۸۸۱ء میں مولانا اسیرؔ کی ملازمت کے بعد مطبع کی کل ذمہ داری مولوی تاثیرؔ کے کاندھوں پر پڑ گئی۔ اور جب ان کا بھی ریاست خیرپور (سندھ) میں بحیثیت مفتی تقرر ہوا تو مطبع ۱۸۹۵ء میں بند ہو گیا۔ یہ مطبع دراصل اہلِ بدایوں کے لیے ایک "بزم سخن" کی صورت رکھتا تھا۔ مولانا امیرؔ، مولانا تاثیرؔ اور مولانا امتیاز الدین لطفیؔ (ف ۱۹۰۳ء) وغیرہم فارسی طلباء کو اسی مطبع میں بیٹھ کر درس بھی دیا کرتے تھے۔ اس مطبع سے بدایونی اہلِ قلم کی خاصی کتابیں طبع ہوئیں۔

امیر کو فنِ شعر میں مولوی علی امجد حسین امجدؔ بدایونی (ف ۱۹۲۰ء) تلمیذ مذاقؔ اور مذاقؔ بدایونی (ف ۱۸۹۴ء) سے سلسلۂ تلمذ قائم تھا۔ حافظ فضل اکرم نے لکھا ہے[۳]:

> ابتدا زانوے مشق روبروے مولوی علی امجد حسین امجدؔ شاگرد جناب مولانا حضرت سید مولوی دلدار علی صاحب مذاقؔ مدظلہ العالی کے طے کیا۔ اتفاق زمانہ سے جب امجدؔ بہ تقریب روزگار شہر سے تشریف فرمائے بیرون جات کے ہوئے مدت تک غزلیں کہہ کہہ کر جمع کیں اور وقت تشریف آوری کے اصلاح لیتے رہے۔ ایک مرتبہ بہت عرصہ گذر گیا تو ناچار حسب دستور زمانہ (تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی) بوجہ پختگی مزاج خان صاحب عمل پیرا نہ ہوئے بلکہ بہ خیال اس کے کہ دوسری جگہ جانا وضعداری سے خلاف سمجھ کر اپنے استاد کے استاد حضرت مذاقؔ مدظلہم سے اصلاح طلب ہوئے"۔

اس معاصر شہادت کے علاوہ بھی بعض دوسرے تذکرے اور کتب اسی کے موئید ہیں[۴]۔ ضیاء القادری نے

---

[۱] العلم کراچی جنوری مارچ ۱۹۵۶ء

[۲] نظامی بدایونی اور نظامی پریس ص: ۲۹۸ - ۳۳۱

[۳] بہارِ بوستانِ شعرا ص: ۱۶

[۴] تجلیاتِ سخن ص: ۲۲، خمخانۂ جاوید ج ۱/ ص: ۲۷، تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۴۸، حدیقۂ تاریخ ص ... العلم کراچی ۱۹۵۶ء۔

انھیں غالب و مومن[1] اور مانک رام نے نواب زکریا خاں زکی[2] (تلمیذ غالب) کا شاگرد لکھا ہے۔ جو غلط ہے۔

اسیر نے حسب ذیل کتب یادگار چھوڑیں۔

آئینہ مدد و اقلیدس (بدایوں سنہ ندارد) قواعد اردو (بدایوں ۱۹۱۶ء) مثنوی تجلی وصال (بدایوں ۱۹۱۶ء) نظم المعراج (آگرہ ۱۹۱۶ء) شجرہ خاندان نقشبندیہ (منظوم) نظم جہاں افروز (بدایوں ۱۹۲۴ء) منقبت خواجہ ولی ہند (بدایوں ۱۹۲۸ء) مثنوی شیریں خسرو (علی گڑھ ۱۹۲۷ء) خلوت گاہ ناز، مستر قسان اقدس، سیرت سیدنا ابوالعلا اکبرآبادی، قصیدہ نور، سیرت نعمان۔ غیر مطبوعہ کتب میں حیات ملا عبدالقادر بدایونی، حیات شیخ ابن العربی، اولیائے بدایوں یادگار ہیں۔ حیات ملا عبدالقادر کا مسودہ پروفیسر اشتیاق حسین قریشی اور ڈاکٹر سید معین الحق (کراچی) کے ملاحظے سے گزر چکا ہے۔ یہ مسودہ آجکل یوسف حسین قادری (کراچی) کے پاس محفوظ ہے[3]۔

اسیر بہت زود گو شاعر تھے۔ ساری زندگی نعت و مناقب پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ اسیر کی نعت میں ایک والہانہ پن ہے اور خود رفتگی کی کیفیت پائی جاتی ہے لیکن زود گوئی نے ان کے فن کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ چند نعتیہ مثنویاں اور قصائد طبع ہوئے۔ نظم جہاں افروز کے عنوان سے دو مثنویاں "نظام الشہود" (بابت ولادت رسول) و نظام المعراج (بابت معراج) اور ایک قصیدہ خلوتکدۂ نور (بابت معراج) یکجا طبع ہوئے۔ معراج پر ہی ایک نظم 'نظم المعراج' طبع ہوئی۔

نمونہ کلام:

زریں کلس گنبد مینا نظر آیا — اے صلِ علیٰ آج مدینہ نظر آیا
اے صلِ علیٰ ہونے لگی بارشِ رحمت — در پہ جو یہ درویش کمینہ نظر آیا
کیوں قید علائق سے رہا ہو نہ اسیر آج — یعنی رخِ سلطان مدینہ نظر آیا

نظر اس جنبشِ مژگاں کی ہے گردونِ گرداں تک — اشارے پر پھرا ہے الٹے پاؤں مہر تاباں تک
الجھ کر رہ گیا میں وادیٔ طیبہ کے خاروں میں — مجھے پہنچا دیا اس ضعفِ تن نے منزلِ جاں تک

۱۔ مقدمہ منقبت خواجہ ولی ہند ص: — نکات غالب (طبع سوم) ص: ۵۹

۲۔ تلامذہ غالب (طبع اول) ص: ۱۲۸

۳۔ مجلہ بدایوں کراچی فروری ۱۹۹۵ء

کسی کی زلف کے صدقے میں قیدی چھوٹے جاتے ہیں
کھنچے یہ سلسلہ یارب اسیرِ پا بجولاں تک

مثنوی نظم المعراج سے چند متفرق اشعار:

اُدھر شوق تھا ہیں کوئی بیتاب
اِدھر کوئی ہے نقشِ بستر خواب

اُدھر ملنے کا کوئی آرزو مند
اِدھر تھیں آنکھیں خوابِ ناز سے بند

یکایک حضرتِ جبریل آئے
پیام دلربائے وصل لائے

مؤدب دست بستہ سر جھکا کر
جبیں کو پائے انور سے لگا کر

شبِ اسریٰ کے دولہ کو جگایا
زباں بن کر کسی کو یہ سنایا

براق برق دم مرغِ سبکبال
ہر اک بڑھتی ہوئی دولت کا اقبال

سواری کے لیے حاضر ہے در پر
کہ پر اس کے ہیں گویا نور کے پر

چلا جب لے کے اس جانِ جہاں کو
بنایا لامکاں دم میں جہاں کو

نہ شعلہ تھا نہ وہ برق و شرارہ
کسی کی آنکھ کا تھا اک اشارہ

براق برق وش کی سیر کا طور
صدائے گنبد گردوں کا تھا دور

خرامِ ناز نے جوہر دکھایا
نگہ کی مثل جا کر لوٹ آیا!

عجب جانا تھا اس کا طرفہ آنا
کہ آنا اور جانا کچھ نہ جانا

مثنوی نظام الشہود کے چند شعر اور ملاحظہ فرمائیے:

آمنہ کے گھر آئے وہ پیارے
خادم جن کے ملائک سارے

چاند وہ نکلا آج زمیں پر
نور ہے جس کا عرش بریں پر

شافعِ محشر رحمتِ عالم!
فخر ملائک نازشِ آدم

طور کا شعلہ عرش کا جلوہ
حسن مدینہ غازۂ کعبہ

گل کا تبسم خندۂ غنچہ
مردم دیدۂ چشم تماشا

رنگِ گلستاں شمع شبستاں
بلبل بطحیٰ، طوطیِ کنعاں!

مہرِ نبوت، ماہِ رسالت
شانِ الٰہی، آیۂ رحمت

آج عرب کی قسمت جاگی
کفر کی ظلمت کوسوں بھاگی

خوف سے ہیں روپوش شیاطیں
اوندھے ہو گئے تخت سلاطیں

(۲) انوار:

(مولانا) انوار الحق ولد (مولوی) ظہور احمد، ساکن مولوی ٹولہ۔ شیوخ صدیقی کی شاخ عثمانی خاندان میں ۱۲۴۷ھ/ ۳۲-۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل مولوی سید نذیر احمد (ف ۱۸۶۱ء) سے کی۔ حضرت مولانا فضل رسول محب بدایونی سے مشرف بہ بیعت تھے۔ شاعری میں میاں عبداللہ شاہ بیتاب بدایونی (ف ۱۸۸۰ء) سے تلمذ تھا۔ نعت و مناقب لکھنا ذوق طبیعت تھا۔ کلام "ماہِ تاباں" اور "اوجِ معرفت" میں بکثرت شائع ہو چکا ہے۔

اپنے پیر و مرشد کی سوانح عمری "طوالع الانوار" (مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۸۷۲ء) لکھی۔ ۱۵ار جمادی الاول ۱۳۰۴ھ/ ۹ فروری ۱۸۸۷ء کو انتقال کیا[1]۔ نمونہ کلام دستیاب نہ ہوا۔

(۳) تنویر:

محمد محی الدین قادر حسین ولد ظہور الدین، ساکن محلہ سوتھا۔ شیوخ صدیقی کی شاخ متولیان کے رؤسا میں شمار تھا۔ برطانوی عہد حکومت میں قانون گو رجسٹرار کے عہدے پر فائز رہے۔ مولوی احمد حسن وحشت کے نواسے تھے۔ جیسا کہ خود ایک شعر میں کہا ہے:

تنویر ارث میں ہے ملا فن شاعری ۔۔۔ وحشت کے ہم نواسے ہیں ہوتے جلا کے

سید شاہ ابوالحسین احمد مارہروی (ف ۱۹۰۶ء) سے بیعت تھے۔ ان کی وفات پر ایک دلدوز مرثیہ "نخوانِ حسرت" (بدایوں ۱۹۰۶ء) لکھا۔ یہ مرثیہ میرے ذخیرہ کتب میں ہے۔ اولاد نرینہ میں ذکی الدین قادری عرف تمن کراچی میں فوت ہوئے (۱۹۹۵ء)۔ اولاد اناث میں ایک بیٹی احید الدین نظامی (ف ۱۹۷۹ء) اور دوسری بیگم حافظ محمد نجم الدین نجم فرشوری (ف ۱۹۷۲ء) کو منسوب تھیں۔ آخر الذکر بیٹی بقید حیات ہیں۔

نعت کے دو مجموعے "مرقع نعت" اور "مدیح پیغمبر" المعروف بہ میلاد شریف (بدایوں ۱۹۰۱ء) شائع ہو چکے ہیں[2]۔ دو رسالے کرامات غوثیہ (بدایوں ۱۸۸۲ء) شجرۃ الصدیق (بدایوں ۲۳-۱۹۲۲ء) بھی مطبوعہ ہیں۔ راقم الحروف کے پاس ان کی بیاض کے کچھ اوراق محفوظ ہیں۔ جن میں سے نمونہ کلام درج کیا جا رہا ہے۔ تہنیت حسین کے تذکرے میں ان کا نام شامل نہیں۔ نمونہ کلام:

مدینہ میں بلا لیجیے جناب مصطفیٰ مجھ کو ۔۔۔ کہ خوش آتی نہیں اب ہند کی آب و ہوا مجھ کو

۱۔ اکمل التاریخ ج ۱/ ص: ۹۱ - ۱۲۹

۲۔ تجلیات سخن ص: ۲۰

تمہارا سنگِ در میں چھوڑ کے جاؤں کہاں مولا — سوئے باغِ ارم کیوں کھینچتی ہے بے خطا مجھ کو
سرِ بالیں ہی تم آؤ تو ہووے خاتمہ بالخیر — بدولت آپ کے حاصل فنا میں ہو بقا مجھ کو
مری صورت پہ یارو سورۂ والیل دم کرنا — کسی کی کاکلِ مشکیں کا سودا ہو گیا مجھ کو
سوا نیزے پہ جب آفتاب آئے مرے مولا — چھپانا روزِ محشر زیرِ دامانِ قبا مجھ کو

قرآں کی تلاوت مجھے اب آٹھ پہر ہے — رخسارِ نبی شام و سحر پیشِ نظر ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی ترے بیمار کی حالت — تڑپا ہے نہ جیتا ہے اِدھر ہے نہ اُدھر ہے
دل میں ہے لگی آگ فراقِ شہِ دیں سے — اے شربتِ دیدار بجھا دے تو کدھر ہے
اعمال کی پرسش نہ ہو مولا۔ تیرا بندہ — حاضر ترے دربار میں با دیدۂ تر ہے
تنویر مدینہ کو چلا بے سر و ساماں — ہاں ایک توکل بخدا زادِ سفر ہے

وہ مدینہ سے چلے آئیں مرے دل میں ہیں — دم قدم سے ان کے یہ آباد کاشانہ رہے

حشر کا دن ہے پڑھو نعت یہ تنویر غزل — آپ فرمائیں گے خود دیکھ کے صورت میری

(۴) جلیل :

شیخ محمود حسین ولد شیخ فصیح الدین۔ ساکن محلہ مردہ ٹولہ۔ تلمذ امجد بدایونی۔ ایک مولود شریف باسم باغِ رسول مطبوعہ موجود ہے۔ جو ساتویں مرتبہ ۱۳۲۳/۱۹۰۵ میں مطبع ابو العلائی آگرہ سے چھپا۔ اس میں روایتوں کے ساتھ حسبِ مضمون ۶۴ (چونسٹھ) نعتیں شامل ہیں۔ ۵۲ نعتیں خود جلیل کی ۲ نعتیں محمود نامی کسی شاعر کی ہیں اور تین نعتیں شاعر موصوف کے پسر متخلص بہ سید کی ہیں۔ ۷ نعتیں بغیر تخلص درج ہیں۔ تلامذہ میں محمد عبد الغنی غنی بدایونی کا نام معلوم ہو سکا۔ ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ / ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا۔[1]

دکھا دے ہمیں اے خدائے مدینہ — وہ لطف ہوا ہے فضائے مدینہ
بصد شوق آنکھوں کا سرمہ بناؤں — جو ہاتھ آئے خاکِ شفائے مدینہ
کہاں تک مروں ظلمتِ غم میں یا رب — دکھا دے وہ نورِ ضیائے مدینہ
شب و روز شوقِ زیارت میں تیری — کہوں ہوں میں رو رو کے ہائے مدینہ

۱؎ ۔ تجلیاتِ سخن ص: ۲۰۳، ۲۰۴، قمر بدایونی نے عیسوی سنہ کا تطابق غلط کیا ہے اور یہی غلطی تمہید حسین نے بھی اپنے تذکرے صـ ۲۳۲ میں سمیٹ دی ہے

جلیلؔ جفاکش ہے پژمردہ خاطر — کھلا غنچہ دل ہوائے مدینہ

سب پست ہیں ذیشان تری شان کے آگے — توڑا مگر چرخ کو شوکت نے تمہاری

کرو ذکر نبی دو جہاں آہستہ آہستہ — جو ہے پاس ادب تو ہو بیاں آہستہ آہستہ
دل بیتاب اپنا شوق دید روئے احمد میں — لیا کرتا ہے ہر دم چٹکیاں آہستہ آہستہ

دولت عشقِ نبی نے یہ دیا سود مجھے — کر دیا عالم اجسام کا محسود مجھے
لطف ہوتا نہ اگر مجھ پہ ترا ابر کرم — کر چکے تھے مرے اعمال یہ نابود مجھے
حبِّ آل نبوی عشق محمد کے سوا — اور کی ہو نہ محبت مرے معبود مجھے
فیض نعت شہ دیں سے یہ ہوا فخر جلیلؔ — لوگ سب خلق کے کہنے لگے محمود مجھے

شفائے جاودانی کی اگر تجھ کو تمنا ہے — تو ان کی نرگس بیمار کا بیمار ہو ہر دم
مشام دل کو خالی کر شمیم باغ عالم سے — محمد مصطفٰے کا عاشق زار ہو ہر دم

ذکر آل نبوی کا نہ کروں کیوں ہر دم — ان سوا اور کسی کی مجھے الفت کب ہے
قبر میں کہہ دو نکیرین نہ تکلیف کریں — شغل نعت شہ دیں سے مجھے فرصت کب ہے
روز محشر مرے حامی جو محمد ہیں جلیلؔ — پھر مجھے زشتی اعمال سے دہشت کب ہے

---

(۵) حامدؔ:

حامد بخش ولد محمد بخش (ف ۱۹۰۳ء) ساکن محلہ سوتھا شیوخ صدیقی کی شاخ خاندان بختیل کے عمائدین میں شمار تھا۔ علی بخش خاں شررؔ (ف ۱۸۸۴ء) کے برادر زادے اور داماد تھے۔ نظامی بدایونی لکھتے ہیں[1]:

---

[1] ذوالقرنین ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء

حامد کے والد [illegible] تھے۔ حامد نے عربی و فارسی طب وغیرہ کی تحصیل کر کے منصفی کی سند حاصل کی۔ لیکن سرکاری ملازم نہیں رہے۔ بلکہ وطن میں رہ کر میونسپل بورڈ کے ذریعے وطن کی خدمات انجام دیں۔ جس کے صلہ میں گورنمنٹ نے خان بہادر کا خطاب دیا۔ آنریری مجسٹریٹ بھی ہوئے۔ آخر میں کارخانہ فلور مل جاری کیا تھا۔

حامد صرف نعت کے شاعر تھے۔ شاعری میں اپنے عم محترم شرر بدایونی سے تلمذ تھا۔ وہ بدایوں کی مقامی اور تہذیبی زندگی میں بڑے فعال اور ممتاز تھے۔ بشر علی صدیقی اور شہباز حسین نے انھیں سرکاری ملازم لکھا ہے اور صدر اعلیٰ و صدر الصدور کے عہدوں پر بھی فائز لکھا ہے[1]۔ جو غلط ہے عصری شہادت نظامی کا مذکورہ بالا اقتباس ہے۔ نبیرہ حامد بخش، پروفیسر آل احمد سرور نے بھی بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے[2]

مولوی حامد بخش نے کوئی ملازمت نہیں کی وہ شہر کے ایک ممتاز رئیس تھے اور ان کی اچھی خاصی زمینداری تھی۔ اس زمانہ میں ضلع کا کلکٹر میونسپل بورڈ کا چیرمین ہوا کرتا تھا مگر وائس چیرمین کوئی ممتاز شہری ہوتا۔ مولوی حامد بخش بھی میونسپل بورڈ کے وائس چیرمین رہے۔"

انھوں نے جون ۱۹۰۳ء میں شہر میں ایک فلور مل FLOOR MILL بھی لگایا تھا۔

۲۶ مارچ ۱۹۰۶ء کو وفات پائی۔ حضرت سرخ شہید کی حریم (محلہ سوتھا) میں ابدی نیند سو رہے ہیں[3]

اولاد میں پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ بڑے لڑکے شیخ وحید بخش (ف ۱۹۴۱ء) بدایوں کی مقامی سیاست میں بڑے فعال رہے۔ چھوٹی بیٹی معروف نقاد پروفیسر آل احمد سرور (پ ۱۹۱۱ء) کی والدہ تھیں۔ تیسرے بیٹے محمد قوی بخش کے بیٹوں میں جناب عبداللہ ولی بخش قادری (پ ۱۹۱۱ء) بھی معروف و مشہور ہیں۔

نعت کے چار دیوان اور چند نعتیہ گلدستے یادگار چھوڑے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ گلدستۂ گلزار نعت (دیوان اول) ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء میں ترتیب دیا گیا اور ۱۸۸۰ء میں مطبع افضل المطابع بدایوں سے طبع ہوا۔

---

[1] ۔ بدایوں کے چند ادبا و شعرا ص: ۴۷، تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ / ص: د ۲۶

[2] ۔ پیش لفظ کلام حامد ص: د

[3] ۔ ذوالقرنین ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء

۲۔ گلشنِ شاداب منقبت (دیوان دوم) ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں ترتیب دیا گیا اور ۱۸۸۶ء میں مطبع نسیم سحر بدایوں سے شائع ہوا۔

۳۔ گلزار نظم حامد (دیوان سوم) ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء میں ترتیب دیا گیا۔ ۱۸۸۶ء میں مطبع نسیم سحر بدایوں سے طبع ہوا۔

۴۔ مدحِ رسول اکرم (غیر منقوط دیوان چہارم) ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں مرتب و طبع ہوا۔

۵۔ محامد خمسہ مطبع نسیم سحر بدایوں سے طبع ہوا۔

۶۔ کلام حامد (دیوان دوم سوم چہارم) مرتب عبداللہ ولی بخش قادری۔ بار اول ۱۹۸۸ء بار دوم ۱۹۸۹ء میں نیو لیتھو آرٹ پریس دہلی سے چھپا۔ موجودہ صورت میں یہی مجموعوں کا مجموعہ دستیاب ہے۔ اس پر پروفیسر آل احمد سرور کا پیش لفظ بھی ہے۔

نعتیہ شاعری میں شاعری کے تقاضوں اور نعت کے آداب کا پاس جس طرح حامد نے کیا ہے بدایوں کے اور کسی شاعر نے نہیں کیا۔ ان کے یہاں استادانہ فنکاری بھی ہے اور شاعرانہ سحرکاری بھی بدایوں کے نعت گو شعرا میں بہ حیثیت کیفیت اور کمیت اپنے عہد میں وہ بلند مقام کے مستحق ہیں۔ انہوں نے نعتیں عموماً غزل کے فارم میں کہی ہیں اور ان کو اسی اہتمام اور سلیقے سے کہا ہے جس اہتمام و سلیقے سے غزل کہی جاتی ہے۔ انہوں نے نعت کے مضامین میں بھی اضافہ کیا ہے جو ایک قابل توجہ بات ہے مختصر یہ کہ ان کے کلام کے مطالعہ سے ذہنی آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ نمونہ کلام:

بیت وصفِ روئے شہ میں وہ تجلی بڑھ گیا	مطلعِ خورشید سے مطلع ہمارا بڑھ گیا
عشق نقش پائے شہ میں ہو گئے باہم رقیب	مہر و ماہ ملتے نہیں آپس میں جھگڑا بڑھ گیا
کاہش دل کثرت غم ہجر طیبہ میں ہوئی	ہم ہیں بیخود بے خبر کیا گھٹ گیا کیا بڑھ گیا
روئے حضرت کے تصور سے اٹھی ہے موج اشک	یہ اثر جذب قمر کا ہے کہ دریا بڑھ گیا
آپ شافع ہو گئے حق نے کہا لا تقنطوا	ہم گنہگاروں کا دل محشر میں دونا بڑھ گیا
گیا ندامت سے زمیں میں گڑ گیا میرا غبار	دشتِ طیبہ میں جو کچھ آگے بگولا بڑھ گیا
رات بھیگی، چادرِ مہتاب بھی تر ہو گئی	وادیٔ طیبہ میں یہ اشکوں کا دریا بڑھ گیا
ہے فزوں شوق زیارت گو ہوئی قطع امید	چھانٹنے سے اور بھی نخلِ تمنا بڑھ گیا
کہہ رہا ہے روئے حضرت سے مجھے تشبیہ دی	کس قدر بلبل سے گل کا ناز بیجا بڑھ گیا
دولت دیدار دے کر دل کو لیتے ہیں حضور	اس شکستہ آئینہ کا مول کتنا بڑھ گیا

باندھ رکھو شاہدِ معنی کو حامد بیت میں — عشقِ نعت روئے شہ میں اس کا سودا بڑھ گیا

جا کے کرتی ہے معطر نہرِ تسنیم و لبن — خلد میں زر بقا میں تھوڑا سا پانی لے چلا
کروں دعا کہ فاصلہ کل ہاتھ بھر کا ہے — بابِ قبول سے ہے ترا آستاں قریب
غزلِ نعت سنانے کو چلے ہم حامد — حشر میں قربِ نبی کی نکل آئی صورت
کرے گی ضعف میں کیا سرکشی ہماری خاک — صبا نہ کر رہِ طیبہ میں پائمال عبث
رخصت کے وقت روضۂ انور میں رہ گئی — ہجرِ نبی کی تاب نہ لائی ہماری روح
یہ مرغِ جاں اسی پہ بنائے گا آشیاں — پائی ہے نخلِ مسجدِ شاہِ زمن کی شاخ
وصفِ رخسارِ نبی لکھتے ہی چمکا کاغذ — بن گیا ہاتھ میں شکلِ یدِ بیضا کاغذ
دیوانے تیرے پھرتے ہیں جنت میں ڈھونڈتے — باقی رہا ہے وحشتِ دل کا اثر ہنوز
پھوٹ کر آبلے روتے جو رہِ طیبہ میں — خارِ تعظیم سے پلکوں پہ اٹھاتے آنسو
وادیٔ طیبہ میں کیا آرام دیوانوں کو ہے — بسترِ ریگِ بیاباں کی ہے چادر چاندنی

غزلیات کے چند غیر منقوط اشعار:

وہ حمد و مدح کا ہر دم ہمارا کام ہوا — کہ سلکِ لعل و گہر مطلعِ کلام ہوا
ہوا وہ لمعۂ طورِ کرم درِ سرور — کہ ہر ساطع و لامع دلِ عوام ہوا
کلام حامدِ مداح کو کہو الہام — کہ مدح کا ملکہ اس کو لاکلام ہوا

ہر سما تو اصل، رسولِ ہدیٰ الگ — اور لمعۂ عطارد و ماہ و سہا الگ
وہ دکھ ہوا کہ روح الگ دل رہا الگ — ملکِ عدم کا طور الٰہا ملا الگ
ہر مدح گو کو دارِ ارم گر عطا ہوا — حامد کا ہو گا سرورِ عالم صلا الگ

(۶) حامد:

سید حامد علی ولد سید ہدایت علی، ساکن محلہ میراں سرائے۔ خاندان سادات سے تعلق تھا اجداد بخارا سے ترک سکونت کر کے دہلی آئے۔ مغل دورِ حکومت میں اس خاندان کے ایک بزرگ سید باقر علی عامل بدایوں کے ہمراہ بدایوں آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔

سید حامد شہید حسین (صاحب تذکرہ شعرائے بدایوں) کے دادا تھے۔ ایک متوسط زمیندار

گھرانے میں پیدا ہوئے مروجہ عربی و فارسی اور دینی تعلیم حاصل کرکے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ پاک طینت نیک سیرت بزرگ تھے۔ شاعری میں صرف نعت و منقبت سے سروکار رکھا۔
ء سال کی عمر میں ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں وفات پائی۔ خاندانی باغ "حامد باغ" (واقع شاہراہ شیخوپور) میں مزار ہے[1]

اولاد نرینہ میں سید حسین نکہ بدایونی (ف ۱۹۴۷ء) یادگار چھوڑے جن کے کلام کا مجموعہ انکار (۱۹۴۰ء) طبع ہوچکا ہے۔ نمونہ کلام:[2]

آبِ عصیاں سے جو تر ہے مرا سارا دامن — میں ہوں اور شافعِ محشر ہے تمہارا دامن
جز ترے کون معاون ہے حبیبِ یزداں — بھر دے تو نقدِ تمنا سے ہمارا دامن
کر عنایت مجھے سامانِ سفر خیر کے ساتھ — دیکھ لوں دشتِ حرم کا میں خدارا دامن
پھر کبھی دیں آپ اسے درِ شفاعت بے نبیؐ — یہ گدایانہ جو حامد نے پسارا دامن

گو دبا جاتا ہوں میں جرم و گنہ کے بار سے — ہے شفاعت کا بھروسہ سید ابرار سے
دیجئے اپنی شفاعت سے مجھے صحت نبیؐ — یہ مرض عصیاں کا ہے غافل نہ ہوں بیمار سے
رات دن روئے مبارک ہے نظر کے سامنے — شغل دنیا سے ہے دل کو اور نہ دنیا دار سے
مشکلیں دنیا و دیں کی آکے آساں کیجئے — پار ہو کشتی ہماری ورطۂ منجھدار سے
روزِ محشر میرے شافع ہو جیے بہرِ بتول رضؓ — جام کوثر پاوے حامد حیدرِ کرار سے

اٹھو تعظیم کو صاحب جہاں کے پیشوا آئے — ملک حور و پری جن و بشر کے مقتدا آئے
زہے عظمت، زہے حشمت شہ ارض و سما آئے — ملائک ساتھ میں کہتے ہوئے صلِّ علیٰ آئے
طریق مجملی سے درگذر تو صاف کہہ حامد — شعاعِ نورِ یزدانی محمد مصطفےٰ آئے

جو یا اس نورِ قدس کا دلِ ناکام ہے — جس سے خاکستر ہوا تھا طور جس کا نام ہے
ڈھونڈتا ہوں نورِ پاک سرمدی دن رات میں — مجھکو خوبانِ جہاں سے نے غرض نے کام ہے

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۱ ص: ۲۶۶
[2] " " " ص: ۲۶۷

طالبِ دنیا نہیں ہوں بلکہ دنیا داروں میں ہوں — گوہرِ معنِ حقیقت کے خریداروں میں ہوں
حامدؔ خستہ سا دیکھا ہے کہیں کج فہم بھی — بار بزم سامنے اور میں طلبگاروں میں ہوں

(۷) حسنؔ :

مولوی جمال الدین ولد مستجاب الدین[1] ساکن محلہ سوتھا بدایوں۔ شیوخ صدیقی کے خاندان متولیان کے ممتاز فرد تھے۔ محمد احمد کاظمی نے لکھا ہے[2]

جن لوگوں نے برٹش عہد میں امتیاز حاصل کیا ان میں ایک مولوی جمال الدین حسنؔ جو موجد[3] موصوف کے پوتے تھے۔ غدر سے پہلے ڈپٹی کلکٹر[4] ضلع مین پوری اور محمدی ملک اودھ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے۔

اس نام سے ازل سے محبت جو تھی مجھے — میں نامزد ہوا ہوں برائے محمدی!

اور بعد غدر بھی انھوں نے ڈپٹی کلکٹر کے فرائض انجام دیئے۔ آخر وقت میں ضلع جھانسی کے ڈپٹی کلکٹر رہے۔ ۲۷ رجون $\frac{۱۸۶۶ء}{۱۲۸۳ھ}$ کو مین پوری میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے[5]۔ ذاکر بدایونی نے تاریخ کہی[6]

بہر تاریخ انتقال اخی — بود در فکر ذاکرؔ غمگیں
گفت با الف کشیدہ سرد دم — دخل الجنت جمال الدین

۱۲۸۳ھ

اولادِ نرینہ میں دو بیٹے احسن الدین اور حمید الدین یادگار چھوڑے۔ حمید الدین (۱۸۵۱ - ۱۸۹۶ء) ڈپٹی کلکٹر رہے۔ یہ نظامی بدایونی کے خسر تھے۔ نظامی نے ان کی سوانح باسم سیرۃ الحمید (بدایوں۔ ۱۸۹۷ء) لکھی جو ان کی اوّلین نثری کتب میں ہے۔

جمال الدین حسنؔ کو سرکاری خدمات کے ساتھ ساتھ ادب و تعلیم سے بھی لگاؤ تھا۔ تین کتابیں ان سے یادگار ہیں۔ جمال احمد (سراپا رسول اکرم) شبیہہ احمدی (مجموعۂ نعت، مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ) اور حالات دیہی (سرکاری پریس آگرہ۔ ۱۸۵۸ء) اب یہ تینوں کتابیں نایاب ہیں۔

---

[1] - تذکرہ شمیم سخن ص: ۱۱۶، قاموس المشاہیر ج/۱ ص: ۱۷۶ اور تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۱ ص: ۲۷۷ میں ولدیت شیخ جلال الدین باقر درج ہے جو غلط ہے۔ جلال الدین باقر جمال الدین کے حقیقی بھائی تھے ملاحظہ کریں متولی خاندان کا شجرہ۔ باقیات الصالحات ص: ۱۶ تجلیات سخن ص: ۲۷۔

[2] - نظامی بدایونی ص: ۶

[3] - مستجاب الدین موجدؔ (ف ۱۸۳۰ء) صاحب دیوان تھے

[4] - تجلیات سخن ص: ۲۷

[5] - باقیات الصالحات ص: ۱۷

نیز یہ کتاب پیمائش بندوبست کے قواعد و قانون و ہدایات سے متعلق ہے جو کمشنر لاہور چارلس ایکسن کی فرمائش پر لکھی گئی اور مدتوں سررشتہ تعلیم کے اضافی نصاب میں شامل رہی۔ نمونہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

(۸) حسین :

ن۔ ب۔ حسین۔ عرفیت حسین بانو ولد مولوی حمیدالدین ڈپٹی کلکٹر، ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان کی باعفت خاتون تھیں۔ ۱۲۹۱ھ/ ۷۴-۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئیں۔ گھر ہی تعلیم حاصل کر کے ۱۸۹۱ء کے آس پاس نظامی بدایونی کی زوجیت میں آئیں اور مرتے دم تک نظامی کے ساتھ حق رفاقت و محبت ادا کیا۔

۲۶ جون ۱۹۱۲ء کو بدایوں میں وفات پائی۔ خاندانی قبرستان ملا سرائے میں مدفون ہوئیں[۱] اولاد نرینہ میں احیدالدین نظامی (ف ۱۹۷۹ء) یادگار چھوڑے۔

نظامی نے ان کی وفات پر ایک نظم 'رفیقہ زندگی کی وفات' پر کہی تھی جو چالیس اشعار پر مشتمل ہے یہ نظم نظامی کے مجموعہ کلام لمعات نظامی' (بدایوں ۱۹۵۵ء) میں شامل ہے۔

حسین بانو کو شاعری کا بھی شوق تھا۔ زنانہ محافل میلاد میں ذوق و شوق سے شریک ہوتیں اور اپنے یہاں بھی میلاد کی محفلیں آراستہ کرتی تھیں۔ اسی تعلق سے ایک کتابچہ 'نبی جی کی خوشی' ۱۹۱۲ء میں ترتیب دیا جو نظامی پریس بدایوں سے طبع ہوا۔ چوتھی مرتبہ یہ کتابچہ اسی پریس سے ۱۹۲۸ء میں طبع ہوا جو راقم الحروف کی لائبریری میں موجود ہے۔

یہ ۲۴ صفحات کا مختصر سا رسالہ ہے جس میں محفل میلاد کے بیان کے ساتھ چند شعرائے کرام کی نعتیں بھی ایک سلسلہ کے ساتھ یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس میں حسین بانو کی بھی چھ نعتیں اور ایک حمد شامل ہے جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۴۸ ہے۔

حسین بانو کی شاعری میں ادبی وزن و وقار کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ تبرک کے طور پر چند شعر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

اے مرے پیغمبر ذی شاں مرے پیچے نبی
تجھ پہ میں جی جان سے قرباں مرے پیچے نبی

کیا خدا رکھے تمہیں معراج میں رتبہ ملا
تم ہوئے اللہ کے مہماں مرے پیچے نبی

میں ہوں اک لونڈی تمہاری تم امیروں کے امیر
میں بھکاری تم سخی سلطاں مرے پیچے نبی

تم نے کی ہے سینکڑوں لاکھوں کی مشکل میں مدد
کر دو میری مشکلیں آساں مرے پیچے نبی

---

[۱] ۔ نظامی بدایونی اور نظامی پریس، ص: ۶۱

یہ تمنا ہے کہ تم لو اپنے روضہ پر بلا ! کیسے کاٹوں ہجر کی گھڑیاں مرے پیچے نبی
دیکھ لے صورت تمہاری آکے لونڈی حسین رکھتی ہے مدت سے یہ ارماں سنیے نبی

(۹) ذاکر :-

محمد مجاہد الدین ذاکر احمد ولد میاں زر الدین ۔ ساکن محلہ سوتھا ۔ خاندان متولیان میں ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۵۱ھ ۳ اپریل ۱۸۳۶ء کو ولادت ہوئی ۔ رسم بسم اللہ کے بعد قرآن کریم حفظ کیا اسی دوران عربی و فارسی کی بھی واجبی استعداد پیدا کر لی ۔ حفظ قرآن کے بعد مارہرہ تشریف لے گئے اور مولوی سید شاہ آل رسول قادری مارہروی (ف ۱۸۷۹ء) کے ہاتھ پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا ۔

علم طب کی تکمیل کے لئے لکھنؤ گئے اور حاجی غلام دستگیر خاں فرخ آبادی ، حکیم یعقوب خاں اور حکیم ثناء اللہ لکھنوی وغیرہم سے طب کی تکمیل کی ۔ لکھنؤ ہی میں خواجہ بہادر حسین خاں فراق لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا[۱] کچھ عرصہ کے بعد نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی (ف ۱۸۶۹ء) کے تلامذہ میں شامل ہو گئے ۔

۱۲۷۱ھ / ۵۵-۱۸۵۴ء میں محفل میلاد پڑھنے اور منعقد کرنے کا شوق دامنگیر ہوا ۔ اور یہ شوق اتنا بڑھا کہ ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء میں انہوں نے اپنا ایک مکان برائے محافل میلاد النبیؐ مع جائیداد وغیرہ کے مختص کیا اور اس کو نبی خانہ کے نام سے موسوم کیا ۔ نبی خانہ کے در پر یہ تاریخ کندہ کرائی ۔

بعنایات شاہ آلِ رسول شد بنا ایں مکا نظیر چمن
گفت ذاکر بسال تاریخش خانہ مولدِ شفیع زمن

۱۲۹۳ھ

اس نبی خانہ میں ہر سال ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر بارہ دن متواتر محفل میلاد منعقد ہوتی تھی ۔ ۲۷ رجب اور ہر ماہ کی ۱۲ تاریخ کو بھی محفل میلاد کا انعقاد کیا جاتا تبرکات کی زیارت کرائی جاتی اور خورد و نوش کا بھی اہتمام کیا جاتا ۔ ان محفلوں میں تمام شعرائے بدایوں شریک ہوتے تھے اور بارگاہِ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے تھے ۔ نبی خانہ کے خاص شعراء میں بانیٔ نبی خانہ کے علاوہ نظامی زلالی ، عیش بدایونی ، جامی بدایونی ، شاد صدیقی ، عالی بدایونی کے نام ممتاز ہیں ۔

---

[۱] ۔ شاہ طفیل احمد نے ذاکر کے حالات اور نبی خانہ کے کوائف سے متعلق ایک مختصر سی کتاب "تذکرہ طیب" (بدایوں ۱۹۲۷ء) کے نام سے مرتب کی تھی ۔ ذاکر کے حالات کے ضمن میں بنیادی ماخذ کے طور پر یہی کتاب میرے پیش نظر رہی ہے ۔

اس نبی خانہ پر نظامی بدایونی نے ایک مثنوی "مثنوی صبح میلاد" لکھی جو خورشید ہند پریس بریلی سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔ شعر وادب کے باب میں نظامی کی یہ پہلی مطبوعہ کاوش بھی ہے۔
تعریف نبی خانہ میں نظامی کے یہ چند اشعار دیکھئے:

سبحان اللہ کیا مکاں ہے — وہ اوج کہ پست آسماں ہے
جان صدقے ہے لوٹ جس پہ جی ہے — مشہور جو خانہ نبی ہے
منسوب جو گھر ہوا نبی سے — پوچھو شرف اس کا میرے جی سے
مشرق ہے یہ آفتاب دیں کا — مخزن ہے خزانہ یقیں کا
معمور ہے نور کبریا سے — پر نور ہے مشعل ہدیٰ سے
اب ظاہری شان بھی بیاں ہو — پردے میں جو کچھ ہے وہ عیاں ہو
خوش رنگ لگے ہوئے ہیں پردے — خوش قطع بنے ہوئے ہیں پردے
پردوں میں چھپا ہوا ہے ممبر — بادل میں ہے مہر جلوہ گستر
ہے اس پہ غلاف بھی نرالا — ہے سرخ سفید رنگ جس کا
اس پر ہے سیاہ شامیانہ — کعبہ کے غلاف سے سجایا
اک سمت ہیں عود سوز رکھے — خوشبو سے دماغ ہیں مہکتے
ممبر کے سامنے زیارت — یعنی کہ تبرکات حضرت

یہ "نبی خانہ" امتدادِ زمانہ سے آج ایک مٹی کا ڈھیر ہے البتہ اس کے بانی جناب ذاکر کی قبر اس ڈھیر پر نوحہ خوانی کرتی نظر آتی ہے۔

۱۲۷۸ھ تا ۱۲۷۵/ھ ۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۳ء چند ذاتی ضرورتوں کے تحت ذاکر کا قیام لکھنؤ میں رہا اس دو سالہ مدت قیام میں انہوں نے لکھنؤ میں بھی محافل میلاد منعقد کیں۔ اسی دوران مرزا شوق لکھنوی (ف ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) کی صحبت بھی میسر آئی۔ ان کی فرمائش پر ان کی تصنیف مثنوی "زہر عشق" پر ایک تاریخی قطعہ تصنیف کیا۔ جو کسی سبب سے شامل اشاعت نہ ہو سکا ۱۹۱۹ء میں نظامی بدایونی نے اس مثنوی کا ایک ایڈیشن اپنے مطبع نظامی پریس بدایوں سے شائع کیا تو اس قطعہ کو بطور شہادت سالِ تصنیف دیباچہ میں شامل کیا۔ "زہر عشق" کے سال تصنیف کے متعلق یہ اہم شہادت ہے لیکن بعض محققین اس قطعہ کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ قطعہ حسب ذیل ہے۔

پری تھی جو عشق بتاں کی ستائی — ہوئی بجن مومن سے اس کی رہائی

جو بیٹھا میں اس غم کی تاریخ لکھنے — غمِ دلربا سے ہوئی رونمائی
کیا عرض رو رو کر اے ربِّ اکبر — یہ تاریخ[۱۲۷۷ھ] شاعر نے اچھی نہ پائی
تو رضواں سرِ جانِ و دل کھو کے بولا — شہیدِ محبت ہے جنت کو آئی

۱۲۸۴ - ۷ = ۱۲۷۷ھ

ذاکر حبِّ رسول سے سرشار، عابد و زاہد، شب بیدار بزرگ تھے۔ طب ذریعہ معاش تھا۔ لیکن زیادہ وقت ذکر و شغل میں بسر کرتے۔ تمام عمر نعت و منقبت کہتے، پڑھتے اور سنتے بسر کی۔ تین ضخیم نعتیہ دیوان یادگار چھوڑے[۱]۔ دواوین کے علاوہ حسبِ ذیل کتب کے نام بھی ملتے ہیں۔ جو تمام غیر مطبوعہ ہیں[۲]۔ صاحبِ آئینہ دلدار اور صاحبِ تذکرہ شعرائے بدایوں نے ان کی کتب کی فہرست تو دی لیکن غیر مطبوعہ ہونے کی صراحت نہیں کی[۳]۔ (۱) تنبیہ المخلوق ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء (حالاتِ شاہ آلِ احمد مارہروی) (۲) تنویر المحافل (منظوم) ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء (۳)۔ تحفہ قریشی ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء (نسب نامہ خاندان متولیان) (۴) ذریعہ نجات دیوانِ اول ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء (جملہ اصناف پر مشتمل ہے) (۵) تہذیب المحافل ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء (آدابِ محافلِ مولود شریف) (۶)۔ مظہر الاسلام[۴] ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء (مفصل سوانحِ رسولِ کریم) (۷)۔ بیاض الحکمت ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء (تشخیصِ امراض و معالجہ) (۸) دیوانِ ثانی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء (نعت و منقبت) مذکورہ آٹھوں کتب کے قلمی مسودات نبی خانہ بدایوں کے کتب خانہ میں محفوظ تھے۔ نبی خانہ کے انہدام کے ساتھ یہ سرمایہ بھی ضائع ہو گیا۔ ۲۸، ۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ / ۵، ۶ جنوری ۱۹۱۶ء کی درمیانی رات میں واصل بحق ہوئے مزار نبی خانہ کے گوشۂ شمال میں ہے۔ اس پر ایک پتھر نصب تھا جس پر عالی بدایونی کا یہ مادۂ تاریخ "مزارِ اقدسِ ذاکر"[۱۳۳۴ھ] کندہ تھا۔ وہ پتھر اب خدا جانے کہاں ہے۔

راقم الحروف کی ذاتی لائبریری میں منظوم معجزات پر مشتمل کتاب "تنویر المحافل" کا قلمی مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں لکھنوی اساتذہ کی صناعی۔ مجازی محبوب کی طرح حضور کے سراپا (زلف، کمر، گیسو، قد جیسے مضامین) کو نزاکت کے ساتھ پیش کرنا وغیرہ جیسی خصوصیات ہیں۔ زود گوئی نے اُن کے کلام کو بری طرح متاثر کیا ہے تاہم اگر ان کے کلام کا ایک کڑا انتخاب کیا جائے تو قابلِ قدر کلام یکجا کیا جا سکتا ہے۔ ان کے کلام میں والہانہ شیفتگی

۱۔ قاموس المشاہیر ج/۱ ص: ۲۴۵ — ۲۔ تذکرہ طبیب (آخری صفحہ) ٹائیٹل
۳۔ آئینہ دلدار ص: ۴۵۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۱ ص: ۳۸۴
۴۔ مظہر الاسلام تاریخی نام ہے۔ تذکرہ طبیب میں اس کتاب کا سنہ ۱۳۱۶ھ درج ہے۔ جو غلط معلوم ہوتا ہے۔

وارفتگی، خود سپردگی، عاجزی، فتادگی اور ایک طرح سے اپنے وجود کی گمشدگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ نمونہ کلام:

روئے رسول مصحف حق لا کلام ہے
دو صفحہ پر قرآں کا مطلب تمام ہے

مضموں کمر شریف کے باندھے ہیں بیشتر
فکر رسا ہے یا کہ یہ عنقا کا دام ہے

شیریں لبوں کے وصف سے شیریں سخن ہوں میں
مصری نبات سمجھیں مرا وہ کلام ہے

عز و شرف اور شکل و شمائل میں لا کلام
بے مثل ذات حضرت خیر الانام ہے

زاہد نہ تو نے پی جو مئے حُبِّ احمدی
تو تیرے زہد خشک کو میرا سلام ہے

ٹھوکر کے ایک اشارہ سے مردے جیے ہزار
معجز نما حضور کا نازک خرام ہے

بیخود ہے دل جو گیسوئے حضرت کے شوق میں
ہوتی صباحِ زیست کو کوئی دم میں شام ہے

کرتا ہوں محبوب خدا پر میں فدا دل
یا رب تو مجھے دیجیے ہر روز نیا دل

خود غزل لکھتا ہوں خود پڑھتا ہوں اپنی بزم میں
کونسا مداح ہے میری برابر ان دنوں

دن کو ذاکر محفلِ میلاد کا ہے انتظام
نعت کے اشعار ہم لکھتے ہیں شب بھر ان دنوں

بزم روشن ہے کس کے آنے سے
نور چھنتا ہے شامیانے سے

آ کے جب روضۂ حضرت سے نہ پائیگی مجھے
خاک اڑائے گی سر بزم صبا میرے بعد

بارش انوار یزداں ہے جہاں میں ہر طرف
شمع بزم طور ہے ہر شمع ایوان حجاز

دامن سلطان بطحا سر پہ ہے جلوہ فگن
حشر میں جنت بداماں ہیں غلامان حجاز

آج نور احد ہوئے پیدا
آج شاہ ابد ہوئے پیدا

ذاکر پر گناہ ہو نہ تو خوش
شافع نیک و بد ہوئے پیدا

بجز نعت نبی ذاکر نہ لکھ جانے نہ پڑھ جانے
سکھائے جس کا جی چاہے پڑھائے جس کا جی چاہے

بادشاہ رسل ہوئے پیدا | باعثِ جزو کل ہوئے پیدا
جن کی بو سے مہک رہا ہے جہاں | مرحبا اب وہ گل ہوئے پیدا

(۱۰) ذکا :

(مولوی) رحمت علی ولد (مولوی) محمدی تقی جلیسی حمیدی۔ ساکن قاضی ٹولہ۔ شیوخ صدیقی کی شاخ بنو حمید میں پیدا ہوئے۔ صاحب تاریخ بنی حمید نے الواث حمیدی کے حوالے سے لکھا ہے، کہ یہ بڑے عالم و فاضل اور عارف و متقی تھے۔ حضرت شاہ فضل غوث ساقی بریلوی (ف ۱۸۹۰ء) سے بیعت تھے اور انھیں سے خرقہ خلافت بھی حاصل کیا[1] فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نصاب مثلث اور ایک قصیدہ نعت ان سے یادگار ہے[2] ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ / ۱۶ اگست ۱۸۸۶ء کو وصال فرمایا۔ شہر کے جانب غرب گورستان قاضیان میں سپرد خاک ہوئے۔ ذاکر بدایونی نے تاریخی قطعہ کہا۔ مصرعہ مذکورسے تاریخ نکالی ہے[3]

"ہوا قصر جنت میں جا کر مکیں آج"

۱۳۰۳ھ

مزید حالات اور نمونہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

(۱۱) ریاض :

(قاضی) محمد ریاض الدین، ولد دیار زالدین۔ ساکن قاضی ٹولہ۔ غالباً حمیدی خاندان کے فرد تھے نعت کے شاعر تھے۔ دیوان نعت طبع ہو چکا ہے[4] گلدستہ جام کوثر میں نعت نظر سے گذری[5]۔

مرے مولا نے جو رویا میں ہے آنا چھوڑا | دلِ بےچین نے آرام کا پانا چھوڑا
اے صبا جا کے یہ محبوب خدا سے کہیو | اپنے مشتاق کو کیوں جلوہ دکھانا چھوڑا
شوق دیدار نبی دور نہ ہو تو ہم سے | ہم نے خاطر سے تری سارا زمانہ چھوڑا
خواب رویا میں مرے تم نے جو آنا چھوڑا | پر مرے شوق نے طیبہ کا نہ جانا چھوڑا
جب سے تقدیر مری سوئی ہے فرقت میں تری | بخت واژوں نے مرے مجھکو ہنسانا چھوڑا

---

[1] ۔ تاریخ بنی حمید (قلمی) ص: ۴۹
[2] ۔ تاریخ بنو حمید ص: ۴۹
[3] ۔ تجلیات سخن ص: ۱۹
[4] ۔ تجلیات سخن۔ ص: ۱۹، ۲۸
[5] ۔ آئینہ مغفرت مع جام کوثر۔ ص: ۳۲ - ۳۳

وقت نزع آگیا تم کا مسیحا آؤ ! تیرے بیمار نے آنکھیں بھی بیمار نا چھوڑا
اے شہ غزو شرف خذ بیدی خذ بیدی پکڑا داماں ہے ترا سارا زمانہ چھوڑا
خواب غفلت میں رہے پہنچا نہ طیبہ نہ گئے واں کے ذالحجہ کا افسوس دوگانہ چھوڑا
جو کعبہ کو ریاض ہے یہی انسب تجویز پہنچا کو ہم نے بھی بطحیٰ سے ہے آنا چھوڑا

نعت احمد کی میں لکھوں مرا رتبہ کیا ہے وصف خالق ہی جو فرمائے تو بندہ کیا ہے
لب چپٹ جاتے ہیں کہتا ہے محمد جو کوئی اور اس نام سے بڑھ کر کوئی میٹھا کیا ہے
شافع روز جزا کی میں ہوں امت میں ریاض گو گنہگار ہوں لیکن مجھے پروا کیا ہے[۱]

(۱۲) زلالی :

انصار حسین ولد بزبر حسین (مختار، برادر شفاعت بدایونی) ساکن بیدوں ٹولہ، حمیری خاندان میں ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے[۲]۔ اردو فارسی کی تعلیم بدایوں میں حاصل کی۔ بعد ازاں مختاری کا امتحان پاس کیا۔ ان کے والد بھی عدالت دیوانی میں مختار تھے۔ زلالی نے بھی چالیس سال تک بدایوں میں وکالت کی اور اس پیشہ کی نسبت سے نہایت معروف و مقبول ہوئے۔ قدما کی تمام مذہبی و اخلاقی قدروں کے امین تھے حضرت شاہ نصیر الدین حسین عرف چوٹی والے میاں (ف ۱۸۸۸ء) سے سلسلۂ بیعت تھا۔[۳]

شاعری سے شغف کم عمری ہی میں ہو گیا تھا۔ ابتدا میں انصار تخلص کیا اور کچھ دن احمد حسن وحشت بدایونی سے اصلاح لی بعد میں مولانا الطاف حسین حالی (ف ۱۹۱۴ء) کے شاگرد ہو گئے[۴] حسرت موہانی کے تذکرۃ الشعرا (علی گڑھ ۱۹۱۵ء) جزو پنجم حصہ اول میں تلامذۂ حالی میں ان کا نام بھی شامل ہے۔

زلالی کئی مرتبہ حالی سے نیاز حاصل کرنے کے لیے دہلی اور پانی پت گئے۔ حالی سے ان کی عقیدت محبت میں بدل گئی تھی۔ دیریندر پرشاد سکسینہ نے لکھا ہے[۵]

> اکثر مولانا حالی کے پرخلوص خطوط آپ کے پاس آتے رہتے تھے ..... اکثر مکتوبات میں الفاظ کی تحقیق بحث ہوتی تھی۔

لالہ سری رام اور شہید حسین نے ان کا سال وفات ۱۹۲۵ء لکھا ہے جو غلط ہے انہوں نے

۱۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ص : ۲۵۸ ۔ ۲۔ خمخانۂ جاوید ج ۳/ص : ۶۳۸

۳۔ " " " ص : ۳۷۲ ۴۔ " " " ص : ۶۳۸

۵۔ تذکرہ شعرائے بدایوں مشمولہ اردو ادب دہلی شمارہ ۴/۳ ۱۹۷۲ء

۲۱ر جولائی ۱۹۲۴ء کو وفات پائی۔[1] تدفین بدایوں میں ہوئی۔ پسماندگان میں صرف ایک لڑکی یادگار چھوڑی جو مولوی اکرام احمد شاد صدیقی (ف ۱۹۶۴ء) تلمیذ احسن مارہروی کو منسوب تھیں۔

آپ کے تلامذہ میں ظفریاب حسین جام نوائی (ف ۱۹۸۱ء) خاصے معروف ہوئے۔ ابتدائی مشورہ کرنے والوں میں نظامی بدایونی کا نام قابل ذکر ہے۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے زلالی کے متعلق لکھا ہے[2]

شاعری میں آپ نے حالی کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ زلالی نے حالی کی طرح نیچرل شاعری نہیں کی لیکن شاعری میں افادیت اور کسی حد تک مقصدیت کو ضرور پیش نظر رکھا۔ انھیں غالب و حالی سے بے پناہ عقیدت تھی اس کا اظہار انھوں نے جا بجا اپنے مقطعوں میں کیا ہے۔

ہو نہ گستاخ زلالی سخن آرائی میں — روش غالب مرحوم کو آساں سمجھا
زباں غالب کی جس میں بولتی ہو وہ غزل لکھیے — زلالی آپ کو اس رنگ میں صاحب ہنر جانا
اے زلالی کیجیے میخانۂ غالب کی سیر — جان میں جان آگئی ابر بہاراں دیکھ کر
گل مضموں چڑھانا مرقد پرنور خواجہ پر — زلالی سوئے پانی پت تمہارا ہو اگر جانا
روش استاد کی چھوٹی نہ چھوٹے گی زلالی سے — انھیں رستوں پہ چلتے ہیں جو خواجہ نے نکالے ہیں
اے زلالی ہے محالات سے نیچر کا بیاں — خواجہ صاحب کی روش لاکھ اڑا لے کوئی گر

اپنے دور کے مشاعروں میں شریک ہو کر انھوں نے خوب خوب داد و تحسین وصول کی۔ اُس دور کے اکثر گلدستوں اور رسائل میں بھی ان کا کلام نظر آتا ہے۔

راقم الحروف کی ذاتی لائبریری میں ان کا ایک غیر مطبوعہ دیوان "دیوان زلالی" جو غزلیات اور چند نعتوں پر مشتمل ہے موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ غزل میں ان کے مزاج و اسلوب کی مخصوص چھاپ نظر آتی ہے۔ غزلیات کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ البتہ نعت کے چند ایک گلدستے اور ایک نسب نامہ طبع ہو چکا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ باب عشرت (بدایوں) قصیدہ نعت۔ غالب کے مشہور قصیدے "صبح دم دروازۂ خاور کھلا" کی زمین اور طرز پر ہے۔

۲۔ ساغر زلالی: ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔

۱۔ ذوالقرنین بدایوں ۲۸ر جولائی ۱۹۲۴ء
۲۔ حالی بحیثیت شاعر ص: ۷۵

۳۔ نشۂ ہشیاری: یہ ایک مخمس ہے جس کا اصل نام نظم مدح رسول ہے اس کے آغاز میں غالب کے چند فارسی اشعار بطور تمہید نقل کیے گئے ہیں۔ امیر الاقبال پریس بدایوں سے طبع ہوا۔

۴۔ پیغمبر کی مدح: ۱۵۰ بند کا مسدس ہے اس میں کہیں عطف و اضافت نہیں ہے ۱۹۱۷ء میں نظامی پریس بدایوں سے طبع ہوا۔

۵۔ نسب نامہ شیوخ محمدی: اپنے خاندان متولیان کا شجرہ مرتب کیا جو 'باقیات الصالحات' میں شامل ہو کر روہیل کھنڈ فرینڈس پریس بدایوں سے طبع ہوا۔

نمونہ کلام:

بیان غم شہ دیں کے حضور کر بیٹھا　　بڑا قصور دلِ بے قصور کر بیٹھا
خطا معاف سمجھتا تھا نیک و بد لیکن　　تمہارے زور پہ مولا قصور کر بیٹھا
ترے کرم نے تو دی تھی خبر معافی کی　　ہوا قصور کہ ترک قصور کر بیٹھا
وفورِ یاس نے وہ دی سزا کہ جی چھوٹا　　کچھ آسرا تھا دلِ ناصبور کر بیٹھا
نہ دیکھی مست محبت کی قلزم آشامی　　ذرا سی پی تھی کہ زاہد غرور کر بیٹھا
متاعِ خانۂ دل خیر! حوصلہ معلوم　　سو وہ بھی نذر نیاز حضور کر بیٹھا
حسام جنبش لب نے جواب خوب دیا　　کہیں قمر بھی تھا دعویٰ نور کر بیٹھا
صبا جو لائی مجھے بندہ پروری کی نوید　　تو اس نذر ہوائے غرور کر بیٹھا
زلالی تجھ کو کسی نیک و بد کی فکر نہیں　　حوالے ان کے میں سارے امور کر بیٹھا

ہزار لاغر و بیکس ہیں، بے سہارے ہیں　　تمہارے زور پہ محشر کو ہم سدھارے ہیں
متاع حُبِّ نبی لے چلے ہیں محشر کو　　جو قدرداں کوئی پایا تو وارے نیارے ہیں
رہِ دیار محبت سے نابلد ہی رہے　　خضر کہو تو یہی دن کہاں گزارے ہیں
عزیز رکھتے ہیں نیکوں کو لوگ دنیا میں　　مگر وہ تم ہو گنہگار جن کو پیارے ہیں
بڑی تلاش سے لائے ہیں نور کے مضمون　　ہماری فکر نے توڑے فلک کے تارے ہیں
ہوائے شوق میں اڑ کر مدینہ پہنچیں گے　　بلا سے لاکھ تھکے ہیں ہزار ہارے ہیں

سامان روز روز جو یہ ابتری کے ہیں — کس منہ سے ہم کہیں گے کہ ہم بھی کسی کے ہیں
تو ہم بگاڑے دیتے ہیں سامان عیش دل — ضامن مگر حضور ہی بگڑی بنی کے ہیں

قیامت آئی کچھ اچھی گھڑی ہے — گنہگاروں میں بیحد بن پڑی ہے
کھو نعت پیمبر روزِ محشر — بڑا دن مل گیا فرصت بڑی ہے

بنا جو مظہرِ شانِ کرم قیامت میں — بڑے غرور میں پھر کر مرا قصور آیا

مسدس پیمبرؐ کی مدح کے چار بند ملاحظہ فرمائیے جن میں کہیں عطف اور اضافت نہیں ہے۔

وہ رات تھی، بلا کی مصیبت کی رات تھی — بھاری تھی آسمان پہ آفت کی رات تھی
اڑتا تھا رنگ ماہ کا وحشت کی رات تھی — کعبہ سے کعبہ والے کی ہجرت کی رات تھی
تاروں سے بولا چاند جلاتا زمین کو
بس کہہ دیا کہ منہ نہ دکھانا زمین کو

اندھیر اڈھاری تھی سیاہی کہاں کہاں — کوثر میں تھا غضب کا تلاطم کہ الاماں
قدسی پکارتے تھے کہ لٹتا ہے آسماں — آہوں کے ساتھ سینے سے اٹھنے لگا دھواں
سر آسمان والوں کے شور سے پھر گئے
سدرہ کی عندلیب کے توتے سے اڑ گئے

سنسان شہر بھی تھا کہ تھا رات کا سماں — مزدور بھی تھے اپنے گھروں میں جہاں تہاں
پہنچے نہ کانوں کان یہاں کی خبر وہاں — اس وقت گھر نبی سے چھڑاتا تھا آسماں
کس طرح جان تن میں مصیبت سے جل نہ جائے
کیونکر زمین پاؤں تلے سے نکل نہ جائے

تھا بطحی سے چھوٹتا بطحیٰ ہزار حیف — چھٹتا تھا کعبہ والے سے کعبہ ہزار حیف
حسرت سے اس کو دیکھ رہا تھا ہزار حیف — کہتا نہ تھا زبان سے اصلا ہزار حیف
دل کو یہ تھا یقین کہ سو بار آئیں گے
جیتے رہے تو کعبہ کو قبلہ بنائیں گے

(۱۳) سعید :۔

محمد سعید الدین حسین نام سعید تخلص چودھری خطاب عرفیت میاں جان ولد تفضل حسین ساکن کھیڑا بزرگ بدایوں۔ کھیڑا بزرگ میں آباد شیوخ صدیقی کے خاندان میں ۴ جولائی ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے[له] ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں (قیام ۱۸۵۲ء) میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۸۷۵ء میں اپنی زمینداری سنبھالی۔ ۲۵ نومبر ۱۸۷۵ء کو ان کی شادی ہوئی۔ سہرا مذاق بدایونی نے لکھا[ٹه]

ابتدا میں چودھری اصغر علی ضابط بدایونی (ف ۱۸۹۲ء) سے اصلاح لی۔ بعد میں مولوی راشد علی ضیا بدایونی (ف ۱۸۹۱ء) تلمیذ منیر شکوہ آبادی کے شاگرد ہوئے۔ کچھ دنوں مذاق بدایونی سے بھی مشورہ لیا[سه] حافظ فضل اکرم نے لکھا ہے[گه]

"چونکہ یہ صاحب نہایت نازک خیال عالی دماغ شاعر اور بجائے خود استاد میں یا ایں وجہ ان کو اپنے استاد حضرت مذاق مدظلہم سے بہت کم اصلاح لینے کا اتفاق ہوا۔"

لالہ سری رام نے ان کی مقامی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے[شه]

"آپ بدایوں کے جاگیرداروں میں ممتاز اور وہاں کے رؤسا میں سرفراز تھے۔ ..... ۲۰۰۰ سالانہ کے معافی دار تھے۔ دہلی۔ کلکتہ مختلف مقامات کی سیر کی تھی۔ آپ کو زراعت سے خاص طور سے دلچسپی تھی اپنے اضلاع میں سالانہ زراعتی نمائش کی بنیاد ڈالی ..... دیوان نعتیہ اور چند کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔"

سعید انتہائی علم دوست روشن خیال، مدبر رئیس تھے۔ بدایوں اور اطراف بدایوں میں زراعت کے فروغ میں انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ پروونشیل اگریکلچر ایسوسی ایشن ممالک مغربی و شمالی ہند اودھ کے ایک عرصہ تک وائس پریسیڈنٹ رہے۔ زراعت سے متعلق ایک مسدس: "مسدس سعید" (لاہور ۱۸۹۱ء) اور ایک رسالہ "رسالہ نقولات نباتات" (بدایوں ۹۸-۱۸۹۷ء تقریباً) شائع ہوا۔

سعید نے اپنے ایک دوست افضل علی ضوء بدایونی (ف ۱۹۲۰ء) کے لیے ایک مطبع افضل المطابع (کھیڑہ بزرگ بدایوں) قائم کرا دیا تھا۔ احید الدین نظامی لکھتے ہیں[ته]

"یہ مطبع چودھری میاں جان صاحب نے اپنے ایک دوست کو کھلوا دیا تھا۔ چودھری صاحب اس

له۔ بدایوں کے تابندہ ستارے ص: ۲۵ ٹه۔ بدایوں کے تابندہ ستارے ص: ۲۶

سه: تجلیات سخن ص: ۲۱۔ خمخانہ جاوید ج/۴ ص: ۲۰۰۔ آئینہ دلدار ص: ۱۳۹

گه۔ بہار بوستان شعرا ص: ۲۷ شه۔ خمخانہ جاوید ج/۴ ص: ۲۰۰

ته۔ گذارش مشمولہ رتعات مدہوش ص: ۳

زمانہ کے بڑے رئیس ہی نہ تھے بلکہ ان کو ادبی شوق بھی تھا۔ وہ ایک اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ ان کے یہاں دوسرے مشاغل کے ساتھ علم و ادب کا بھی چرچا رہتا تھا۔

اس مطبع سے ایک ہفتہ وار اخبار "سعید الاخبار" (اجراء جنوری ۱۸۸۵ء) ایک گلدستہ "گلدستہ سعید" اور ایک رسالہ "مفید المزارعین" ـــ عرصہ تک شائع ہوا[۵۱]۔ اس مطبع سے بدایوں کے متعدد قلمکاروں کی مطبوعات بھی طبع ہوئیں۔

سعید نے ۲۱ر جون ۱۸۹۷ء کو انتقال کیا[۵۲] اور آبائی قبرستان کھیڑہ بزرگ میں مدفون ہوئے۔ سابد الدین شائق بدایونی نے تاریخ کہی۔ زہے رئیس اعظم بود ۱۳۱۵ھ

مسدس سعید (لاہور ۱۸۹۱ء) ہدیہ سعید، کرامات اولیائے حق (بدایوں ۱۸۸۰ء)، دیوان نعت ان کے کلام منظوم میں یادگار ہیں۔ دیوان نعت کے مطبوعہ ہونے کی کوئی شہادت نہیں ملی۔ ان کے علاوہ شعرائے اردو کا ایک تذکرہ بھی قلم بند کیا تھا جو اشاعت سے محروم رہا۔

سعید کے یہاں شعر و ادب کا چرچا رہتا تھا۔ دوسرے شہروں سے جو مشاہیر ادب بدایوں میں وارد ہوتے وہ یا تو ان کی دعوت پر آتے یا ان کے مہمان ہوا کرتے۔ کبھی کبھی مشاعروں کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح بھی قلم بند کی تھی، اس کو انہوں نے دس دس سال کے حالات پر تقسیم کیا تھا اور ہر دس سالہ حالات کو ایک جلد کی صورت دی گئی تھی۔ اس خود نوشت کی دوسری جلد چودھری صغیر حسن صدیقی (ساکن محلہ سوتھا بدایوں) کے پاس محفوظ ہے۔ راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اس خود نوشت میں ایک جگہ لکھا ہے:

"گلدستہ کی اشاعت کے بعد مجھے ایک تذکرہ کی ترتیب و تالیف پر توجہ ہوئی اور بڑی محنت سے تین سال کے زمانہ میں اس کو مرتب کیا۔ جو غیر مطبوعہ ہے اور ہماری ریاست کے دفتر میں موجود ہے۔"

خدا جانے اس تذکرہ کا کیا حشر ہوا۔

دیوان نعتیہ اب دستیاب نہیں۔ ان کی خود نوشت سوانح سے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

افلاک پہ کیوں خطبہ نہ فرمائے محمدؐ! — اس منبر نو پایہ پہ ہے جائے محمدؐ
جو کچھ ہیں یہی عاشق و معشوق ہیں اللہ — مانا ہے خدا کو ہی نہ مانا ہے محمدؐ
یہ آنکھ نہ ہوتی تو نہ ہوتا کوئی حرز — بے عین عرب نرگس شہلائے محمدؐ

۵۱۔ نظامی بدایونی اور نظامی پریس ص: ۲۹۸

۵۲۔ تجلیات سخن ص: ۳۱

اللہ نے آٹھ اس لیے جنت کے کیے در — جس سمت سے چاہے ہمیں لے جائے محمدؐ
یثرب میں سعید آج تلک شانِ خدا ہے — دیکھو تو بھی چل کے ذرا جائے محمدؐ

قصیدۂ جبریِ خاتم کے صرف پانچ شعر دستیاب ہوئے۔

تم ہی نور ہو پیدا جو ہوئے پہلے پہل — تم ہی آخر ہو رسولوں میں تمہیں ہو اوّل
تم وہ اول ہو کہ جس کا نہیں ثانی کوئی — تم وہ ثانی ہو کہ جس کا نہیں کوئی اوّل
تم وہ مخلوق کہ خالق کو ہے نازش تم سے — تم وہ ممدوح کہ مداح ہو ارب ارجل
تم ہو وہ ماہ کہ دیکھے جو تمہارا ایما — شق ہو سو بار قمر پھر بہ طریق اوّل
تم وہ مالک ہو کہ مملوک تمہارا ہے جہاں — تم وہ مخدوم کہ خادم ہیں تمہارے مرسل

(۱۴) سلیم: ————————

(شیخ) سلیم اللہ ولد مولوی حبیب اللہ ساکن مردول ٹولہ شیوخ صدیقی خاندان کے ملک محمد داؤد کی اولاد میں ۱۸۵۹ء کو بمقام بدایوں پیدا ہوئے[۱] شاعری میں وحشت بدایونی سے تلمذ تھا۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں:

اب کہاں میر و ناسخ و آتش — اب ہے وحشت سے کاروبارِ سخن
ہے تلمذ انہیں سے مجھ کو سلیم — جن سے دنیا میں ہے قرارِ سخن

نعت خواں تھے۔ پیشہ معلمی تھا۔ فارسی و اردو کی استعداد اچھی تھی۔ غزل سے طبیعت کو مناسبت نہ تھی صرف نعت و سلام کہتے تھے۔ اصنافِ شعر میں رباعیات کہنے کا خاص شوق تھا[۲]

ان کے چھوٹے بھائی عنایت اللہ روشن بدایونی (ف ۱۹۴۵ء) امیر مینائی کے مخصوص تلامذہ میں تھے۔ دیوان روشن (بدایوں ۱۹۲۲ء) اور چند مثنویات گلشن عشق (لکھنؤ ۱۸۹۲ء) خورشید روشن (لکھنؤ ۱۹۰۴ء) مطبوعہ موجود ہیں۔ ایک بھائی عطاء اللہ تھے جن کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔

سلیم کی حسب ذیل مطبوعہ کتب یادگار ہیں۔

۱۔ چشمہ کوثر — (مطبع قادری بدایوں ۱۸۸۷ء) نعتیں سلام و رباعیات
۲۔ سبیل کوثر — (وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۸۹۵ء) مناقب
۳۔ آب کوثر — (〃 〃 〃 ۱۸۹۶ء) مخمس تضمین وغیرہ

---

[۱] ۔ خط عزیزی عارف پرویز بنام راقم الحروف مورخہ ۷ جولائی ۱۹۹۵ء
[۲] ۔ خمخانۂ جاوید ج ۴ ص: ۲۴۶

۴۔ مخمسات سلیم (نظامی پریس بدایوں سنہ ندارد) نعت
۵۔ موج کوثر (" " " " ") نعت

مذکورہ بالا تمام رسائل راقم کی نظر سے گزرے ہیں جو ان کے پرپوتے عزیزی عارف پرویز (ساکن محلہ سوتھا) کے پاس محفوظ ہیں۔

۶۴ برس کی عمر پا کر ۱۹۲۲ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ قبر جنگل شاہ ولایت جانب شمال خاندانی قبرستان میں ہے۔ اولاد میں مولوی نثار احمد (نعت خواں) مختار احمد۔ ممتاز احمد کے نام معلوم ہو سکے۔ راقم الحروف کی لائبریری میں ان کے مختصر کلام کا مجموعہ موج کوثر موجود ہے۔ نمونہ کلام اسی سے درج کیا جاتا ہے۔

رنگ گل بستان ارم روئے محمد — غیرت وہ طوبیٰ قد دلجوئے محمد
باغ ارم و خلد ہے ان کا چمنستان — ہے چشمہ تسنیم بھی اک جوئے محمد
خورشید عبث آتا ہے ہر صبح چمک کر — نظروں میں سمایا ہے مرے روئے محمد
ہو سلسلہ بخشش کا شفاعت کی سند بھی — گر ہاتھ میں آئے سر گیسوئے محمد
کچھ حشر میں اعمال کے تلنے کا نہیں غم — پلے پہ ہمارے ہے ترازوئے محمد
ہر دو سے چھوٹا سر مو اس میں نہیں فرق — جس سر میں ہے سودائے سر موئے محمد
زیبا ہے سلیم اس کو کہوں نور تجلی — ہے رو کش خورشید و قمر روئے محمد

ذکر دل کو جب ہوئی وصف براق شاہ کی — یہ کمیت کلک بھی سرعت میں توسن ہو گیا
زندگی میں قبر شہ کا محو نظارہ رہا — بعد مردن بھی مری تربت میں روزن ہو گیا

رخ منور حضرت میں آب و تاب یہ ہے — کہ جس سے ماہ خجل ہے وہ آفتاب یہ ہے
خدا کے سامنے محشر میں کس طرح جاؤں — سیاہ کار ہوں دامن ہے تر حجاب یہ ہے

پئے حساب جو ہم سامنے خدا کے چلے — کہاں ملک نے وہ مداح مصطفیٰ کے چلے

زلف مشکیں تا درت شہ پر وہ طولانی میں ہے — صورت سنبل قیامت بھی پریشانی میں ہے

وصفِ رخسارِ نبی سے چپ ہے طوطی نطق کا ‏ ‏ دِل ہمارا صورتِ آئینہ حیرانی میں ہے

روئے پرنورِ نبی کا وصف جب میں نے لکھا ‏ ‏ دائرہ حرفوں کا میرے آفتابی ہو گیا

نبی کے فیضِ قدم سے یہ اوجِ طیبہ ہے ‏ ‏ کہ خاکِ راہ کا ہر ذرہ آفتاب ہوا
جو شب کو خواب میں آیا خیال روئے نبی ‏ ‏ سوادِ قلب مرا رشکِ آفتاب ہوا

(۱۵) شائق :

سدید الدین ولد صبیح الدین ، ساکن محلہ چاہ میر بدایوں میں متوطن عباسی خاندان میں ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے[1] یہ خاندان اپنے علم و فضل میں ممتاز رہا ہے ۔ قاضی عبدالسلام عباسی (ف ۱۸۷۲ء) اپنے وقت کے نہ صرف جید عالم بلکہ فارسی کے بھی بلند پایہ شاعر تھے ۔ قرآن کریم کی منظوم تفسیر 'زاد الآخرت' ($\frac{۱۲۴۴ھ}{۱۸۲۸ء}$) اُردو اور مثنوی 'طوفانِ عشق' (فارسی) یادگار ہے ۔ اس خاندان کے دوسرے افراد میں مولانا بہار الحق عباسی، قاضی شمس الاسلام عباسی ، مولوی نظام الدین ناطق بدایونی (ف ۱۸۶۸ء) تلمیذ معروف دہلوی ۔ مولوی غلام غوث وحید (تلمیذ داغ) ثاقب بدایونی (تلمیذ ظہیر دہلوی) ضیا عباس ہاشمی (نیاز کے رسالہ نگار کے موسس اور یارانِ نجد کے اہم رکن) کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔

شائق کے حالات پردہ خفا میں ہیں ۔ لالہ سری رام نے صرف اس قدر معلومات دی ہے[2]

"نہایت ذہین طباع ، صاحب استعداد پہلے بدایوں کے قابل وکلا میں ان کا شمار تھا ۔ وکالت کی سند ضبط ہو جانے کے بعد مختلف قانونی کتابیں لکھتے رہے ۔ ۱۸۹۲ء میں اخبار 'انتخاب عالم' جاری کیا ۔ فن سخن میں افضل لکھنوی سے تلمذ تھا۔"

۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء کو انتقال کیا[3] شائق کے شاگرد اور خلف الرشید خلیل الدین احمد نوشہ عباسی (ف ۱۹۶۳ء) بدایوں کے مشہور تاریخ گو شاعر تھے[4]

شائق کا شمار اپنے وقت کے نازک خیال شعرا میں تھا ۔ بدایوں کے قادری سلسلہ میں بیعت تھے ۔ اس سلسلہ کے بزرگوں سے رشتہ قرابت بھی رکھتے تھے ۔ مولانا فیض احمد رسوا ان کے والد کے خالہ زاد بھائی اور استاد تھے اور مولانا عین الحق شاہ عبدالمجید قدس سرہ ان کے والد کے حقیقی نانا تھے[5]

---

[1] ۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۱ ص : ۲۶۴

[2] ۔ خمخانہ جاوید ج/۴ ص : ۴۵۹

[3] ۔ ذوالقرنین ۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء

[4] ۔ مزید حالات و کوائف کے لیے دیکھیں راقم کا مضمون مشمولہ مجلہ بدایوں کراچی اپریل ۱۹۹۵ء

[5] ۔ اکمل التاریخ ج/۱ ص : ۶۳ (حاشیہ)

آستانۂ عالیہ قادریہ کے بزرگوں کے اعراس میں شریک ہوتے اور نعت و مناقب کا نذرانہ پیش کرتے۔ نعت و مناقب کا ایک مختصر مجموعہ "نظم رعنا" ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مطبع نسیم سحر بدایوں سے طبع ہوا۔ اس مجموعہ میں ۵ نعتیں بصورت غزل اور ۲۵ اشعار پر مشتمل (غالب کی زمین .... ناطقہ سر بگریباں، الخ میں) ایک قطعہ دیدنی ہے۔ باقی کلام شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مناقب میں ہے۔ نمونہ کلام اسی مجموعہ سے دیا جا رہا ہے۔

کیا غضب! آیات نبی ہر غم کا درماں ہو گئیں — مشکلیں سی مشکلیں آساں سی آساں ہو گئیں
تھا فقط نام نبی جب ہم مدینہ کو چلے — بے سروسامانیاں جتنی تھیں ساماں ہو گئیں
جب سر منبر کیا کچھ ذکر روئے مصطفےٰ — مجلسیں یوں چمکیں خورشید درخشاں ہو گئیں
لے گئیں مٹی میں حسرت جلوۂ دیدار کی — خواہشیں جتنی تھیں وقف کوئے جاناں ہو گئیں
مرتے مرتے لے چلے ہم داغِ عشقِ مصطفےٰ — حسرتیں مٹی میں مل کر اور پنہاں ہو گئیں
سر مرا سنگِ درِ احمد پہ صدقے ہو گیا — آنکھیں نذر خاکپائے شاہِ مرداں ہو گئیں
کیا قیامت خیز مضموں نعت میں شائق کہے — یہ زمینیں بھی قیامت کا سا میداں ہو گئیں

ولائے مصطفےٰ سے آجکل سرشار ہیں آنکھیں — یہ دیدہ بڑھ گیا ہے طالب دیدار ہیں آنکھیں
تصور ہے گل عارض کے تازہ رنگ رہتا ہے — بہار بے خزاں ہیں گلشن بے خار ہیں آنکھیں
تری آنکھوں نے بے پردہ خدا کو آنکھ سے دیکھا — حریم کبریا کی محرم اسرار ہیں آنکھیں
شبیہ مصطفےٰ کو کھینچ کر آنکھوں میں رکھا ہے — عزیز از جاں ہیں مجھ کو بہت دلدار ہیں آنکھیں
وہ دل پتھر سے بدتر ہے نہ ہو جس میں تری الفت — مدینہ گر نہ دیکھا آنکھ سے بیکار ہیں آنکھیں
تصور میں دُرِ دنداں کے اشک خوں نکلتے ہیں — انہیں لعل و گہر سے جوہری بازار ہیں آنکھیں
نظر ملتے ہی روضہ دل میں آجاتا ہے مولا کا — نیا اعجاز ہے دیکھو لب اظہار ہیں آنکھیں
تصرف ہے یہ سب مدح رسول اللہ کا شائق — وگرنہ اس زمیں میں باندھنا دشوار ہیں آنکھیں

بن گئے زیب گنبد قبر پیمبر چاندنی — ہو گئی ہے اپنے طالع کی سکندر چاندنی
روضۂ پرنور پر قربان ہونے کے لئے — لوٹتی پھرتی ہے مانند کبوتر چاندنی
عارضِ والا سے تشبیہیں نہ دیں عشاق نے — خاک پر لوٹا کرے شائق نہ کیوں کر چاندنی

ہزاروں پرزے کیے جنوں نے بشوق صحرائے دشت طیبہ ۔۔۔ رہا نہ دامن نہ ہے گریباں نشاں کیا جیب و آستیں کا
لکھے ہیں مضموں بانکے بانکے وہ نعت احمد میں تم نے ثاقب ۔۔۔ صدائے تحسین آرہی ہے اٹھا ہے اک شور آفریں کا

(۱۶) شرر :

علی بخش خاں ولد سلطان بخش۔ ساکن محلہ سوتھا بدایوں۔ شیوخ صدیقی کی ایک شاخ بخوش سے تعلق رکھتے تھے۔ خان کا اضافہ غالباً انگریز بہادر سے خطاب کی صورت میں نام کا حصہ بن گیا۔ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء کو آبائی مکان سوتھ میں پیدا ہوئے[۵۱] مولانا فیض احمد رسوا بدایونی (ف ۱۸۵۸ء) کے شاگرد اور مولانا عبد المجید عین الحق بدایونی (ف ۱۸۴۶ء) کے مرید با اخلاص تھے۔ علوم نقلیہ و عقلیہ کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی ادبیات کے منتہی تھے۔ سرکاری ملازمت بھی کی اور صدر الصدور کے عہدے تک پہنچے۔

ابتداءً میں سرسید احمد خاں (ف ۱۸۹۸ء) کے دوست اور ہم خیال تھے لیکن کچھ عرصے کے بعد سرسید سے اختلاف عقائد کے سبب بدظن ہو گئے اور ایک عرصہ تک بنگلور سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ اخبار 'منشور محمدی'، 'نور الآفاق'، اور 'نور الانوار' وغیرہ کے صفحات پر ان سے تحریری مناظرہ کیا۔ بعد ازاں انہوں نے سرسید کے ذاتی عقائد کی رد میں تین رسالے بھی تحریر کیے۔

۱۹۸۳ء میں شرر کے عزیز محمد طیب بخش (ف ۱۹۹۲ء) نے راقم الحروف کی تحریک پر سرسید اور شرر کے درمیان تحریری مناظرہ کو قلم بند کیا جو پہلے ایک مضمون کی صورت میں سہ ماہی روشن بدایوں۔ (جلد ۶ شمارہ ۳ ۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا۔ بعد میں قدرے تفصیل کے ساتھ کتابی صورت میں باسم 'اعتقادات سرسید اور شرر بدایونی' (بریلی ۱۹۸۵ء) طبع ہوا۔

سرسید نے اپنے مخالف کا دل جیتنے کے لیے خزینۃ البضاعۃ کمیٹی کی ایک میٹنگ کی اور مذہبی تعلیم کی نگراں کمیٹی کو از سر نو تشکیل دیا۔ نئی کمیٹی کا کنوینر مولوی علی بخش کو بنایا[۵۲]

شرر کی مطبوعہ کتب کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ دیوان شرر ۔۔۔ اسعد الاخبار آگرہ ۔۔۔ ۱۸۵۲ء ۔۔۔ ص ۱۴۸
۲۔ قاعدۃ التدریس[۵۳] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۶۴ء

۵۱۔ اکمل التاریخ ج ۱/ص: ۶۶

۵۲۔ سرسید کے مخالفین از ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری مشمولہ فکر و نظر جنوری، ستمبر ۱۹۸۵ء

۵۳۔ اس کتاب کا علم نواب عبد العزیز خاں عزیز بریلوی (ف ۱۸۹۲ء) کے اس قطعہ سے ہوتا ہے جو دیوانِ عزیز (مطبوعہ مطبع شوکت الاسلام لکھنؤ ۱۸۹۲ء) میں شامل ہے۔ قطعہ حسب ذیل ہے۔

سبحان اللہ کیا رسالہ ہے نفیس ۔۔۔ معنی ہے لطیف اور عبارت ہے سلیس
پوچھا جو خرد سے میں نے تاریخی نام ۔۔۔ ارشاد ہوا کہ قاعدۃ التدریس (ص: ۱۹۰)
۱۲۸۱ھ

۳۔ شہابِ ثاقب نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۳ء (سر سید کے عقائد کے رد میں)

۴۔ تائید الاسلام 〃 〃 〃 ۱۸۷۳ء (〃 〃 〃 〃)

۵۔ مؤید الاسلام 〃 〃 〃 ۱۸۷۳ء (〃 〃 〃 〃)

۶۔ تنقیح المسائل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (رد شیعیت میں)

۷۔ برق خاطف

ضیاء القادری نے لکھا ہے [۱]

"آپ فن مناظرہ کے محقق اور مخصوص لوگوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں آپ کی تصانیف مشہور ہیں۔ سر سید احمد خاں بہادر کے معاصر اور مکفرین میں ہیں۔ ہمیشہ سر سید سے تحریری و تقریری مکالمے ہوتے رہے۔ غیر مقلدین میں ڈپٹی امداد علی صاحب۔ آریوں میں دیانند جی سرستی کے اقوال باطلہ اور عقائد الحادیہ کا ہمیشہ آپ نے بطلان کیا۔

صاحب خمخانہ جاوید نے لکھا ہے [۲]

علم جفر، رمل، نجوم وغیرہ سے بھی شوق رہا۔ پھر اس شغل کو شرع اسلامیہ کے مطابق ناجائز سمجھ کر چھوڑ دیا۔

اپنے عہد میں شاعری کی حیثیت سے بھی متعارف تھے۔ چنانچہ مرزا کلب حسین خاں نادر نے اپنے تذکرے "تذکرہ نادر" (مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۵۷ء ص: ۸۸) میں اور لالہ سری رام نے خمخانہ جاوید میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک دیوان مطبوعہ اور ایک قلمی مجموعہ یادگار ہے۔ شاعری کے متعلق پروفیسر آل احمد سرور کا خیال ہے [۳]

کلام کا عام رنگ اس زمانے کا سا ہے یعنی ناسخ کی رعایت لفظی، ذوق کے محاورے، جرأت کی معاملہ بندی، شاہ نصیر کی مشکل ردیفیں سب کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اشعار صاف اور سادے ہیں اور ان میں تغزل کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

شروع میں اظہار تفوق کا مادہ تھا چنانچہ بعض غزلیں مرزا غالب کے جواب میں ہم ردیف و ہم قافیہ لکھیں۔ ضیاء القادری نے لکھا ہے [۴]

مرزا غالب سے ہمیشہ شاعری میں چھیڑ چھاڑ رہی۔

۱۔ اکمل التاریخ ج ۱ ص: ۶۶

۲۔ خمخانہ جاوید ج ۲ ص ۴۹۸

۳۔ نئے اور پرانے چراغ (طبع پنجم) ص: ۱۳۴

۴۔ اکمل التاریخ ج ۱ ص ۶۶

غالب کے قطعہ بند اشعار جو تکیہ ڈلی سے متعلق ہیں اسی زمین میں شرر نے بھی پیچدان کی رسید میں ایک قطعہ لکھا ہے جسے مولانا عرشی نے دیوان غالب (نسخہ عرشی) میں نقل کیا ہے[1]

پروفیسر آل احمد سرور نے غالب سے چھیڑ چھاڑ کے متعلق لکھا ہے[2]

"اس کا کوئی اور ثبوت نہیں مل سکتا۔"

ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے صاحب اکمل التاریخ کے ایک مکتوب کے حوالے سے مذکورہ صدر جملے کی شرح کی ہے اور نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے[3]

غرض اس چھیڑ چھاڑ کی نوعیت اور تفصیل کا سراغ نہیں ملتا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ مولوی علی بخش خاں شرر خود کو غالب کا مد مقابل سمجھتے تھے اور ان کے جواب میں ہم ردیف و ہم قافیہ غزلیں لکھتے تھے۔

شرر ساری زندگی ایک عالم اور مناظر کی حیثیت میں جانے گئے۔ زہد و تقویٰ کا جو لباس انہوں نے زیب تن کیا تھا وہ بڑا تنگ تھا۔ اپنے پیر کے ایما پر انہوں نے بہاریہ شاعری ترک کر دی اور نعت و منقبت تک خود کو محدود کر لیا۔

ضیاء القادری نے لکھا ہے[4]

"نعت شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور سننے کا از حد شوق تھا روزمرہ جو تازہ غزل تصنیف فرماتے اس کو اپنے مقررہ نعت خوانوں کی زبانی سنا کرتے۔"

پیرو مرشد کی توجہ دلانے پر نعت کہنے کا رجحان مزید گہرا ہو گیا۔ چند نعت کے دیوان بھی مرتب کیے لیکن ان کی اشاعت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان کے نعتیہ کلام کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور کا بیان ہے[5]

"عشقیہ دیوان کے علاوہ آپ (شرر) کے چار نعتیہ دیوان بھی ہیں مگر یہ انہوں نے اپنے بھتیجے مولوی حامد بخش کے نام سے چھپوا دیے ہیں اور اس میں حامد تخلص رکھا ہے۔

یہ بیان بغیر کسی ثبوت کے قابل تسلیم نہیں۔ عبداللہ ولی بخش قادری بھی اس ضمن میں سرور صاحب کے ہم نوا نہیں اور وہ اس کے منکر ہیں کہ شرر نے مقطع بدل کر اپنا کلام اپنے داماد حامد بخش حامد سے منسوب

---

[1] دیوان غالب اردو (انجمن ترقی اردو علی گڑھ) ۱۹۵۸ء ص: ۲۲۲ - ۲۲۳

[2] نئے اور پرانے چراغ ص: ۱۲۶

[3] اکمل التاریخ ج ۱ ص ۶۶

[4] غالب اور عصر غالب ص ۸۹

[5] نئے اور پرانے چراغ ص ۱۳۴

کر دیا ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں[1]

"شرر صاحب اور حامد بخش صاحب کے کلام کا موازنہ کرنے سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ کلام ایک ہی شاعر کا نہیں"۔

تلامذہ میں بھی حامد بخش حامد کا نام نظر سے گزرا ہے۔

۱۷ رجب ۱۳۰۲ھ / ۲ مئی ۱۸۸۵ء کو انتقال ہوا۔ درگاہ قادریہ میں اپنے پیر کے مزار کے زیر دیوار سپردِ خاک کیے گئے[2]۔ زلالی بدایونی نے ایک تاریخی قطعہ کہا جس کا آخری شعر یہ ہے[3]

دیکھا کہ خوف زدہ روئے ادب ہیں وہ کہہ رہے
مرشد کے زیر سایہ جناں میں مکیں ہیں ہم
۱۳۰۲ھ

نمونہ کلام:

مری مستی پہ شیخ و محتسب تعذیر کیا دیں گے
ابھی میں بادہ کش ہوں ساقیٔ کوثر کے مشرب کا

رقابت کا کسی کو غم نہیں سب اسکے عاشق ہیں
خصوصیت ہے رکھے ساتھ وہ محبوب ہے رب کا

میں ہوں تلمیذِ رحمان لے شرر میرا وہ رتبہ ہے
کہ جبریل امیں اک طفل ابجد خواں ہے مکتب کا

یہ محبوبی کا رتبہ ہے خدا بھی تجھ کو بلوا کر
شب معراج تھا مشتاق تیری آمد آمد کا

خطر کیا موج طوفان بلا سے کشتیٔ دل کو
لکھا ہے میں نے مثل نوح نام اس پر محمد کا

رخ پرنور پر صلیِ علیٰ ریش مطہر کو
فرشتے کہتے ہیں شیرازہ قرآن مجلد کا

گواہی تیری یکتائی کی دونگا بعد مردن بھی
بنے گا شکل انگشت شہادت سبزہ مرقد کا

قصیدہ پر شرر کے صاد کرنے کی تمنا ہے
اترآئے زمیں پر یہ ارادہ ہے عطارد کا

مرے دل میں ہے جلوہ عارض محبوب یزداں کا
وا سینہ ہے مطلع آفتاب نور عرفاں کا

فنا ہوں ذات محبوب خدا میں یہ تمنا ہے
مجھے جنت سے کیا عاشق نہیں میں حور و غلماں کا

مدینہ پر فدا ہیں جن و انساں وحشی و طائر
کہ ہر ہر سنگریزہ وہاں نگینہ ہے سلیماں کا

ہدایت تیری رہبر ہو تو وہ رتبہ ملے مجھ کو
بتادوں خضر کو رستہ مدینہ کے بیاباں کا

پسند آیا قفس اس کو ترے روضہ کی گنبد کا
بہت مشکل ہے جنت میں ٹھہرنا طائر جاں کا

۱ھ۔ تعارف مشمولہ نقد و بیان ص ۳۳

۲ھ۔ اکمل التاریخ ج ا ص ۶۶ ، تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۲۴۳

۳ھ۔ باقیات الصالحات ص: ۹

وہ کیوں اک جام کوثر کے لیے ترسائے گا ہم کو — بہایا انگلیوں سے جس نے چشمہ آب حیواں کا
لکھے نعت محمد کیا سلیقہ ہے عطارد کو — چرالے اے شرر مضمون رجب بک میرے دیواں کا

(۱۷) شفاعت :

شیخ شفاعت اللہ حمیدی ولد شیخ سخاوت اللہ حمیدی۔ ساکن محلہ قاضی ٹولہ بدایوں۔ ان کے اجداد میں ایک بزرگ شیخ سعادت اللہ ریاست رامپور میں مہتمم ریاست تھے۔[۱]

شفاعت اللہ میاں جی عبدالملک انصاری بدایونی (ف ۱۸۴۲ء) کے شاگرد اور حضرت شاہ نصیرالدین حسینؒ چشتی بریلوی (ف ۱۸۸۸ء) کے مرید باخلاص تھے۔[۲] پیشہ وکالت تھا۔ عدالت ججی شاہجہانپور میں وکالت کے پیشہ سے وابستہ رہے۔ اسی تعلق سے بریلی اور مرادآباد میں بھی قیام رہا۔

شاعری میں شیخ قربان علی خاں قرباںؔ (ف ۱۸۶۲ء) خلف نواب ظہور اللہ خاں نواؔ سے تلمذ تھا۔ جیسا کہ ان کے ان اشعار سے ظاہر ہے۔[۳]

قربان علی نوائے ثانی — ختم اس پہ ظہور نکتہ دانی
مخفی نہیں، رشک انوری تھے — آگاہ دقائق خفی تھے
تقریر سے تھا عروض دان تنگ — تھا اہل سخن کا قافیہ تنگ
سکھلایا انہوں نے شعر کا فن — میرا بھرا موتیوں سے دامن
ہر ایک روش سخن سرا ہوں — میں بلبل گلشن نوا ہوں

قمر بدایونی، اور شہید حسین اور لالہ سری رام نے اپنے تذکروں میں انھیں نواؔ کا شاگرد لکھا ہے۔[۴] راقم الحروف نے بھی اس کتاب کے طبع اوّل میں قمر بدایونی اور لالہ سری رام کے تذکروں کے حوالے سے انھیں نواؔ کا شاگرد ہی لکھا تھا۔ لیکن اب مذکورہ بالا داخلی شہادت مل جانے کے بعد نواؔ سے تلمذ کی روایت غلط ہو جاتی ہے البتہ ایک خاندانی بزرگ کی حیثیت سے نوا کی شفقتیں اور محبتیں شفاعت پر دائم و قائم رہیں۔ جس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے۔[۵]

تھے بدایوں میں شاعر ذی جاہ — خانصاحب نواؔ ظہور اللہ
تربیت پائی میں نے بچپن میں — طوطی ہند کے ہی گلشن میں
حمد پروردگار نعت نبی — جاگزین دل غم آگیں تھی

۱۔ تاریخ بنی حمید ص: ۳۹ (قلمی) — ۲۔ ایضاً۔ ص: ۳۹

۳۔ ایضاً ص: ۳۹ — ۴۔ تجلیات سخن ص: ۳۲، تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۱ ص: ۳۰۴، خمخانہ جاوید ج/۵، ص: ۶۰ — ۵۔ تاریخ بنی حمید ص: ۴۰

مراد آباد میں قیام کے دوران منشی رجب علی بیگ سرور (ف ۱۸۶۹ء) کے فسانۂ عجائب (۱۸۲۴ء) کو منظوم کیا اور اس کا تاریخی نام ترانۂ غرایب (۱۸۶۹ء) رکھا۔ شعر:

ہم وزن فسانہ عجائب — رکھا نام 'ترانہ غرایب'
۱۲۸۶ھ

یہ اس مثنوی کا سال تصنیف ہے۔ یہ منظوم داستان دس سال بعد ۱۸۷۹ء میں مطبع نیّر اعظم مراد آباد سے طبع ہوئی۔ اس مثنوی کی قلمی نقل راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

اردو نظموں کا ایک مجموعہ باسم تاریخی 'منظوم مطہر' (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) طبع ہو چکا ہے جس میں نعت ومناقب بہ کثرت ہیں۔[1]

تاریخ بنی حمید (قلمی) میں ان کے حالات کے ضمن میں ایک 'آشوب سخن' بھی نقل ہوا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے شہیدی بریلوی کے دو قصیدوں کی تضمین بھی کی تھی، دو مناجات اور ایک خمسہ نعت میں لکھا تھا۔ شعر:

کرکے ایجاد اک نیا خمسہ — مدح پیغمبر خدا میں کہا

۱۷ رجمادی الثانی ۱۲۸۸ھ / ۳ ستمبر ۱۸۷۱ء کو وفات پائی۔ شہر کے جانب شمال ایک باغ میں (موسومہ پختہ ناظر والا باغ) مدفون ہوئے۔ ذاکر بدایونی نے تاریخ کہی[2]

مدح خوان نبی شفاعت نام — چھوڑ جب دارالبقا کو ہوئے
سال صوری و معنوی کے عدد — آٹھ اور آٹھ دو اور ایک ہوئے
۱۲۸۸ھ

تلامذہ میں ان کے بیٹے الہام اللہ الہام بدایونی (ف ۱۹۰۵ء) کا نام نظر سے گزرا۔

شہید حسین نے اپنے تذکرے میں منظوم مطہر سے کچھ کلام نقل کیا ہے جو درج کیا جاتا ہے[3]

اے حضرتِ خیر الوریٰ رحمے بہ حالِ زارِ ما — اے بادشاہِ دوسرا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
تم صاحبِ لولاک ہو نورِ خدا کے پاک ہو — اے رونقِ عرشِ علیٰ، رحمے بہ حالِ زارِ ما
اے لاڈلے اللہ کے، اے چاند عبداللہ کے — بی آمنہ کے مہ لقا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
محمود و احمد نام ہے پیارا محمد نام ہے — اے لایقِ صلِّ علیٰ، رحمے بہ حالِ زارِ ما
اے رحمت للعالمین، اے افتخارِ مرسلین — اے شافعِ روزِ جزا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
دستِ کرم ہے درفشاں مخلوق کے روزی رساں — اے منبعِ جود و سخا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
تم کو پیمبر جان کر، آیا گواہی کو شجر — پتھر اک کہنے لگا، رحمے بہ حالِ زارِ ما

1۔ قاموس المشاہیر ج ۲/ ص: ۱۹ 2۔ تاریخ بنی حمید، ص: ۴۲
3۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۲۷۵

آتش ہوئی گل برگِ تر حضرتِ خلیل اللہ پر　　　تم کو صدا دے برملا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
خالق سے بخشائی خطا آدم نے جس آن دی صدا　　　پوتے محمد مصطفٰی، رحمے بہ حالِ زارِ ما
کر دے مرا دکھ برطرف بہرِ رسولانِ سلف　　　اے دستگیر انبیاء، رحمے بہ حالِ زارِ ما
اے تاجدارِ سروراں اے زیبِ تختِ خسرواں　　　تم شاہ ہو میں ہوں گدا رحمے بہ حالِ زارِ ما
بیمار کا درماں کرو، محتاج پر احساں کرو　　　اے خلق کے مشکل کشا رحمے بہ حالِ زارِ ما
میں فکر کا بیمار ہوں، سر تا بہ پا آزار ہوں　　　ہر درد کی تم ہو دوا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
دکھ، درد، غم سب دور ہو رنج و الم سب دفع ہو　　　صدقہ سرِ شبیر کا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
دو مال و زر بہرِ خدا، قرضے میں ہوں میں مبتلا　　　ٹل جائے سر سے یہ بلا رحمے بہ حالِ زارِ ما
دریائے غم ہے جوش پر بیڑے کو میرے پار کر　　　ڈوبے ہوؤں کے ناخدا رحمے بہ حالِ زارِ ما
عصیاں سے میں ہوں زرد رو رہ جائے میری آبرو　　　بہرِ بتول پارسا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
ہر دم ہے خوفِ جاں مجھے ہو پل صراط آساں مجھے　　　اے انبیاء کے پیشوا رحمے بہ حالِ زارِ ما
تاریک مدفن کا ہے ڈر، تم میری کرنا نظر　　　اے مظہرِ نورِ خدا، رحمے بہ حالِ زارِ ما
یہ چاہتا ہے میرا جی تیری بدولت اے نبی　　　پاؤں میں جنت کی فضا رحمے بہ حالِ زارِ ما
حوریں ہوں میری خادمیں، نعمت عطا ہو خلد کی　　　کوثر ملے تب ہے مزا رحمے بہ حالِ زارِ ما
پاؤں مناقب کا صلہ فردوس میں ہو داخلہ　　　جس دم پڑھوں میں ہاتھ اٹھا رحمے بہ حالِ زارِ ما
تیرا شفاعت مدح خواں پائے مصائب سے اماں　　　افلاس ہے بے انتہا، رحمے بہ حالِ زارِ ما

میں تیرے لیے یار جو رسوا نہیں ہوتا　　　عالم میں ترے حسن کا شہرہ نہیں ہوتا

سلطانِ عارفین، شہ ذو الکرام کا　　　سایہ پڑا زمیں پہ نہ خیر الانام کا

تری دعا سے شفاعت کو کر دے مالامال　　　خدا مجھے ترے در دروازے کا گدا جانے

(۱۸) فقیر :

(مولانا) عبدالقادر ولد (مولانا) فضل رسول مست۔ ساکن مولوی ٹولہ، عثمانی خاندان میں ۱۷؍ رجب ۱۲۵۳ھ / ۱۷؍ اکتوبر ۱۸۳۷ء میں اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے[۱]۔ تاریخی نام مظہر حق رکھا گیا۔ گروہ

[۱] مردانِ خدا، ص: ۹۱ ۔ ہم بسنہ ۱۲۳۵ھ درج ہو گیا ہے اغلباً یہ سہو کتابت ہے۔ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۵۶

علماء میں تاج الفحول کے لقب سے مشہور ہوئے۔

علوم معقول و منقول کی تحصیل مولوی نور احمد بدایونی (ف ۱۸۶۳ء) اور مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۸۶۱ء) سے کی۔ اپنے والد ماجد سے بیعت تھے اور انہیں کے خلیفہ بھی[۱] والد کی وفات کے بعد صاحب سجادہ بھی ہوئے۔ ردِ وہابیت کے سبب شہرت پائی۔ جیسا کہ نظامی بدایونی نے تحریر کیا ہے[۲]

جب ندوۃ العلماء کی تحریک زور پر تھی آپ نے پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کی مخالفت کی جس کی وجہ سے ہندوستان میں خاص شہرت ہوگئی۔

اپنے وقت کے باوضع بزرگ اور جید عالم تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) نے ۱۸۹۷ء میں ان کی شان میں ایک قصیدہ بنام چراغ انس تحریر کیا تھا جو ایک سو پانچ اشعار پر مشتمل ہے اور ان کے دیوان حدائق بخشش (سوم) میں موجود ہے۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے۔

اے امام الہدیٰ محبِّ رسول　　　دین کے مقتدیٰ محبِّ رسول

۱۷ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ / یکم ستمبر ۱۹۰۰ء کو بدایوں میں وفات پائی۔ درگاہ قادری میں اپنے والد کے غربی پہلو میں مدفون ہوئے۔ جلیل مانک پوری نے تاریخ کہی[۳]

عبد قادر فدائے غوث وری　　　وا دریغا زخلق رخصت شد

پئے سال وفات گفت جلیل　　　کامل عصر قطب جنت شد

۱۳۱۹ ھ

اخلاف میں مولانا عبد المقتدر بدایونی (ف ۱۹۱۵ء) اور مولانا عبد القدیر بدایونی (ف ۱۹۶۰ء) بالترتیب صاحب سجادہ ہے۔

کتب کثیرہ کے مصنف تھے۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں فکر سخن فرماتے تھے اور تینوں میں چھوٹے چھوٹے دیوان یادگار چھوڑے عربی دیوان کے مطبوعہ ہونے کی شہادت نہیں ملتی۔ فارسی اور اردو میں حسب ذیل دیوان طبع ہوئے۔

درشہوار عقیدت (اردو) دیوان اول منقبت مطبوعہ ۱۳۰۰ھ / ۸۳-۱۸۸۲ء
مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ۔ بارگر د صحیفہ پریس حیدر آباد۔ سنہ ندارد۔

بہارستان عقیدت (اردو) دیوان دوم منقبت مطبوعہ ۱۳۰۲ھ / ۸۶-۱۸۸۵ء
نسیم سحر بدایوں۔ بارگرد صحیفہ پریس حیدر آباد۔ سنہ ندارد

۱۔ تذکرہ علماء ہند ص ۱۱۱:۳　　　۳۔ قاموس المشاہیر ج ۲ ص ۶۷

۲۔ مرزاانِ خدا ص ۹۲ : ۴

بہارستان منقبت (فارسی) دیوان سوم منقبت مطبوعہ ۱۳۰۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء بار دگر صحیفہ پریس حیدرآباد سندارد
گنجینۂ مظہرِ حق اردو (دیوان چہارم) نعت و منقبت مطبوعہ ۱۳۹۱ھ/۷۲-۱۹۷۱ء
مناقب کے مجموعے حیدرآباد سے مختلف اوقات میں مختلف ناموں سے شائع ہوئے۔ راقم الحروف کی علم اطلاع میں جو مجموعے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

مدحت جناب سید الافراد و اکرم الاقطاب[1]	مطبع محبوب شاہی حیدرآباد ۱۳۱۰ھ	۱۸۹۲ء
دیوان منقبت سید الافراد جناب محبوب سبحانی۔	وکٹوریہ پریس بدایوں	۱۸۹۴ء
بہارستان منقبت	مطبع محبوب شاہی حیدرآباد ۱۳۱۲ھ	۱۸۹۵ء
دواوین منقبت	مطبع دستگیری ۱۳۶۹ھ	۱۹۴۹ء

نعتیہ شاعری میں عقیدت کے ساتھ والہانہ پن ہے اور ایک طرح کی خود سپردگی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایک عالم کی شاعری جیسی کچھ ہوتی ہے ویسی ہی ان کی شاعری ہے۔ نمونہ کلام:

مدتوں تک دلِ وحشی کو بہت بہلایا ۔۔۔ دھوکے بھی اس کو دیے اور بہت پھسلایا
جبکہ دیکھا کہ نہیں جاتی ہے اس کی وحشت ۔۔۔ محو و مشتاق مدینہ اسے بے حد پایا
دفعتہً گھر سے چلا بے سر و ساماں تب میں ۔۔۔ لطفِ حضرت مجھے پھر تا درِ حضرت لایا
یارسولِ دو جہاں تیرے کرم کے صدقے ۔۔۔ مجھ سے بے کس کو در پاک تلک پہنچایا
درِ پر نور کے قابل تو نہ تھیں یہ آنکھیں ۔۔۔ چشمِ رحمت نے تری جلوہ مگر دکھلایا
کیا ترے روضۂ انور کا کلس ہے جس نے ۔۔۔ ماہ و مہر و زر و یاقوت کو ہے شرمایا
تیری رفعت کو لکھے کیا یہ فقیرِ خستہ ۔۔۔ شان میں تیری "رفعنا لک ذکرک" آیا

اے بحرِ مصیبت کے تلاطم کا ہے کیا غم ۔۔۔ یہ رحمت عالم کا سفینہ نظر آیا
ملتا ہے اسی باب سے فیضانِ الٰہی! ۔۔۔ ہے قربِ خدا کا یہی زینہ نظر آیا
کیا وصف فقیر اس کا ہو جب تک کے رخ پر ۔۔۔ ہے فرط خجالت سے پسینہ نظر آیا

کیوں نہ چاہوں ترے دربار میں حاجت اپنی ۔۔۔ یا نبی میں ہوں فقیر آپ محبّ الفقراء

گرچہ بد کردار شاہا یہ فقیر زار ہے ۔۔۔ پر خدا شاہد ہے تیرا ہے غلام بے ریا

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیں راقم کا مضمون تعارف روئے کتاباں مشمولہ "مجلہ بدایوں" کراچی فروری ۱۹۹۵ء

جب تمکن نہیں اب منبر دل پر میرے — غیب سے شوق زیارت کے خطیب آ پہنچے
بر دعا ہو گی مجاب اب تو ہماری بےشک — جب یہاں از کرم رب مجیب آ پہنچے

گرچہ اعمال فقیر اپنے برے ہیں لیکن — شکر ہے سگ اسی درگاہ کے کہلاتے ہیں

کیا ہوا آئی مدینے کی کہ صحت لائی — خوش و خرم سبھی بیمار نظر آتے ہیں
دیکھ کر ذرّ کی صفا دل نے صفائی پائی — شب تاریک میں اسرار نظر آتے ہیں

پھرتے کب تک ہند میں ہم ٹھوکریں کھاتے ہوئے — چل دیے سوئے مدینہ دل کو بہلاتے ہوئے
ماہ و خور حیراں ہوئے ہیں دیکھ گنبد کا کلس — شرق و مغرب میں پھرتے ہیں وہ شرماتے ہوئے
اے فقیر امید رکھ ہر لحظہ ان کے فضل سے — دیر کیا لگتی ہے ان کو فضل فرماتے ہوئے

(۱۹) فقیر :

سید خوشبو علی ولد سید بو علی، ساکن محلہ میراں سرائے۔ سادات کے ایک زمیندار اور رئیس گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شہید حسین کے خاندانی بزرگوں میں تھے۔ انتہائی متقی و پرہیزگار۔ خاندان میں ایک مشفق دلنواز بزرگ کی صورت میں مقبول۔ شہید حسین نے لکھا ہے کہ "میں ابھی بچہ ہی تھا کہ ان کا انتقال ہوا"۔ (ج / ۲ ص۱۱)

شہید حسین کا سال پیدائش ۱۹۱۴ء ہے اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان کی پیدائش کے تقریباً دس بارہ سال بعد ان کا انتقال ہوا۔ اولاد اناث میں دو بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔

شہید حسین نے انہیں مذاق بدایونی کا شاگرد رشید لکھا ہے[1] لیکن مذاق کے تلامذہ کے دونوں تذکروں (بہار بوستان شعرا اور ذوق مذاق) اور ان کی سوانح "آئینہ دلدار" میں ان کا نام نظر سے نہیں گزرا واللہ اعلم بالصواب۔

کلام مختصر رسالہ کی صورت میں ۱۹۲۶ء میں عثمانی پریس بدایوں سے طبع ہوا۔ یہ رسالہ سات صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں چند نعتیں ہیں جن میں کہیں فقیر اور بیشتر میں خوشبو تخلص استعمال کیا ہے[2]
نمونہ کلام یہ[3]

۱۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۲ ص: ۱۰۹
۲۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۲ ص: ۱۱۰
۳۔ " " " " ص: ۱۱۱

خواب میں دیدار اپنا تم دکھا دو یا نبیؐ
ورنہ ہو گی ہجر میں یہ چشم جاری ان دنوں

بھول دنیا کا گیا شاہا میں سارا کاروبار
یاد مجھ کو رہتی ہے ہر دم تمہاری ان دنوں

اب تو خوشبو کو بلا لو پاس اپنے یا نبیؐ
ہو اجابت یہ دعا بھی اب ہماری ان دنوں

وقتِ مردن اے نبیؐ تشریف لانا تم ضرور
ڈر ہے ابلیس لعیں سے اس گھڑی ایمان کا

بندۂ اللہ ہے، اور امتِ احمدؐ فقیر
دونوں عالم میں عجب رتبہ ہے اس انسان کا

اے شفیع المذنبین روزِ جزا بہرِ خدا
تیرے خوشبو پر رہے سایہ ترے دامان کا

عشق ہم کو یا رسولِ حقؐ تمہارا ہو گیا
عرش سے رتبہ میں اعلیٰ دل ہمارا ہو گیا

کر دیا دو ٹکڑے انگشتِ مبارک سے قمر
ایک دم کے بعد پھر سارا کا سارا ہو گیا

آپ کی حب سے محبت میں ہوا ہوں میں شہید
بخششِ روزِ قیامت کا سہارا ہو گیا

کلمۂ طیب پڑھا جس دم سے ہیں نے اے فقیر
جنت الفردوس پر اپنا اجارا ہو گیا

عفو ہو جائیں گے عصیاں تیرے خوشبو یک قلم
عالمِ رؤیا میں گر شہ کا نظارا ہو گیا

دلِ بیمار شیدا ہے تمہارا یا رسول اللہ
خبر تم جلد لو اس کی خدارا یا رسول اللہ

اسے ہے حور و غلماں سے نہ جنت سے غرض شاہا
دلِ ناداں ہے دیوانہ تمہارا یا رسول اللہ

مطالب دین و دنیا کے مرے حاصل ہوں یا حضرتؐ
یہ میری عرض سن لیجے خدارا یا رسول اللہ

بوقتِ جاں کنی ہم کو شفیع امتِ عاصی
ذرا اپنا کرا دیجو نظارا یا رسول اللہ

تمہیں ہو شافعِ محشر تمہیں ہو ساقیِ کوثر
تمہارا رکھتا ہے خوشبو سہارا یا رسول اللہ

(۲۰) قدیر:

عبدالقدیر ولد شیخ عتیق اللہ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان منوّیان کے فرد تھے۔ پیشہ زمینداری تھا علوم مروجہ عربی و فارسی پر عبور حاصل تھا اور علوم اسلامیہ فقہ، حدیث وغیرہ میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ آلِ رسول قادری مارہروی (ف ۱۸۷۹ء) سے بیعت تھے۔ تنہائی پسند انسان تھے۔ بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے۔ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے[1]

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲/ ص: ۱۵۱

محی الدین ذاکر بدایونی سے قربت خاص اور نسبت قرابت رکھتے تھے۔ نبی خانہ بدایوں کی محافل میں اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ / ۹ اپریل ۱۹۰۹ء کو وصال فرمایا[1] آخری آرامگاہ نبی خانہ کے احاطہ میں بنی ان کے فرزند جامی بدایونی نے بھی بحیثیت نعت گو شاعر مقبولیت حاصل کی۔

عبدالقدیر کے انتقال کے بعد عرصہ دراز تک نبی خانہ میں ان کے یوم وصال پر یادگاری محفل میلاد منعقد ہوتی رہی[2]۔ نعت و منقبت کے شاعر تھے۔ نعت کے صرف دو شعر دستیاب ہوسکے[3]

بڑا ہی خوف ہے مجھ کو نہ تاریکی سے گھبراؤں　　قدوم شہ سے پہلے قبر میں تنویر یا اللہ

یہ کیا جنوں و تردد میں ہوئے تھے از و نیاز　　کبھی ہنسے کبھی روئے تمہارے دیوانے

(۲۱) کامل :

محمد سعید الدین ولد (مولوی) محمد اساس الدین۔ ساکن فرشوری ٹولہ بدایوں۔ خاندان شیوخ فرشوری کے ممتاز فرد تھے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۴۰ھ / ۹ مئی ۱۸۲۵ء کو دہلی میں پیدا ہوگئے[4] اپنے جد امجد حافظ ابوالمؤید خاں (ف ۱۸۳۹ء) سے فارسی اور مولوی کریم اللہ دہلوی سے عربی پڑھی۔ حکیم محمد صادق علی خاں دہلوی سے طب کی تکمیل کی۔

کامل فارسی و عربی کے اچھے عالم اور ان زبانوں کے اچھے ناظم و ناثر بھی تھے۔ شاعری سے طبعی مناسبت تھی۔ سابق میں سعید تخلص کرتے تھے بعد میں کامل تخلص اختیار کیا۔ شاعری میں نواب زین العابدین خاں عارف دہلوی (ف ۱۸۵۲ء) سے تلمذ تھا۔ طبیب حاذق تھے اور طب ہی ذریعہ معاش تھا۔ لہذا مختلف اضلاع میں مطب کیا۔ حکیم سعادت علی خاں (رئیس آنولہ) مدار المہام ریاست رامپور (ف ۱۸۶۶ء) کے معالجہ کے سلسلہ میں آنولہ (ضلع بریلی) میں کئی سال قیام رہا۔ نواب محمد علی خاں والی ٹونک کے شفاخانہ کے مہتمم بھی رہے[5]۔ آنولہ کے قیام کے دوران وہاں کے زمیندار اور طبیب حکیم سعید اللہ قادری (ف ۱۹۰۷ء) سے گہرے مراسم ہوگئے جو تا آخر عمر تک قائم رہے۔ زندگی کے آخری ایام بدایوں میں بسر کیے اور یہیں علاج و معالجہ کی صورت میں اہل وطن کی خدمت کرتے رہے۔

۱۔ تذکرہ مطیب ص: ۲۵　　۲۔ ایضاً

۳۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲/ ص: ۱۵۱　　۴۔ انساب شیوخ فرشوری ص: ۹۰۔ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۶۸ میں سال پیدائش ۱۲۴۱ھ درج ہے۔ جو درست معلوم نہیں ہوتا واللہ اعلم۔

۵۔ تذکرہ بہار بوستان شعرا ص: ۲۱۔

وہ عابد و زاہد تھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی (ف ۱۹۰۱ء) کے مرید تھے۔ خط نستعلیق میں خوشنویس تھے۔ ان کے لکھے ہوئے بعض رسائل ڈاکٹر محمد ایوب قادری (ف ۱۹۸۳ء) کی نظر سے گزرے تھے۔[۱]

۲۷ رجب ۱۳۱۶ھ / ۱۱ دسمبر ۱۸۹۸ء کو طویل علالت کے بعد وفات پائی۔ خاندانی قبرستان واقع حضرت شاہ ولایتؒ میں مدفون ہوئے۔ رضی الدین بسملؔ نے تاریخ کہی۔[۲]

روح مارا ز جسم خاکی من! — غزبید گفت آں فرشتہ خصال ۱۳۱۶ھ

اولادِ نرینہ میں تین فرزند یادگار چھوڑے جن میں رضی الدین بسملؔ (ف ۱۹۲۵ء) نے ایک مورخ کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ مرزا قادر بخش صابر نے اپنے تذکرے "گلستانِ سخن" (۱۲۷۱ھ) میں سعید کا ذکر کیا ہے۔

یہاں یہ واقعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جنرل بخت خاں (ف ۱۸۵۹ء) نے ۱۸۵۷ء میں علمائے دہلی سے جو فتویٰ مرتب کرایا تھا اس پر مولوی سعید الدین نامی ایک عالم کی مہر اور دستخط تھے۔ بعد غدر جب مرتبین فتویٰ کی تلاش و تحقیق ہوئی تو انگریز افسر نے انھیں بھی طلب کر لیا۔ یہ ان دنوں ریاست رامپور میں مقیم تھے۔ لہٰذا اس دار و گیر سے بچانے اور دہلی میں ان کی عدم موجودگی ثابت کرنے کے لیے شرفا و عمائدین دہلی سے ایک محضر نامہ مرتب کرایا گیا تب کہیں جا کر نجات ملی۔ اس محضر نامہ پر عزیز الدین عزیزؔ و صادق تلمیذ غالب (ف ۱۸۹۳ء) نے مرزا غالب کے ذریعے دستخط اور مہریں لگوائی تھیں۔ غالب کا جو خط عزیز الدین کے نام عودِ ہندی میں موجود ہے اس میں اسی محضر نامہ کا مذکور ہوا ہے۔[۳]

کاملؔ کی عربی و فارسی نظم و نثر کے نمونے دستیاب نہیں۔ اردو کلام مذکورہ تذکروں میں نظر آتا ہے۔ ایک نعتیہ قصیدہ عام طور پر مشہور ہے جو محسن کاکوروی (ف ۱۹۰۵ء) کے قصیدے "مدیح خیر المرسلین" (۱۸۷۶ء) کی بحر میں ہے۔ لیکن اس کی ردیف لفظ بادل ہے۔ اس قصیدے میں ماہِ رجب المرجب اور شب معراج کے فضائل حسن و خوبی کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں۔ اس قصیدے کے پس منظر میں صاحبِ "تذکرۃ الواصلین" نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سخت خشک سالی نے آگھیرا، ان ہی حالات میں ماہِ رجب آگیا۔ بہ عنایتِ الٰہی اس مہینہ میں بارش ہوئی اور حسبِ ضرورت ہوئی۔ فصل ربیع کو زندگی مل گئی اس وقت یہ قصیدہ بطور تشکر کہا گیا۔ یہ قصیدہ نامکمل صورت میں "تذکرۃ الواصلین" میں نقل ہوا ہے۔ مطلع اول اور مطلع چہارم کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔[۴]

۱۔ غالب اور عصر غالب ص: ۱۸۳

۲۔ انساب شیوخ فرشوری ص: ۹۲-۹۱۔ غالب اور عصر غالب (ص ۱۸۳) میں تاریخ وفات ۲۷ جون ۱۹۱۶ء درج ہے جو غالباً سہو کتابت ہے۔

۳۔ اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد شعراء ص ۱۴۸ تا ۱۵۰؛ کنز التاریخ ص ۳۵۲-۳۵۱۔

۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیں غالب اور عصر غالب ص ۱۵۶

۵۔ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۷۲ تا ۲۷۵۔

آج پھر طبع رسا کا مری امڈا بادل — دیکھیں برساتا ہے کیسے دُرِ یکتا بادل
خاک برسے گا بھلا نام کو نم اس میں نہیں — ابر مدرار تو تھا اب ہے وہ سوکھا بادل
سرد مہری تو یہ دیکھو جو کچھ آیا بھی کبھی — گر گیا کٹ کے سحر ہوتے ہی پالا بادل
مانگتا ہے یہ دعا خشک زباں سے سبزہ — بھیج یارب کسی جانب سے برستا بادل
مجھ سے کیا ضد ہے کہ اک قطرہ کو ترساتا ہے — بن گیا حق میں مرے کافر ترسا بادل

قطعہ

ان کی بے صبری کا باعث ہے توکل جو نہیں — اس لیے کہتی ہے مخلوق نہ برسا بادل
نظر ظاہر عالم میں ہیں یہ مینھ کے سبب — ورنہ کیا شے ہے ہوا اور ہے کیسا بادل
دل میں انصاف کرو اس کی شکایت کیا ہے — کہ ہے محکوم خداوند تعالیٰ بادل
وہی خالق ہے وہی مالک و حاکم سب کا — اس کی قدرت کا ہے ادنیٰ سا نمونا بادل
ایک دم میں یہ لگا دے ابھی ساون کی جھڑی — حکم کا اس کے جو پا جائے اشارا بادل
سب دعا مل کے کرو باب اجابت وا ہے — اپنی رحمت سے وہ بھیجے گا نہیں کیا بادل
لو مبارک ہو دعا خلق کی مقبول ہوئی — کہ گرجتا ہوا اک سمت سے اٹھا بادل
مینھ کے آثار نمایاں ہیں ہوا بدلی ہے — وہ چلا آتا ہے دیکھو تو برستا بادل

مطلعِ چہارم

نور اس ذات مقدس کا ہے پہلا بادل — بن گئے ارض و سما جبکہ وہ پھیلا بادل
ساری مخلوق ہے اس ابر کرم سے سیراب — دونوں عالم ہوئے پیدا جو وہ برسا بادل
پہلے ظاہر ہوا اس مہر جہاں تاب کا نور — جب ہٹا پردۂ ظلمات عدم کا بادل
ذاتِ احمد میں ہے یوں نور احد کا پنہاں — جس طرح برق درخشاں کا ہے پردا بادل
وہ ترے روضۂ اقدس کی ہے رفعت جسکو — کر لیا کرتا ہے بس دور سے سجدہ بادل
شب اسریٰ جو اڑا تھا ترے توسن کا غبار — بن گیا چرخ پہ وہ کاہکشاں کا بادل
آستاں پر ترے اس کے جو رسائی نہ ہوئی — کیوں نہ اس غم سے کرے شیون و نالا بادل
آپ کا بحر عطا آئے جو طغیانی پر — ابھی بہتا پھرے مثل کف دریا بادل

---

(۲۲) کشش :

(حکیم) التفات حسین ولد مصلح الدین، ساکن فرشوری ٹولہ، فرشوری خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۱۲۹۱ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے[1] اردو فارسی عربی وغیرہ کی تحصیل بڑے بھائی کے زیر نگرانی گھر پر ہوئی۔ حکیم ممتاز الدین ممتاز بدایونی (ف ۱۸۹۰ء) سے طب کی تکمیل کی۔ شہر کے حاذق طبیبوں میں شمار تھا۔

ابتداء میں بہاریہ شاعری کرتے تھے اور سعید الدین کامل بدایونی سے اصلاح سخن لیا کرتے تھے[2] جیسا کہ خود کہتے ہیں:

اے کشش کیوں نہ ہو وہ بت تسخیر ۔۔۔ کہ عقیدت ہے مجھ کو کامل سے

مگر جب طبیعت پر زہد و عبادت کا غلبہ ہوا تو بہاریہ شاعری ترک کر دی اور نعت و مناقب گوئی کو زندگی کا حاصل قرار دیا اور مذاق بدایونی سے مشورہ سخن کرنے لگے۔[3]

[illegible] اور ریاضی میں کمال حاصل تھا۔ فارسی میں بہت کچھ کہا مگر صرف اردو کلام ہی محفوظ رہ سکا۔ ہندی میں بھی انہوں نے طبع آزمائی کی۔ دیوان اول باسم تاریخی ریاض رسول (۱۳۰۷ھ) ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا۔ دیوان دوم "عرض مقبول" غیر مطبوعہ رہا۔ دیوان سوم "مدیح مرتضوی" بعد از وفات طبع ہوا۔ مناقب کا مجموعہ "قصائد عقیدت" (علی گڑھ ۱۹۶۶ء) بھی شائع ہوا۔

۹ شوال ۱۳۴۳ھ / ۳ / مئی ۱۹۲۵ء کو وفات پائی۔ درگاہ قادریہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔[4]

نمونہ کلام:

لکھوں کیا قربت اس شاہ کے دربار اقدس کی ۔۔۔ فراز چرخ پر خم طاق ہے اس شہ کے ایواں کا

بشر سے کب جمال و حسن کی اس کے ثنا ممکن ۔۔۔ یہ تمغہ مختصر بس ہے کہ ہے محبوب یزداں کا

رہے گا سر پہ ہر مخلص کے ان کا سایۂ دامن ۔۔۔ نہیں خطرہ محب کو حشر کے خورشید سوزاں کا

صراط و حشر و نزع و قبر و میزاں پر بھروسہ ہے ۔۔۔ انھیں کے لطف و رحمت بخشش و اکرام احساں کا

ولا سے ان کی محشر میں جو ہو گی دسترس مجھ کو ۔۔۔ تو میرا ہاتھ ہو گا اور گوشہ ان کے داماں کا

توقع ہے شفیع المذنبیں کی مجھ کو رحمت پر ۔۔۔ نہ خطرہ ہے جہنم کا نہ اندیشہ ہے عصیاں کا

ہوس میری تعلی پر کرم ان کا ترقی پر! ۔۔۔ یہاں عادت گدائی کی وہاں دستور احساں کا

۱۔ قصائد عقیدت میں پیش کردہ دیباچے و آراء کے حوالے سے۔ ۲۔ بہار بوستان شعراء ص: ۲۸

۳۔ بہار بوستان شعراء ص: ۳۸ ۴۔ تذکرہ شعراء بدایوں ج ۲ / ص ۱۷۱

رکب دوش نبی ہو کے تو کی بت شکنی — بخدا اور ہوا حسن دوبالا تیرا

عاشق ہوں نبی کا رخ مولا پہ فدا ہوں — دیکھو تو مرا حوصلہ میں چاہتا کیا ہوں

شوق پابوسی تمنائے کرم حسرت دید — ترے ملنے کے لئے دل میں ہیں ارماں کیا کیا

سب کو معلوم ہے ہم تیرے ہی کہلاتے ہیں — آرزو اتنی ہے اب تو بھی ہمارا ہو جائے

دل میں ہے شوق ساقی کوثر کی دید کا — ہر دم شراب عشق سے لبریز جام ہے

تمنا ہے بگولہ بن کے مشت خاک کا میرے — میسر طوف ہو یکدم ترے گھر کے حوالی کا

ایک ہنگامہ ہے محشر میں ترے مستوں کا — حشر میں اور نیا حشر نہ برپا ہو جائے

(۲۳) کشفی :

(حضرت شاہ) محمد سعادت اللہ ولد شیخ برکت اللہ ساکن محلہ سوتھا بدایوں۔ شیوخ صدیقی کی شاخ خاندان متولیان کے معززین اور رئیسوں میں شمار تھا۔ ۱۲۰۳ھ / ۸۹-۱۷۸۸ء کو محلہ سوتھا[۱] میں ولادت ہوئی علوم درسیہ کی تحصیل مولانا ابوالمعانی عثمانیؒ، مولوی ولی اللہ اور مولانا شاہ عبدالمجید تادریؒ سے فرمائی۔ معقول کی تکمیل مولانا مجدالدین احمد عرف مولوی مدن شاہجہانپوری سے کی[۲] یہ وہی مولوی مدن ہیں جن کا ذکر اس ضرب المثل شعر میں کیا گیا ہے[۳]

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سن کی سی — مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

علم حدیث و تفسیر کی تحصیل مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ رفیع الدین سے فرمائی[۴]

حضرت آل احمد عرف اچھے میاں مارہروی (ق ۱۸۱۹ء) کے سلسلہ قادریہ میں مرید و خلیفہ ہوئے[۵]

۱۔ تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو) ص: ۲۱۹
۲۔ حیات حافظ رحمت خاں ص: ۲۳۹
۳۔ تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو) ص ۲۱۹
۴۔ " " " " ۲۱۹
۵۔ اکمل التاریخ ج/۱ ص: ۱۱۳

تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک عرصہ تک بدایوں میں رہے۔ ۱۲۴۰ھ/۲۳-۱۸۲۴ء میں خاندانی تنازعات کے باعث لکھنؤ چلے گئے اور وہاں شعر و سخن میں مرزا قتیل (ف ۱۸۱۶ء) کے شاگرد ہوئے[1] لکھنؤ کے علمائے شیعہ ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو وہ لکھنؤ سے کانپور منتقل ہو گئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ ۱۲۶۷ھ/ ۵۱-۱۸۵۰ء میں کانپور میں انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ جس کا سال تعمیر قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے برآمد کیا "واللہ ھو الغنی الحمید" ایک مدرسہ کی بھی بنا ڈالی اور وہاں علوم ظاہری و فیوض باطنی کے دریا بہائے۔ بڑے بڑے علماء نے ان سے استفاضہ و استفادہ کیا۔

۳ رجب ۱۲۸۱ھ/ ۲ دسمبر ۱۸۶۴ء کو کانپور ہی میں وصال فرمایا[2] اپنی تعمیر کردہ مسجد کے احاطے میں مدفون ہوئے جو پرانا ناچ گھر کے قریب واقع ہے۔ مولوی احمد کبیر حیرت الٰہ آبادی نے تاریخ کہی۔

آں مہر سخن سلامت اللہ — کشفی است تخلصش بجو شاعر

جستم ز خدا بجو سال رحمت — فوراً من یافتم ز غافر! (۱۲۸۱ھ)

کتب کثیرہ کے مصنف و مؤلف تھے۔ فارسی و اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن فرماتے تھے۔ فارسی دیوان 'دیوان کشفی' یادگار ہے۔ اردو میں ایک منظوم میلاد شریف موسوم بہ 'خدا کی رحمت' مشہور ہے مگر نایاب ہے[3]۔ کلام دستیاب نہیں ہوا۔ صرف ایک شعر نظر سے گزرا جو درج ذیل ہے[4] تذکرہ 'شمع انجمن' اور 'تاریخ قنوج' (از قلم نواب صدیق حسن خاں) میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔

غاب لب لعل محمد سے ہے سرشار — کشفی کو حلال ایسی شراب پینے

(۲۴) کیفؔ :

(مولانا) ابرار الحق ولد مولوی انوار الحق، ساکن مولوی ٹولہ، عثمانی خاندان میں ۱۲۷۷ھ/ ۶۱-۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالقادرؒ سے درسیات کی تکمیل کی اور حکیم سراج الحق عثمانی (ف د۔ ۱۹۰ء) سے طب کی تکمیل کی۔ شاعری میں مرزا داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ ضیاء القادری نے لکھا ہے[5]

"چار دیوان[6] عاشقانہ نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر کیے لیکن شائع نہ ہو سکے آخر میں نعت و مناقب کی طرف متوجہ ہوئے۔ حدود شرع کے اندر نعت شریف میں وہ

---

[1] اکمل التاریخ ج/۱ ص: ۱۱۳ — [2] تذکرۃ الواصلین ص: ۲۶۲
[3] قاموس المشاہیر ج/۲ ص: ۱۵۳ — [4] تجلیات سخن ص: ۳۶
[5] اکمل التاریخ ج/۱ ص: ۹۲ — [6] عبدالواحد عثمانی (مدیر المنظور) نے لکھا ہے کہ کیف نے غزل کا ایک دیوان اور نعت و منقبت میں تین دیوان مرتب کیے تھے۔ داغ کا اصلاح شدہ دیوان بھی ان کی نظر سے گذرا تھا جس کا انہوں نے المنظور میں تعارف کرانے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ (المنظور۔ بدایوں جولائی ۱۹۲۷ء)

گلکاریاں اور گلفشانیاں کیں کہ عروسِ سخن کو "صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ"[۱] کا رنگین جوڑا پہنایا۔ کلام میں جدت طرازی، رنگینی، شوخی، مضمون آفرینی کے ساتھ زبان کی صفائی نوک جھونک کی مصداق تھی ...... آپ نے تذکیر و تانیث میں ایک مبسوط رسالہ جس میں تمام اساتذہ کے کلام سے سند لی گئی ہے تالیف کیا۔[۲] ایک رسالہ محاورات میں اس طرح مرتب کیا۔ فن طب میں چند مفید رسائل تحریر کیے، جو افسوس شائع نہ ہو سکے۔"

قمر الحسن قمر نے اپنے مقدمہ میں (مشمولہ تجلیات سخن ص: ۲۷) میں ان کا نام "اسرار الحق" درج کیا ہے جو غلط ہے۔ ۶؍ شعبان ۱۳۳۱ھ / ۱۱؍ جولائی ۱۹۱۳ء کو انتقال کیا۔[۳] پس ماندگان میں تین بیٹوں عبدالصمد، سرور مظاہر الحق، عبدالحق کے نام معلوم ہو سکے۔ شہید حسین نے نعت کے تین شعر نقل کیے ہیں:[۴]

مل گیا خوبیِ قسمت سے ترا در مجھ کو — پھیر خالی نہ خدارا مرے سرور مجھ کو
اب کہاں جاؤں بھٹکنے کو، ملا شکر خدا — مرنے جینے کا ٹھکانا ترے در پر مجھ کو
ایک مستانہ غزل اور بھی پڑھیے اے کیف — کھینچے قافلہ یاد آتا ہے کوثر مجھ کو۔

در نبی پر پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا[۵] — کبھی تو قسمت پھرے گی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا
شفیع محشر لقب ہے ان کا انھیں شفاعت سے کام ہوگا — ہے سب کا دارومدار ان پر وہی مدار المہام ہوگا
دیار رحمت پہ ہوگا قبضہ انھیں کا ہر سو بجے گا ڈنکا — جو حشر ہوگا تو دیکھ لینا انھیں کا سب انتظام ہوگا
کہے ہی جاؤں گا عرض مطلب ملے گا جب تک نہ دل کا مطلب — نہ شام مطلب کی صبح ہوگی نہ یہ فسانہ تمام ہوگا
کرو شفاعت کا آج دن ہے کہ عدل پر ہے جناب باری — تمام امت چھٹے گی غم سے تو سارے نبیوں میں نام ہوگا
اسی توجہ پہ جی رہا ہوں یہی تمنا جلا رہی ہے — نگاہِ لطف و کرم نہ ہوگی تو مجھ کو جینا حرام ہوگا
ہوئی جو کوثر پہ باریابی تو کیف مستی کی دھوم یہ ہوگی — بغل میں مینا، نظر میں ساقی، خوشی سے ہاتھوں میں جام ہوگا

(۲۵) مذاق:

محمد دلدار علی عرفیت 'مذاق میاں' ولد حافظ نثار علی، ساکن محلہ قاضی ٹولہ بدایوں۔ خاندان عثمانیہ کے عالی مرتبت بزرگ اور شاعر تھے۔ ۱۲؍ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ / ۲۹؍ دسمبر ۱۸۱۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔[۶] عربی و فارسی کی تعلیم بدایوں ہی میں اپنے نانا مولوی سید عبدالعلی نقوی (ف ۱۸۴۳ء) سے حاصل کی۔ رامپور جا کر ملا محمد غفران آخون (ف ۱۸۴۳ء) فقیہہ و محدث رامپور سے تمام علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ لکھنؤ

---

[۱] آیت البقرۃ: ۱۳۷۔ ترجمہ: ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔
[۲] اس رسالہ کی ایک قسط بعنوان "اسناد الفاظ و محاورات" رسالہ المنظور (جولائی ۱۹۲۷ء) میں راقم کی نظر سے گزری ہے۔ باقی قسطیں بھی آئندہ اشاعتوں میں شامل ہوئی ہوں گی۔
[۳] تجلیات سخن ص: ۲۷
[۴] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ ص: ۱۷۹ [۵] بیاض مولوی نثار احمد نعت خواں۔ [۶] آئینہ دلدار ص: ۲۲۔ انتخاب زریں ص ۱۳۶

دہلی بھی گئے اور وہاں کے بعض علماء سے بھی علمی استفادہ کیا۔[1]

مذاق میاں ایک صوفی منش انسان تھے اور ذکر و شغل میں مشائخانہ و صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنا سلسلۂ ارادت قادریہ حضرت شاہ فضل غوث ساقی بریلوی (ف ۱۸۹۰ء) اور سلسلہ ارادت چشتیہ و نظامیہ شاہ جی عبدالرحیم شاہجہانپوری (ف ۱۸۹۰ء) سے جاری فرمایا۔[2]

بدایوں میں انہوں نے سلسلہ مذاقیہ کی بنا ڈالی۔ اور سینکڑوں بندگان خدا کو راہ ہدایت دکھائی۔ ان کے مریدین و خلفاء شہر اور بیرونجات میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔

شاعری سے طبعی مناسبت تھی۔ گیارہ بارہ برس کے سن سے شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں غبار اور دلدار تخلص اختیار کیا اور اشرف علی نفیس بدایونی (ف ۱۸۵۸ء) سے اصلاح لی۔[3] بعد ازاں ۱۲۵۲ھ / ۳۷-۱۸۳۶ء میں دہلی جا کر خاقانی ہند ذوق دہلوی (ف ۱۸۵۴ء) کے شاگرد ہوئے اور مذاق تخلص اختیار کیا۔ زانوئے شاگردی تہہ کرتے وقت فی البدیہہ یہ قطعہ کہہ کر استاد کو سنایا۔[4]

کیا کہوں عرض اشتیاق اپنا — شعر کہنا غرض تھا شاق اپنا
ذوق تھا یہ ترے تلمذ کا — کہ تخلص کیا مذاق اپنا

صاحب تذکرہ بہار بوستان شعراء نے لکھا ہے[5]

"شیخ یہ (قطعہ) سن کر بہت خوش ہوئے اور اچھل پڑے بلکہ فخر تلامذہ سمجھ کر جھٹ اپنے متلمذین میں شامل کر لیا' اور ایسی شفقت کرنے لگے کہ کسی وقت علیحدگی گوارا نہ کرتے اور اکثر کلمات فخریہ آپ کی نسبت ارشاد فرماتے۔"

صاحب تذکرہ بہار بوستان شعراء اور مذاق کے سوانح نویس ذوق کے علاوہ کسی دیگر شخص سے ان کے تلمذ کی نفی کرتے ہیں[6] جو مبنی بر حقیقت معلوم نہیں ہوتا۔ سولہ سترہ سال کے سن میں ایسے اشعار کہہ لینے کی مشق بہم پہنچا لینا جن پر ذوق جیسے اساتذہ کان دھریں۔ بغیر کسی رہبر یا استاد کے ممکن نہیں۔

بعض تذکرہ نویسوں نے مذاق کو نواب ظہور اللہ خاں نوا تلمیذ بقاء اللہ بقا کا بھی شاگرد لکھا ہے[7] مذاق کی پیدائش (۱۸۱۹ء) سے نوا کی وفات (۱۸۳۰ء) میں گیارہ برس کا فصل ہے۔ گیارہ سال کی عمر

۱۔ آئینہ دلدار ص: ۲۶-۲۵ ۲۔ آئینہ دلدار ص: ۲۹-۲۷
۳۔ تاریخ بنو حمید (قلمی) ص: ۵۰ مردان خدا ص ۱۲۱، ۴۔ آئینہ دلدار ص: ۲۶ - ۱۲۳
۵۔ تذکرہ بہار بوستان شعراء ص: ۷ ۶۔ بہار بوستان شعراء ص: ۷، آئینہ دلدار ص: ۱۲۲
۷۔ گلستان بے خزاں معروف بہ نغمہ عندلیب ص: ۱۶۷

میں شاعری کا آغاز کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اپنے وقت کے مشہور مقبول شاعر کا نو عمر نوخیز لڑکے کو شاگرد بنا لینا سمجھ میں نہیں آتا۔ نوا اور مذاق ایک ہی خاندان، خاندان بنو حمید کے فرزند تھے۔ مذہباً نوا شیعت کے اور مذاق اہل سنت والجماعت کے عقائد کے ماننے والے تھے۔ البتہ ایک ہی خاندان سے نسبت رکھنے کے سبب کچھ قرابت بھی پائی جاتی تھی اور مذاق کو نوا سے ایک خاندانی بزرگ اور عزیز کے طور پر شفقت و محبت میسر تھی۔ لیکن تلمذ والی بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ صاحب تذکرہ بہار بوستان شعرا نے بھی اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے[۱]

"صاحب تذکرہ 'نغمہ عندلیب' نے اور ان کے اعتبار پر لالہ گوکل پرشاد نے اپنے ارمغان غیبی میں حضرت مذاق مدظلہم کو میاں نوا کا شاگرد لکھا ہے یہ محض غلط ہے۔ البتہ حضرت صاحب موصوف نے میاں نوا کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت پائی تھی بلکہ قرابت قریب رکھتے تھے لیکن ان سے تلمذ کسی وقت میں نہ تھا ان کی تو گیارہ برس کی عمر تھی کہ سن بارہ سو چھپالیس میں نوا نے انتقال کیا۔

بدایوں کے کسی تذکرہ نگار نے نوا سے تلمذ کی شہادت نہیں دی۔ خاندانی شجرے بھی اس طرف اشارہ نہیں کرتے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ چونکہ اشرف علی نقیبی کو نوا سے تلمذ تھا ابتداً نوا کے سلسلہ کا شاعر خیال کرتے ہوئے سہواً یا ارادتاً انہیں نوا کا شاگرد لکھ دیا گیا۔

مذاق میاں اپنے استاد ذوق سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ اکثر اشعار میں ذوق کی شاگردی پر فخر کیا ہے۔

پیر ساقی ہے تو استاد مرا ذوق مذاق ــــــ میکدے کا ہوں نہ غیر ان کے گزر جام شراب

شاد تو ریختہ گویان جہاں کا ہے مذاق ــــــ ذوق استاد ترا ہند کا ہے خاقانی

سب توجہ سے ذوق کے ہے مذاق ــــــ یہ مزا جو ترے سخن میں ہے

مولوی رضی الدین فرشوری لکھتے ہیں[۲]

آپ جو کچھ نظم فرماتے تو صرف تصوف کے اشعار کہتے۔ سابق کا کلام آپ کا عاشقانہ بہت کثرت سے مشہور و معروف ہے۔

سر اس مسعود لکھتے ہیں[۳]

انتقال سے تیس سال قبل عاشقانہ شعر کہنا چھوڑ دیا تھا صرف نعت و منقبت لکھا کرتے تھے

۱۔ بہار بوستان شعراء ص: ۵ ــــ ۲۔ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۶۳

۳۔ نقش بے نظیر ص: ۱۳۰

مذاق میاں طبعاً و عملاً صوفی تھے۔ بعض قدیم صوفیا کی طرح ان کی درویشی و بزرگی نے شاعری کے ساتھ خلط ہو کر ان کے مرتبہ کو بلند کیا۔ ان کے ذریعے ایک ایسے سلسلہ کی بنا پڑی جو ایک طرف رشد و ہدایت کا پرچم بلند کیے ہوئے تھا دوسری طرف بدایوں میں شعری ماحول کو پروان چڑھا رہا تھا۔ دبستان دہلی کے جو اثرات بدایوں کے ماحول شعر و سخن پر پڑ چکے تھے ان کے فروغ میں حصہ لے رہا تھا۔ مذاق میاں اس سلسلہ کے بانی اور علامت تھے۔

خلفاء و مریدین سے قطع نظر جن لوگوں نے شعر و سخن میں ان سے اصلاح و مشورہ لیا ان میں بعض قابل ذکر نام ہیں مثلاً صاحب تذکرہ 'شمیم سخن' مولوی عبدالحیٔ صفاؔ، مولوی رضی الدین بسملؔ، علی احمد خاں اسیرؔ، علی احمد محمود اللہ شاہ مذنبؔ، احمد حسین امجدؔ بدایونی وغیرہ۔

مذاق میاں کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی۔ دو تذکرے 'مذاق سخن' از عبدالحیٔ صفاؔ (افضل المطابع بدایوں ۱۸۸۱ء) اور تذکرہ بہارِ بوستان شعرا از حافظ فضل اکرم (صبح صادق بدایوں ۱۸۸۲ء) شائع ہو چکے ہیں[1] یہ دونوں تذکرے پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی اطلاع کے مطابق یہ تذکرے مولانا محمد حسین آزاد کے ملاحظہ سے گزر چکے ہیں[2]

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ/ ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو وصال فرمایا[3] درگاہ مذاقیہ واقع آنولہ بریلی روڈ میں آسودۂ خواب ہیں۔ سنہ وفات 'مذاق عاشق' سے برآمد ہوتی ہے۔ صاحب تذکرۃ الواصلین (ص: ۲۶۳) تذکرۃ الصلحا (ص ۲۸) انتخاب زریں (ص: ۱۳۶) تذکرہ شعرائے بدایوں (ج ۲/ص: ۲۲۲) نے ۱۱ ربیع الثانی تاریخ درج کی ہے۔ جو خاندانی شہادت کے سبب درست نہیں گیارہ کو ان کی تدفین عمل میں آئی تھی۔

چند علمی و ادبی رسالے اور گلدستے یادگار ہیں۔ صاحب 'آئینہ دلدار' نے ان کا تعارف کرادیا ہے ان کے علاوہ کلام کا ایک ضخیم مجموعہ 'کلام دلدار علی مذاق' کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ طبع اول ۱۸۶۳ء میں، دوم ۱۸۷۱ء میں مطبع نور نظر بلند شہر سے، طبع سوم ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں وکٹوریہ پریس بدایوں سے طبع ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں ایک ایڈیشن عزیزیہ آرٹ پریس ڈھاکہ سے چھپا جسے ناشر شوکت علی مذاقی نے طبع ثانی لکھا ہے۔ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق اسے طبع چہارم لکھنا درست ہوگا۔ یہ ایڈیشن کلیات کی حیثیت رکھتا ہے اس میں متداول دیوان کے علاوہ بھی دستیاب کلام شامل کر دیا ہے۔ طبع سوم اور طبع چہارم راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۱۔ دید و دریافت ص: ۱۲

۲۔ مقدمہ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ص: ۱۸

۳۔ آئینہ دلدار ص: ۵۸

صاحبِ حیاتِ ذوق نے ان کی شاعری کی بابت لکھا ہے[1]

"ان کا پایہ کلام میں اپنے مشہور استاد کے ہم پلہ ہے۔ اور فصاحت و خوبی میں بے نظیر ہے مگر چونکہ مولوی مذاق صاحب کا رجحان تصوف اور درویشی کی طرف ہو گیا۔ اس واسطے انہوں نے مروجہ مضامین میں غزل سرائی ترک کر دی اور اپنے کلام کو صرف نعت گوئی تک ہی محدود کر لیا۔ ان کی شاعری کا مرتبہ نعت گوئی میں بھی بہت ہی اعلیٰ رہا جیسا کہ وہ فی الحقیقت تھا اور نعتیہ کلام تمام ہند میں مشہور ہے۔"

نمونہ کلام:

کیا کروں آہ یا رسول اللہ — غم ہے جانکاہ یا رسول اللہ
قصۂ غم ہے طول کیا کہیے — قصہ کوتاہ یا رسول اللہ
راہ تکتا ہوں تیری۔ نکلے گی — کچھ نہ کچھ راہ یا رسول اللہ
جھانکتے پھرتے ہیں کنویں یوسف — ہے تری چاہ یا رسول اللہ
آہ و نالہ بھی کر نہیں سکتے — کیا کریں آہ یا رسول اللہ
کام دل چاہتے ہیں خاطر خواہ — حسب دل خواہ یا رسول اللہ
مہرِ گردوں کے تیرے ذرے ہیں — مہر اور ماہ یا رسول اللہ
اللہ اللہ تم سے ہے واللہ — تم باللہ یا رسول اللہ
پڑھ رہا ہے مذاق صلی اللہ — رحمت اللہ یا رسول اللہ

مجھے نعتِ احمد میں حیرت ہے ہر دم — میں حیراں ہوں کیا جانوں کیا ہے محمدؐ
نہیں کوئی موجود ہر دوسرا میں — خدا ایک ہے دوسرا ہے محمدؐ
یہ آنکھیں تو بن دیکھے کب مانتی ہیں — مرا دل تجھے جانتا ہے محمدؐ
جسے کہتے ہیں سب کلام الٰہی — وہ تیری زبانی سنا ہے محمدؐ
تجھی سے ہے پیدا و ناپیدا ہر شے — تو ہی ابتدا انتہا ہے محمدؐ
تو ختم الرسل، خاتم الانبیا ہے — ترے نام پر خاتمہ ہے محمدؐ
حیات و ممات اور قبر و قیامت — ترے ساتھ ہو یہ دعا ہے محمدؐ
تو ہی گور کی رات کا ہے اجالا — تو ہی نور روز جزا ہے محمدؐ

---

[1] بحوالہ ذوق، سوانح اور انتقاد، ص ۳۱۲

ترا وصل جنت، ترا ہجر دوزخ — تری دید دیدِ خدا ہے محمد

ہر بلا سے جی کو ہے امن و اماں — آمنہ جائے کی یہ تاثیر ہے
صورت اس کی بولتا قرآن ہے — سیرت اس قرآن کی تفسیر ہے
گیسوئے سرور کا سودا سر میں ہو — سرنوشت اپنی یہی تحریر ہے

ہے دیدہ و دل میں مرے سودائے مدینہ — بستی کبھی دیکھوں کبھی صحرائے مدینہ
سینہ مرا میخانۂ حُبّ مدنی ہے — جام آنکھیں ہیں دل ہے مرا مینائے مدینہ
بندہ پہ در عین عنایت یہ کھلا ہے — جب بند کروں آنکھ نظر آئے مدینہ
عاشق کہیں معشوق کا گھر دیکھ نہ پائے — ویس قرنی آئے تو چھپ جائے مدینہ
جیتے پھرے اس جا سے نہیں مر نہ گئے کیوں — کس زیست پہ نازاں ترا، چھوڑ آئے مدینہ
سب کچھ ہے عنایات میں تیرے مرے آقا — بندہ پہ عنایت رہے مولائے مدینہ
ہیں تازہ مضامین مذاق اپنی غزل میں — بہتر ہیں سبھی یوں تو غزل ہائے مدینہ

عشق احمد میں گریباں پھاڑتے — شرم عصیاں ہم کو دامن گیر ہے

مرے عذر گنہ کو رحمت غفار آئے گی — زباں پر نام نامی جب دم امید و بیم آیا

ایک تضمین کے چار بند ملاحظہ کیجیے:

آئے محشر میں جو تو بہر شفاعت طلبی! — تک رہیں اہلِ قیامت زِ دِہ یوالعجبی
بول اٹھیں نام خدا سارے نبی سارے ولی — مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی!

بندگی میں تری حیراں بخدا ہوں بر نم — نہ خدا کہہ سکوں تجھ کو نہ بنگے آدم
عالم حسن سے حیرت میں ہوں جانِ عالم — من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بوالعجبی

سب تجھی سے ہیں و لیکن نہیں کوئی تجھ سا — جلوہ گر ذات تری ہے صفتِ ذاتِ خدا

باعثِ خلقتِ آدم ہے تو ہے اس کے سوا　　نسبت نیست بذات تو بنی آدم را!

برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

منتظر ہوں ترے دیدار کا ہر شام و سحر　　محوِ نظارہ ہیں دن رات دل و دیدۂ تر

کیجیے بحرِ خدا ایک نگہِ لطف اِدھر　　چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر!

اے قریشی لقبی ، ہاشمی و مطلبی

---

(۲۶) مست : ———

(شاہ) فضل رسولؒ ولد مولانا شاہ عبدالمجید قادری، ساکن مولوی ٹولہ بدایوں۔ عثمانی خاندان میں ماہ صفر ۱۲۱۳ھ / جولائی اگست ۱۷۹۸ء میں پیدا ہوئے[۱] علما میں مولانا سیف المسلول اہل معرفت میں شاہ معین الحق کے نام سے معروف تھے۔ اولاً مختصرات کو اپنے جدّامجد مولانا عبدالحمید عثمانی (ف ۱۸۱۹ء) سے تحصیل فرمایا۔ بعدازاں لکھنؤ پہنچے اور وہاں علم معقول و منقول کی تکمیل مولانا نورالحق فرنگی محلی (ف ۱۸۶۶ء) سے کی[۲] طب کی تحصیل حکیم ببر علی خاں موہانی سے کی اور حدیث و تفسیر میں عبداللہ سراج مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مدنی سے استفاضہ کیا۔ اپنے والد شاہ عبدالمجید قادریؒ (ف ۱۸۴۶ء) کے سلسلہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں مرید و خلیفہ بنے۔ ان کی وفات کے بعد صاحب سجادہ ہوئے[۳] شاہ صاحب ایک جید عالم تھے۔ ان کے علم و فضل کے ساتھ ساتھ ان کے فتوےٰ بھی قابل استناد سمجھے جاتے تھے اس سلسلے میں ہی صاحب اکمل التاریخ نے بہادر شاہ ظفر کا ایک استفتا نقل کیا ہے جو ۱۸۵۱ء میں دہلی سے شائع ہوا[۴]

شاہ صاحب نے ابتداء میں کچھ دنوں کلکٹری بدایوں میں سررشتہ داری کے فرائض انجام دیے، ۱۸۶۲ء میں نواب محی الدولہ محمد یار خان سورتی کی تحریک پر حیدرآباد گئے اور ستر روپیہ یومیہ وظیفہ کے مستحق قرار پائے[۵] مرزا غالب نے انھیں دنوں اپنے ایک خط بنام حکیم غلام نجف خاں (شیخوپور بدایوں) کو شاہ صاحب کے دریافت حال کے لیے لکھا تھا[۶]

"مولوی فضل رسول صاحب حیدرآباد کیے ہیں مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ محی الدولہ محمد یار خاں سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے مزید نہیں معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے اگر تم کو کچھ معلوم ہو تو ضرور لکھو۔

۱۔ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۵۰

۲۔ تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی اردو ترجمہ) ص ۳۸۲

۳۔ مولانا عبدالقدیر بدایونی ص: ۱۱-۱۲

۴۔ اکمل التاریخ ج ۲/ ص: ۱۵۲

۵۔ اکمل التاریخ ج ۲/ ص: ۵۲

۶۔ مخطوط غالب (مہر) ج ۲/ ص: ۸۰، بحوالہ غالب اور عصر غالب ص ۱۸۷

دراصل ردِّ وہابیہ میں غالب شاہ صاحب اور محمد یار خاں سورتی متحد الخیال تھے۔ اس سلسلہ کی شاہ صاحب کی متعدد کتابیں یادگار ہیں۔ ان میں "سیف الجبار" بہت معروف ہے۔

حیدرآباد سے واپس آکر اور خلائق دنیوی کو خیرآباد کہہ کر انہوں نے مستقل سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا۔ کئی بار اسلامی ممالک کی سیاحت کو بھی گئے۔ بلادِ اسلامیہ کے مشائخ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی (ف ۱۸۶۱ء) سے خاص مراسم اور فکری ہم آہنگی تھی[۱]۔ ۲ / جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ / ۷ / اگست ۱۸۷۲ء کو واصل بحق ہوئے۔ مزار درگاہ قادریہ میں مرجع خلائق ہے[۲]۔ چودھری سعید الدین سعید نے صنعتِ رعنا میں تاریخ لکھی جس کے منقوط و غیر منقوط حروف کے اعداد جمع کرنے سے علیحدہ علیحدہ سال ہجری برآمد ہوتا ہے۔ تاریخ[۳]:

صنعتِ رعنا میں لکھ ہجری کی تاریخیں سعید ۔۔۔ صدرِ اکرم، بدرِ غر، فضل رسول مسرت دل

شاہ صاحب کثیر التصانیف تھے۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں یہ تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ چند قابلِ ذکر تصانیف کے نام یہ ہیں:

بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، سیف الجبار، المعتقد المنتقد، شرح فصوص الحکم وغیرہ۔ ان کے تلامذہ میں یہ نام قابلِ ذکر ہیں۔

مفتی اسد اللہ الہ آبادی، مفتی عنایت رسول چریاکوٹی، مولوی کرامت علی جونپوری وغیرہ۔ شعر و سخن میں بھی ان کے تلامذہ کثیر تھے جن کا ذکر "اکمل التاریخ" ج ۲ میں آگیا ہے۔ ممتاز نام میاں عبداللہ شاہ بیتاب بدایونی (ف ۱۸۸۰ء) کا ہے۔ شاہ صاحب اپنے وقت کے اہم شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ احمد حسین سحر نے ان کی بابت لکھا ہے[۴]

عالم متبحر، طبیب حاذق و شاعر بے بدل است

نعت و منقبت کہنا شعار تھا۔ نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ "مولود منظوم" ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء مطبع سرکار حیدرآباد سے شائع ہوا[۵]۔ دوسری مرتبہ یہی مجموعہ باسم "مولود منظوم مع قصائد" ۱۳۳۳ھ / ۱۶-۱۹۱۵ء مطبع قادری بدایوں سے طبع ہوا۔ طبع دوم راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ کلام صوفیانہ، حکیمانہ اور مبلغانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ عام طور سے نعتیں مسلسل پائی جاتی ہیں۔ مزاج میں بلا کی شگفتگی ہے۔ زبان ثقیل، عربی و فارسی تراکیب و لفظیات کا استعمال بہ کثرت ہے۔

۱۔ عبدالقدیر بدایونی ص ۱۳
۲۔ مردانِ خدا (اول) ص ۲۰۵
۳۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ / ص ۳۲۸
۴۔ تذکرہ علمائے ہند ص: ۳۸۲
۵۔ تذکرہ بہار بے خزاں تحریر ج ۲ / شمارہ ۴، ۱۹۶۸ء

نمونہ کلام:

تنہا خوشی سے سرخ نہ روئے افق ہے آج / اوج فلک کے منہ پہ بھی پھولی شفق ہے آج
نورِ عرب محیطِ بسیط زمیں ہوا / ناریں کی نار شرم سے غرقِ عرق ہے آج
اڑتی ہیں منہ پہ اہل ہوا کے ہوائیاں / اور بے شمار کفر کے دل پر قلق ہے آج
کسریٰ کے قصر ہی نہیں کچھ قصر انشقاق / قصرِ دلِ عدوئے جہاں جملہ شق ہے آج
نخلِ عرب کو دیکھو کہ کیا سر بلند ہے / طوبیٰ کے ساق پر اسے قصب السبق ہے آج
رشکِ بیاضِ صبح ہوئی ہے سوادِ شام / میلاد برگزیدۂ رب الفلق ہے آج

مجنوں نہ فقط ایک اویس قرنی ہے / خوں عشقِ محمد میں عقیق یمنی ہے
رقصاں بر زمیں آج جو تورِ عدنی ہے / کیا یہ شبِ میلاد حبیبِ مدنی ہے
خارِ سرِ دیوارِ چمن کو بھی ہوا آج / کچھ حوصلہ دعوئ نازک بدنی ہے
داماںِ صبا نے بھی کری لخلخہ سائی / جو روئے زمیں نافۂ مشکِ ختنی ہے
ہے نقش جو نام اس کا مرے دل کے نگیں میں / کیا دغدغۂ وسوسۂ اہرمنی ہے

چاک کس دن شبِ ہجراں کا گریباں ہوگا / وصل کی صبح کا کب ہاتھ میں داماں ہوگا
کب بہار آئے گی ہم آغوش ہوں کب یار سے ہم / کب مہیا ہمیں عشرت کا یہ ساماں ہوگا
ساقی و مطرب و مے، ابر و بہار و سبزہ / لبِ جو سایۂ رز طرفِ گلستاں ہوگا
کب ملے گا مجھے وہ بادہ کہ جس میں مخلوط / چند قطرے عرقِ چہرۂ جاناں ہوگا
کب میسر ہو مجھے سیر مقاماتِ حجاز / کب یہ لب ناقۂ لیلیٰ کا حدی خواں ہوگا
شورِ مستانہ کرے کب یہ دلِ افسردہ / کب مرے ہاتھ میں وہ عنبر لرزاں ہوگا
کون سے سال میں کس ماہ میں کس دن کس شب / مسکن سمتِ مدینہ کا بیاباں ہوگا

خدا نے رحمۃ اللعالمین ہو جبکہ فرمایا / سمجھ لیویں اسی سے حال تابوئے محمد کا

تجلی ذاتِ حق کی خاص ہے ذاتِ محمد میں / عیاں ہے فعلِ حق حرکات و سکنات محمد میں

ہیں اس کے دیکھنے والے خدا کے دیکھنے والے　　نہیں کچھ فرق بعیت اور مناوات محمد میں
نہ چھوڑا مستِ مے میں باقی اثر کچھ خود پرستی کا　　نشہ یہ ہے مئے عشق موالاتِ محمد میں

یہ سامانِ طرب یارب مجھے کس ڈھب مہیا ہو　　جنوں شور و فغانِ عریاں تنی یثرب کا صحرا ہو
غبارِ دشتِ یثرب سے بدن مستور ہو اپنا　　یہی خاکستری جامہ[1] ہم آزادوں کا مانا ہو

زمیں کو آسماں پر دعویٔ بالا مکانی ہے　　کہ اس پر وہ مکانِ لامکانی کا مکیں آیا
وہ ختم المرسلین ہے بالیقیں اس کے یہ معنی ہیں　　کہ سب ملک رسالت اس کی ہے زیرِ نگیں آیا

پروانگیٔ جذب سے ہو جاتے ہیں بے پر　　پروانہ شمع رخِ زیبائے مدینہ
سودائے مدینہ کا اسے لطف ہو حاصل　　جو سمجھے کہ کیا شے ہے سودائے مدینہ

(۲۷) مضطر

غلام مشہود ولد نامعلوم۔ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان بخوش میں پیدا ہوئے۔ فن شعر میں مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی کے شاگرد تھے۔ انگریزی سرکار میں ملازم تھے۔ اعتماد پور (آگرہ) چھبرامئو (فرخ آباد) سعد آباد (متھرا) وغیرہ میں سب رجسٹرار رہے۔

مولوی حامد بخش حامد بدایونی کی بیٹی سے شادی کی ۱۹۰۸ء میں حج بیت اللہ کی سعادت مع اہل و عیال حاصل کی۔

دورانِ ملازمت اگست ۱۹۲۴ء میں بدایوں ہی بہ عارضہ کاربنکل انتقال کیا اور یہیں مدفون ہوئے اولاد میں ایک بیٹی کا علم ہو سکا جو شفیع احمد (حیدر آباد سندھ) کو منسوب تھیں۔ مضطر عشق رسول میں سرشار تھے ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں نظامی پریس بدایوں سے ان کا نعتیہ کلام کا مجموعہ 'ذوق نعت' کے نام سے اور دوسرا ۱۳۲۳ھ / ۱۹۱۵ء میں قادری پریس بدایوں سے 'جذباتِ مضطر' کے نام سے شائع ہوا[2]

---

[1]۔ بمعنی تشبیہہ

[2]۔ ماخوذ بدایوں کے چند ادبا و شعرا ص: ۷۹، ۸۱

نہ پوچھو کہ طیبہ سے کیا لے کے آئے   تڑپتا دل مبتلا لے کے آئے
جو ں ہی ہم سے چھوٹا مدینہ کا صحرا   تو روتا ہر اک آبلہ لے کے آئے
یہ شانِ کریمی ہے ان کی خطا وار   خطا لے گئے تھے عطا لے کے آئے

سچ نہیں یہ تری ہوش ربا اور ہی کچھ ہے   خالق کو لبھانے کی ادا اور ہی کچھ ہے
یوں کہنے کو یوسف بھی حسین گزرے ہیں لیکن   حسنِ شہِ والا کا بخدا اور ہی کچھ ہے
بے فائدہ مضطر کے معالج ہو مسیحا   عشقِ نبوی کی یہ دوا اور ہی کچھ ہے

فنائے عشقِ رسالت مآب کر کے مجھے   مٹا دے ہستی سے موجِ سراب کر کے مجھے
بلائے جاتے ہیں عشاق امتحاں کے لیے   حضور پیش کریں انتخاب کر کے مجھے
شہیدِ زلفِ محمد ہوں دق کرو نہ نکیر   عذابِ قبر سوال و جواب کر کے مجھے
کوئی بھی کام نہ آیا بجز تشفعِ رسول   رفیق چل دیے مٹی میں داب کر کے مجھے

سُن لیں جو بلا کر کبھی افسانہ ہمارا   آزاد ہو دل سے دلِ دیوانہ ہمارا
نذرانہ پسند آیا فقیرانہ ہمارا   کام آگیا آخر دلِ مستانہ ہمارا

بیخودی میں سب خودی اپنی مٹاتے جائیں گے   یوں چراغِ ہستیِ فانی بجھاتے جائیں گے
اب کے مضطر گر خدا دکھلائے طیبہ کی زمیں   دل لٹاتے جائیں گے آنکھیں بچھاتے جائیں گے

(۲۸) وجد:

محمد شجیع الدین، ولد مبارز الدین حیدر، ساکن محلہ سوتھا۔ متولی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ذاکر بدایونی کے حقیقی بھائی تھے۔

صرف نعت و منقبت ہی کہا کرتے تھے۔ نبی خانہ میں ان کے نام سے مستقل ایک نعتیہ محفل آراستہ کی جاتی تھی۔ صاحب "باقیات الصالحات" نے ان کی بابت لکھا ہے[1]

اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے ایک مسدس نعتیہ اور بہت سے مرثیے سید الشہدا آپ کی تصانیف سے ہیں۔

---

[1]۔ باقیات الصالحات ص: ۱۸

۲۰ ... ھ / ۱۵۱۰ء کو وصال فرمایا۔ تکیہ خانہ کے احاطہ میں جو تین قبریں ہیں ان میں سے ایک انھیں کی ہے۔ صاحب باقیات الصالحات نے قطعۂ وفات بھی درج کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

جب قضا فرزند حضرت بھائی صاحب مرے میں لکھوں تاریخ کہتا تھا دل ناکام سے
جب میں نے سنا کہتا ہے ہاتف اس طرح نیند ہے سوئے تکیہ خانہ میں اب آرام سے

فدا حسن قمر بدایونی نے تجلیات سخن (ص ۴۲) میں اور ان کے حوالے سے صاحب تذکرہ شعرائے بدایوں (ص ۳۲۳) نے ان کا سال وفات ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء تحریر کیا ہے۔ جو قطعہ مذکور کی موجودگی میں غلط ہے۔ پس ماندگان میں ان کے بیٹے حشمت بدایونی نے بحیثیت شاعر ناموری حاصل کی۔

نمونۂ کلام فراہم نہ ہو سکا۔

(۲۹) وحشت:

احمد حسن وحشت ولد مولوی غلام حسین ساکن محلہ سوتھا بدایوں خاندان متولیان کے فرد جلیل تھے۔ وحشت کے والد بقول صاحب اکمل التاریخ فارسی میں یکتائے زمانہ تھے اور ہمیشہ فارسی پڑھایا کیے (ص ۶۸) صاحب اکمل التاریخ نے ان کا نام احمد حسین لکھا ہے (ص: ۶۹) لیکن از روئے شجرہ خاندانی باقیات الصالحات (ص: ۱۱) ان کا صحیح نام احمد حسن تھا۔ صاحب تذکرہ شعرائے بدایوں نے ان کا ذکر دو جگہ کیا ہے (ج ۲/ اور ایک ہی نام اور تخلص کو دو جگہ علیحدہ علیحدہ شخصیت مان کر ان کے متعلق معلومات دی ہے جو غلط ہے (ص: ۳۲۳ - ۳۲۹)

ان کے سال پیدائش، تعلیم، ملازمت وغیرہ سے متعلق معلومات نہیں ملتی۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ ضلع ہردوئی میں تحصیلدار رہے[1]

شاعری میں میاں عبداللہ شاد بتیاب بدایونی (ف ۱۸۸۰ء) اور فیض احمد رسوا بدایونی (ف ۱۸۵۸ء) سے تلمذ تھا۔ صاحب اکمل التاریخ نے ان کی بابت لکھا ہے[2]

"مولوی احمد حسین (حسن) وحشت بدایوں کے مشاہیر شعراء میں تھے۔ نسباً شیوخ صدیقی رحمانی سے ہیں شرف تلمذ مولانا سے (رسوا) اور افتخار بیعت حضرت اقدس سرہٗ المجید سے تھا۔ پیر کے عاشق اور بانسبت بزرگ تھے۔ آپ کا کلام نعت و مناقب میں اکثر محافل میلاد شریف میں پڑھا جاتا ہے۔

۷ صفر ۱۳۰۷ھ / ۳ اکتوبر ۱۸۸۹ء کو وفات پائی[3] اور اپنے مرشد کے جوار (درگاہ قادریہ) میں مدفون

۱۔ روزنامچہ پیغمبر (بدایوں) ۱۹۰۱ء پر نام کے ساتھ درج ہے تحصیلدار سابق ضلع ہردوئی۔

۲۔ اکمل التاریخ ج ۱ ص ۶۹ ۳۔ ایضاً ص: ۶۹ ۴۔ تجلیات سخن ص: ۴۲

ہوئے ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں ان کے نعتیہ قصائد کا ایک مجموعہ "ثمر بہشت" کے نام سے مطبع صدیقی۔ بریلی۔ شائع ہوا تھا بس یہی ایک یادگار ہے۔ یہ مجموعہ راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ کمیاب ہے۔

شعرائے بدایوں کے دواوین میں ان کی بعض نعتوں کی تضمین نظر آتی ہے۔ جن کے ذریعہ ان کا کلام محفوظ ہو گیا۔

صاحب تذکرہ شعرائے بدایوں نے بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے[۱]

وحشت بھی جنگ آزادی کے مجاہدوں میں تھے آپ کو بغاوت کے جرم میں ۱۸۵۷ء میں دس سال کی سزا ہوئی تھی ۷ / صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔

راقم الحروف کے مطالعہ میں بدایوں کی تمام مطبوعہ تاریخیں رہی ہیں۔ دو ایک غیر مطبوعہ تاریخیں بھی میرے کتب خانہ میں محفوظ ہیں، جن میں آزادی کے دوران سزا پانے والوں کا با تفصیل وصراحت ذکر ہے احمد حسن وحشت کا کہیں بھی ان میں مذکور نہیں۔ غالباً کسی قسم کا مغالطہ ہوا۔ یہ مغالطہ ہی وہ تحقیقات کو جنم دینے کا بھی محرک بنا ان کے تلامذہ میں انصار حسین زلالیؔ، سلیم اللہ سلیمؔ، افتخار الدین شورؔ، ناصر حسین ناصرؔ کا نام ممتاز ہے۔ نمونہ کلام:

مری شانِ گنہ گاری تو دیکھو | کہوں گا اپنی غفاری تو دیکھو
چھپائے دامن رحمت میں عصیاں | یہ اس کی شان ستاری تو دیکھو
خدا بھی آمد آمد کا تھا مشتاق | شب اسرار کی طیاری تو دیکھو
ملائک کہہ رہے ہیں انبیا سے | چلو حضرت کی اسواری[۲] تو دیکھو
گئے دم بھر میں آئے لامکاں سے | کمال قدرت باری تو دیکھو
زباں پہ رب سلم امتی ہے | گنہگاروں کی غم خواری تو دیکھو
کہا ہے سَوْفَ یُعْطِیْکَ فَتَرْضٰی[۳] | حبیب اپنے کی دلداری تو دیکھو
خیال روئے حضرت خواب میں ہے | مرے طالع کی بیداری تو دیکھو
عنایت ہو دوا خاکِ قدم کی! | مسیحا میری بیماری تو دیکھو
میں کیوں کر سرخ رو محشر میں ہوں گا | مری زنگِ سیہ کاری تو دیکھو
شفاعت کو کھڑے ہیں شاہ کونین | مری شانِ خطاداری تو دیکھو

۱۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج/۲، ص: ۲۳۸ ۲۔ جمع سواری کی

۳۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (قرآن۔ الضحیٰ: ۵) ترجمہ عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے

دکھادو آفتابِ رُخ کا جلوہ　　مرے مرقد کی اندھیاری تو دیکھو
ملی جنّت مدینہ میں نہ پہنچا　　ذرا وحشت کی لاچاری تو دیکھو[۵۱]

نہ آفتاب بنا اور نہ ماہتاب بنا　　نبی کا چہرۂ پُرنور لاجواب بنا
بندھا کچھ ایسا تصور براق حضرت کا　　کہ حلقۂ چشم کا ہے حلقہ رکاب بنا
محیطِ عشق نبی کا جو آشنا میں ہوا　　ہر ایک آبلہ دل کا مرے حباب بنا
کشاں کشاں جو مجھے لے چلا سوئے طیبہ　　وہ عشق خضر رہ منزل صواب بنا
جو نعت لکھنے میں آیا ضیائے رُخ کا خیال　　ہر اک دائرۂ حرف آفتاب بنا
نگاہِ فیض سے ہر قطرہ بن گیا دریا　　ضیائے رخ سے ہر اک ذرہ آفتاب بنا
مری غزل پہ پڑی آپ کی جو چشم کرم　　ہر ایک شعر یہ ہے صاد انتخاب بنا
یہ خاکسار کی ہے عرض تم سے یا مولا　　غلام اپنا برائے ابو تراب بنا
مکان بنا چکا وحشت بہت بقول امیرؔ　　تو اپنی قبر بھی اے خانماں خراب بنا[۵۲]

ایک قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

بلبل طبع رسا ہو تو ذرا نغمہ سرا　　اپنے گلزار مضامیں کی مجھے سیر دکھا
کون گل پیرہن آتا ہے یہ چرچا کیا ہے　　آج اٹھکھیلیوں سے آتی ہے کچھ بادِ صبا
آج وہ روز مبارک ہے تو سن لے مجھ سے　　آج تشریف یہاں لاتے ہیں محبوبِ خدا
کون محبوبِ خدا باعثِ ایجادِ جہاں　　شان ہیں جن کی خدا نے کہا لولاک لما
نام ہے احمد و محمود محمّد ان کے　　سلّمو صلِ علیٰ صلِّ علیٰ صلّی علیٰ!
یعنی یہ آج ولادت کی انھیں کی ہے دھوم　　ہوں گے اس باغ جہاں میں وہی رونق افزا
دلِ نم دیدہ کو میرے ہوئی فرحت حاصل　　جب سنا ہاتفِ غیبی سے یہ میں نے مژدا
نذر کرنے کے لیے حالِ دلِ پُر حسرت　　دل میں اس طرح مرے جوشِ سخن کا آیا
سیر گلزار سخن طبع کو منظور ہوئی　　وہیں مطلع یہ بہاریہ زباں پر آیا

۵۱۔ آئینۂ مغفرت مع جام کوثر ص: ۲۵

۵۲۔ خمسات سلیم میں سلیم نے اس نعت کی تضمین کی ہے۔

فصل دوم

(عہدِ جاریہ)

(۳۰) ابر:

محمد سلطان حسن ولد محمد حسن، ساکن قاضی ٹولہ بدایوں۔ خاندان بنو حمید میں یکم جنوری ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے[1] عربی و فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم انٹرینس تک حاصل کی۔ این۔ ای۔ ریلوے (N. E. R.) بریلی میں گارڈ تھے۔ بریلی ہی میں قیام پذیر رہے۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ ۱۹۵۶ء میں انتقال کیا۔

خاندانی شاعر تھے۔ دادا عظمت علی ضیا انگریزی سرکار میں منصف کے عہدے پر فائز رہے۔ والد محمد حسن اثر (ف ۱۹۲۸ء) تلمیذ حسن بریلوی اور چچا محمد حسین سحر (تلمیذ راسخ دہلوی) خوش گو شاعر تھے۔

ابر کے دو بھائی محمد محسن، محسن (تلمیذ احسن مارہروی) اور سید حسن حیرت بدایونی (ف ۱۹۷۵ء) بھی شاعر تھے۔ جن میں موخر الذکر حیدر آباد منتقل ہو گئے اور خاصی شہرت حاصل کی۔ حیرت کی بیٹی جیلانی بانو اردو کی ممتاز ناول نگار ہیں۔

ابر کے صاحبزادے محمد غفران حسن موج نارتھ ریلوے میں گارڈ تھے۔ ان کی تعلیم و ملازمت کا زمانہ بریلی میں گزرا۔ موج نے فن رباعی پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ دوران ملازمت ہی فوت ہوئے۔

ابر نعت و منقبت کے فطری شاعر تھے۔ تلمذ کسی سے نہ تھا۔ کلام غیر مطبوعہ رہا۔ نمونہ کلام:[2]

دلِ مجبور شعلہ بار ہے ہجرِ پیغمبر میں
الٰہی آگ لگ جائے مرے عصیاں کے دفتر میں

یہ شاید باعثِ عفوِ گنہ ہو جائے محشر میں
لیے جاتا ہوں دو اشکِ ندامت دیدۂ تر میں

وہ عاصی نہر میں فردوس کی جا کر نکلتا ہے
یہاں جو ڈوبتا ہے شرمِ عصیاں کے سمندر میں

مدینہ میں اگر اے ابر میرا دم نکل جائے
قیامت تک رہوں گا سایۂ دامانِ سرور میں

---

[1] تحریر نوشت حالات، مشمولہ میگزین حافظ صدیق اسلامیہ کالج بدایوں ۵۵-۱۹۵۴ء

[2] ایضاً

(۳۱) ابر:

حمد بخش ولد شیخ نبی بخش۔ ساکن محلہ معصوم علی، تحصیل گنور ضلع بدایوں۔ نسباً انصاری۔ مئی ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے[1] مکتبی تعلیم کے بعد ۱۹۱۶ء میں مڈل پاس کیا۔ ۱۹۲۴ء میں اعلیٰ قابلیت اردو، ۱۹۲۷ء میں منشی (فارسی) ۱۹۲۸ء میں کامل فارسی کے امتحانات پاس کیے زندگی بھر معلمی کے پیشہ سے وابستہ رہے ۱۹۵۳ء میں مدرسہ عالیہ رامپور سے سبکدوش ہوئے۔

فن شعر میں سخاوت حسین سخا شاہجہانپوری سے ابتدائی اصلاح لی۔ ۱۹۲۲ء میں علی احسن احسن مارہروی (ف ۱۹۴۰ء) کے تلامذہ میں شامل ہو کر خوب ناموری حاصل کی اور اپنے تخلص کے ساتھ احسنی کا اضافہ کیا۔

ابر کا اپنے وقت کے استاد شعرا میں شمار تھا۔ ان کے تلامذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے بعض ان میں بڑے نامور شاعر ہیں۔ خاص بدایوں میں ان کے بیشمار شاگرد تھے۔ شاداب ذکی نے ان کے بدایونی تلامذہ کا تذکرہ 'کاروانِ ابر' (بریلی ۱۹۸۷ء) مرتب و شائع کر دیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم عصر اساتذہ سخن کے درمیان معرکہ آرائی کچھ ناگزیر سی تھی۔ ابر بھی اس سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ چنانچہ سیماب اکبرآبادی (ف ۱۹۵۱ء) سے خوب خوب چوٹیں ہوئیں مالک رام کی روایت کے مطابق نیاز فتحپوری (ف ۱۹۶۶ء) سے بھی ایک مناقشہ پیش آیا تھا۔[2]

راقم الحروف کے پاس ان کے چند غیر مطبوعہ خطوط محفوظ ہیں جو انہوں نے آنجہانی رادھا رمن جوش بدایونی (ف ۱۹۹۱ء) کو لکھے تھے۔ ان خطوط میں شعرا اور تلامذہ کے متعلق صرف جوڑ توڑ کی باتیں ہیں۔

ابر ایک عرصہ تک ماہنامہ رہنمائے تعلیم (دہلی) کے ادارہ تحریر میں شامل رہے۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں انہوں نے صغیر احسنی (ف ۱۹۹۵ء) کی شرکت و تعاون سے احسن مارہروی کی یاد میں رامپور سے ایک ماہنامہ 'احسن' جاری کیا جو مئی ۱۹۵۳ء تک جاری رہا۔ ذکی تاگانوی نے اس رسالہ کا انتخاب 'انتخاب احسن' (بریلی ۱۹۹۱ء) شائع کر دیا ہے۔

آخر عمر میں بہائی مذہب اختیار کر لیا تھا اس سبب اہل وطن نے ان کو گم کردہ راہ قرار دیا۔

---

[1] نذر ابر ص: ۲۳ - تذکرہ معاصرین ج ۲/ ص: ۲۱۶ - سنہ پیدائش میں اختلاف ہے لیکن محتاط اہل قلم نے ۱۸۹۸ء ہی تحریر کیا ہے جو درست معلوم ہوتا ہے۔ اپنے خود نوشت حالات مشمولہ اسلامیہ کالج میگزین بدایوں میں بھی انہوں نے یہی سنہ تحریر کیا ہے۔

[2] تذکرہ معاصرین ج ۲/ ص: ۲۲۰

۷، ۸، نومبر ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب میں کسی نامعلوم فرد نے انھیں قتل کر دیا۔ مزار خاندانی قبرستان گلشن جاوید پشت پرانی سرائے گنور میں واقع ہے۔[۱]

ان کے دواوین میں ؔبیضنے (۱۹۵۲ء رامپور) نگینے (۱۹۵۲ء رامپور) قرینے (۱۹۶۳ء جالندھر) تبینے (۱۹۶۸ء دلی) خزینے (۱۹۷۱ء دلی) ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے تھے۔ فن اصلاح سے متعلق دو کتابیں اصلاح الاصلاح (۱۹۴۹ء رامپور) اور میری اصلاحیں دو حصے (۱۹۵۶ء، ۱۹۶۶ء دلی) یادگار ہیں۔

ان کے تلمیذ ذکی تا نگانوی نے ان کے نام پر ایک سہ ماہی رسالہ ابر بدایوں سے ۱۹۸۹ء میں جاری کیا جو تا حال ۱۹۹۵ء جاری ہے۔

بہائی مذہب اختیار کرنے سے پہلے وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور اس دور میں وہ خوش عقیدگی کے ساتھ نعت کہتے تھے۔ اس ذیل میں ان کا ایک مجموعہ تبینے موجود ہے۔ یہ مجموعہ کلام حمد، نعت، اور سلام پر مشتمل ہے۔ اس میں نظم کی کئی اصناف خمسہ، مربع، غزل، نظم وغیرہ میں نعت کے نازک مضامین کو قادر الکلامی سے ادا کیا گیا ہے۔

ابر کے نزدیک نعت کا مقصد محض عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ تزکیہ نفس بھی ہے۔ ان کے یہاں عام شعراء کی طرح لطائف مضمون آرائی نہیں ملتی بلکہ وہ نعت کے مضامین سے اصلاح نفس کا پہلو بھی نکالتے ہیں۔ آنحضور کی عقیدت کے اظہار کے ساتھ ساتھ آپ کے بے پناہ اخلاق و کردار کو بھی انہوں نے موضوع بنایا۔

نمونہ کلام:

تری زبانِ ہدایت اثر کا یہ اعجاز — بتوں نے گر کے ادا کی صنم کدوں میں نماز
اگرچہ رفعت معراج ہے عیاں پھر بھی — علو ے مرتبہ ہے آج تک بصیغۂ راز
قلوب کینہ وراں وقف سوز عشق شوند — جدھر نگاہ اٹھا دی برس پڑا اعجاز
یہ ساز چھیڑ دیا کس نے آ کے وحدت کا — دبی دبی سی نکلتی ہے شرک کی آواز
تمہارا نعرہ مستانہ ابر سن نے کو — ہر ایک ذرہ عرب کا ہے گوش بر آواز

جدا دل سے جو حضرت کی محبت ہو گئی ہوتی — ابھی برپا زمانے میں قیامت ہو گئی ہوتی
جو آ جاتی مری چشم تمنا بات پر اپنی — ہر اک جانب ہویدا تیری صورت ہو گئی ہوتی

---

[۱] ۔ تذکرہ ماہ و سال۔ ص: ۱۱

نہ رہتا چہرہ اقدس اگر اکثر حجابوں میں | زمانے کو ترے جلووں سے حیرت ہوگئی ہوتی
اگر پاس ادب ان کا بڑھ کر تھامتا دامن | مدینے تک مری وحشت کی شہرت ہوگئی ہوتی
سکھائے آپ ہی نے دہر کو آداب انسانی | جہاں سے ورنہ رخصت آدمیت ہوگئی ہوتی
نبی نے اپنا کہہ کر آبرو رکھ لی مری ورنہ | ابھی مجھ سے خفا محشر میں رحمت ہوگئی ہوتی
زمانے بھر کو پیغام تسلی بخشنے والے | مری تسکین کی بھی کوئی صورت ہوگئی ہوتی
نہ دیتے مژدہ لاتقنطو آقا اگر مجھ کو | غم عصیاں سے میری غیر حالت ہوگئی ہوتی
بنا دیتے جو قسمت ابر وہ طیبہ میں بلوا کر | قسم کھانے کے قابل میری قسمت ہوگئی ہوتی

جو عزم قتل سے آئیں غلام بن جائیں | جہاں میں ترے اخلاق کی مثال نہیں

اگر وہ دیکھ لیں اشک ندامت چشم رحمت سے
تو میرا دیدۂ تر ابر گوہر بار ہو جائے

ترے اخلاق کے منکر کو کوئی اتنا سمجھا دے | حکومت دہر میں تلوار سے قائم نہیں ہوتی

بھری دنیا کو تیغ خلق سے مجروح کر ڈالا | بھری دنیا نے جرأت آزمائی ہے محمد کی

چھپانا چاہتا ہوں غم کو میں وحشت کے پردے میں | الٰہی کاش ہو جائے مجھے سودا محمد کا

(۳۲) ابرار:

محمد ابرار علی ولد محمد اسرار علی تشاق بدایونی، ساکن محلہ تاتی ٹولہ۔ خاندان بنو حمید میں جون ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے۔ غالباً علی گڑھ سے بی اے کیا۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ دسمبر ۱۹۴۸ء سے سی۔بی۔آر اسلام آباد میں ملازمت کا سلسلہ قائم ہوا۔ ۱۹۷۶ء میں اپنی مرضی سے سبکدوشی حاصل کی اور کراچی میں مستقل طور پر بس گئے۔

سلسلہ چشتیہ و مذاقیہ میں اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ ہیں اس سلسلہ سے وابستہ افراد

کو کرچی میں انھوں نے ایک مرکز پر جمع کر لیا ہے۔ ۱۹۵۲ء سے کراچی میں اپنے جدِ امجد حضرت منڈاق میاںؒ کا سالانہ عرس بھی منعقد کرتے ہیں۔

ذی علم اور صاحب دِل اِنسان ہیں جو ملتا ہے متاثر ہوتا ہے۔ ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء میں جب ہندوستان آئے تو راقم الحروف کے غریب خانہ پر بھی تشریف لائے تھے۔

خاندانی شاعر ہیں۔ بدایوں میں قیام کے دوران لطفؔ بدایونی اور ان کے بھائی مُنجو بدایونی (ف ۱۹۵۵ء) سے مشورہ کیا کراچی میں مولانا اسعدؔ شاہجہانپوری (ف ۱۹۶۶ء) سے بھی کچھ دن استفادہ کیا۔

نثر و نظم پر یکساں قدرت رکھتے ہیں اپنے جدِ امجد کی سوانح باسم 'آئینہ دلدار' (کراچی ۱۹۵۶ء) اور حضرت خواجہ اجمیریؒ کی سوانح 'پیر سنجر' (اسلام آباد ۱۹۹۳ء) لکھی۔ 'آئینہ دلدار' کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ کلام جو درگاہ معلی اجمیر شریف میں معمولاً پڑھا جاتا ہے باسم 'کڑکا' (کراچی ۱۹۸۳ء) مرتب و شائع کیا۔ عیدین کے مسائل پر ایک کتابچہ 'عیدنامہ' (راولپنڈی ۱۹۸۹ء) بھی شائع ہوا۔

۱۹۸۷ء میں ان کے کلام کا ایک مجموعہ 'صدرنگ' (انجمن پریس کراچی) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ اس میں نعت و مناقب بہ کثرت ہیں۔ نعت کا ایک مجموعہ منتظر اشاعت ہے۔

نمونہ کلام:

خدا کے نور کی بوچھار ہے مکے مدینے میں
جہاں دیکھو عجب دیدار ہے مکے مدینے میں

دلوں کو جگمگاتا ہے نظارہ ذرے ذرے کا
ہر اک منظر سکوں آثار ہے مکے مدینے میں

زمین و آسماں پھیلی ہوئی ہے روشنی ہر سو
فضا ہر وقت پُر انوار ہے مکے مدینے میں

ہیں یہ دونوں شہر اک برج شرف ماہِ نبوت کے
رسول اللہ کا گھر بار ہے مکے مدینے میں

خدا کا نور آیا رحمۃ للعالمین بن کر
حقیقت میں یہی اظہار ہے مکے مدینے میں

خدائے فضل سے ہوں آشنائے جلوہ رحمت
نگاہِ شوق کو اقرار ہے مکے مدینے میں

جہاں میں سید لولاک ختم المرسلیں آئے
رسول اللہ آئے رحمۃ اللعالمیں آئے

خطیب الانبیاء، امی لقب تلمیذ ربانی
تجلائے ہدایت قبلۂ اہلِ یقیں آئے

زمانے بھر نے مژدہ سن لیا تنزیلِ رحمت کا
بشر کی شکل میں جب رحمۃ للعالمیں آئے

اندھیرا منہ چھپا کر کیوں نہ بھاگے خوف کے مارے ‏ ‏ سراجِ بزمِ میثاق ازل نورِ مبیں آئے
زمین و آسماں ہیں کلمہ گو جن کی صداقت کے ‏ ‏ وحیِ آسمانی کی امانت کے امیں آئے

دیکھو کہ مرے ہوش کی کیا لگتی ہے قیمت ‏ ‏ بیچوں گا یہ سودا سرِ بازارِ مدینہ

مذاقِ بندگی کو سجدہ ریزی کا مزا ملتا ‏ ‏ اگر ارضِ حرم سے آشنا میری جبیں ہوتی

جس نے تمام ارض و سما کو ہلا دیا ‏ ‏ گونجے فضا میں پھر وہی تکبیر یا رسول

ہے تمہیدِ ایماں محمد کا کلمہ ‏ ‏ کلیدِ جناں آپ کی پیروی ہے

(۳۳) بالا:

محمد حسین ولد رحمت حسین، ساکن کوچہ ملا، فرشوری ٹولہ ملا خاندان سے شیخ عثمانی تھے۔ ۱۰ر فروری ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی و اردو کی واجبی استعداد رکھتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں محکمہ پولیس میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں جب وہ اس محکمہ سے مستعفی ہوئے تب وہ الٰہ آباد میں پولیس سب انسپکٹر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مستعفی ہونے کے بعد بدایوں میں قیام کیا۔ مولانا عبدالمقتدر قادری (ف ۱۹۱۵ء) سے مشرف بہ بیعت ہوئے اور نعت خوانی کو مشغلہ زندگی بنالیا۔ ۱۹۰۷ء میں حج بیت اللہ کیا اور ذکرِ رسول کو وظیفہ زندگی بنالیا۔

اوائل عمر میں پہلوانی کا شوق تھا جو شوق کی صورت میں آخر عمر تک برقرار رہا۔ بدایوں میں بہ زمرہ نعت خواں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ان کی نعت خوانی کو اعتقادی اخلاص حاصل تھا۔ درگاہ قادریہ کے اعراس میں ان کو امتیازی مقام دیا جاتا اور عطا و بخشش سے نوازا جاتا۔ ابو منظر لکھتے ہیں:[۱]

"مولوی محمد حسین مرحوم محلہ فرشوری ٹولہ میں رہتے تھے۔ نہایت متشرع اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ان کی پارٹی میں بھی سب لوگ دیندار اور صوم صلوٰۃ کے پابند تھے مولوی محمد حسین مرحوم نے سو سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر وقت تک نعت خوانی سے وابستہ رہے۔ آواز پاٹ دار اور ساتھیوں کی آوازیں سریلی اور جاندار تھیں کلام بھی نہایت پاکیزہ اور منتخب پڑھتے تھے اس لئے سارے شہر میں ان کے پڑھنے کی دھوم تھی۔

۱۔ بدایوں کے نعت خواں۔ مشمولہ مجلہ بدایوں کراچی ستمبر ۱۹۹۳ء

بومنظر نے ان کے شاعر ہونے کی اطلاع نہیں دی۔ اور بدایوں کے شعرا کے تذکروں اور عوامی روایتوں میں بھی انھیں بہ زمرہ شعرا شامل نہیں کیا گیا۔ راقم الحروف نے نعت خواں حضرات کی بیاضوں کی ورق گردانی کے دوران انھیں تلاش کیا اور ان کے شاعر ہونے کی صحت ہو جانے کے بعد ان کے حالات ان کے بیٹے احمد میاں داماد بدایونی سے فراہم کیے۔[۱]

بالاؔ نے بدایوں کے قدیم و جدید اساتذہ سخن کا نعتیہ کلام مذہبی مجالس و میلادوں میں پیش کیا ان کی نعتیہ کلام پر مشتمل بستہ (بیاضیں) ان کی وفات کے بعد آستانہ قادریہ بدایوں کی نذر کر دی گئیں۔

بالاؔ نے طویل عمر پاکر ۱۱ رمئی ۱۹۷۶ء کو وصال فرمایا۔ قاضی حوض کے اتر جانب عبداللہ شاہ عارف باللہ کے پائنتی مدفون ہوئے۔ پس ماندگان میں دو لڑکے محمد میاں بھگت فنائیؔ اور احمد میاں داماؔد (پیدائش ۱۹۳۳ء) اور چار لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔

تولاؔ بدایونی سے تلمذ تھا۔ ایک دیوان بنام "گنجینۂ نعت" (قلمی) یادگار ہے۔ جو ان کے بیٹے داماد بدایونی کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں (۱۰۰سو) سے زیادہ نعتیں بصورت غزل اور منقبتیں درج ہیں یہ دیوان الف سے ی تک ردیف وار ترتیب دیا ہے جو صرف ۷۵ (انسٹھ) صفحات پر مشتمل ہے۔[۲]

ان کا متفرق کلام بدایوں کے اکثر نعت خواں حضرات کی بیاضوں میں بھی ملتا ہے۔ نمونہ کلام:[۳]

زمزم مئے تسنیم ہے پیمانہ نیا ہے ساقی مدنی چاند ہے میخانہ نیا ہے
اتری ہے شراب عرش سے میخانہ نیا ہے ساقی ہے نیا شیشہ و پیمانہ نیا ہے
فرمانے لگے دیکھ کے عشاق کا مجمع اس بھیڑ میں شاید کوئی مستانہ نیا ہے
قربان ہوا جاتا ہے ہر ناز و ادا پر انداز وفائے دلِ دیوانہ نیا ہے
ہے میکدۂ عشق کا دنیا سے نیا رنگ میکش نئے بادہ نیا پیمانہ نیا ہے
واعظ تیرے دہر کے افسانے عبث ہیں ہم کو نہ یہ کعبہ نہ یہ بتخانہ نیا ہے

بیٹھا ہے ترے نام پہ تکیہ کیے مولا
بالاؔ کا ترے رنگِ فقیرانہ نیا ہے

---

[۱] ۔ بذریعہ خط تسلیم اللہ غوری بنام مرتب ۱۶ راپریل ۱۹۹۶ء

[۲] ۔ مکتوب داماد بدایونی بنام مرتب ۲۳ رمئی ۱۹۹۶ء

[۳] ۔ ماخذ بیاض چھٹن خاں نعت خواں ساکن سرائے جالندھری بدایوں۔

آج تقدیر درِ شاہ پہ لے آئی ہے
بے پیے اب نہ اٹھینگے یہ قسم کھائی ہے

تیری بخشش کے فدا تیرے کرم کے صدقے
منتظر تیرے کرم کا ترا شیدائی ہے

مردے اٹھ اٹھ کے قدم بوس ہوا کرتے ہیں
ٹھوکروں میں تری اعجاز مسیحائی ہے

تم امیر ابن امیر اور میں فقیر ابن فقیر
خالی اس در سے پلٹنا بڑی رسوائی ہے

نامرادوں کی ہیں جس در سے مرادیں ملتی
اسی در پر مری قسمت مجھے لے آئی ہے

تم ہی فرماؤ کدھر جاؤں کہوں میں کس سے
بیکسوں کی اسی سرکار میں سنوائی ہے

اب تو آتا ہے مجھے اپنے تڑپنے میں مزہ
میں تماشہ ہوں تری آنکھ تماشائی ہے

ان دنوں خوب گذرتی ہے مزے سے بالاؔ
درِ سرکار ہے یہ سر ہے، جبیں سائی ہے

(۲۴) بدرؔ :

مولانا بدرؔ عالم[1] ولد نامعلوم ساکن غالباً محلہ سوتھہ خاندان سادات میں ۱۸۸۸ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے کی۔ انیس سال کی عمر میں بعد فراغت اسی مدرسہ میں دو سال مدرسی کے فرائض انجام دیئے۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کشمیری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دارالعلوم کی مدرسی قبول کی۔ کچھ مدت بعد دہلی آگئے اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (ف ۱۹۶۲ء) مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی (ف ۱۹۸۴ء) کے ساتھ ندوۃ المصنفین کے قیام میں حصّہ لیا۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی چلے گئے۔ ٹنڈوالہ یار (سندھ) میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے انتظام وانصرام میں منہمک ہو گئے۔

۱۹۵۲ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ متعدد علمی کتابیں یادگار چھوڑیں۔ مثلاً۔ مترادالحقیر، فیض الباری، ترجمان السنہ چار جلدیں خلاصہ زبدۃ المناسک، الحزب الاعظم، نزول عیسیٰ، جواہر الحکم۔

صرف نعت کہتے تھے۔ صاحبِ تذکرہ شعرائے بدایوں نے حسب ذیل کلام نقل کیا ہے۔[2]

---

[1] ماخذ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص ۱۵۳، ۱۵۴

[2] 〃 〃 〃 ج ۱/ 〃 ۱۵۵

آداب صد ہزار ہوں خیر الانام کو — آتے ہیں در پہ جن کے فرشتے سلام کو
قسمت سے گر بلائیں وہ اپنے غلام کو — جاؤں میں سر کے بل بھی گھسیٹتا سلام کو
محروم کیا رہوں گا میں ان کے فیوض سے — ملتا ہے جن سے فیض ہر اک خاص و عام کو
ہاں جنت البقیع میں میری بھی ہو جگہ — اس کی بہت تڑپ ہے مجھ ایسے غلام کو
کتنی بڑی ہوس ہے جو دل میں عمر بھر سے تھی — ہو جائے گر نصیب غلام غلام کو

چمکا قسمت کا ستارہ میں تو اس قابل نہ تھا — میں کہاں اور در تمہارا میں تو اس قابل نہ تھا
بیخودی میں مانگتا ہوں ان کی زیارت کا شرف — ہے کہاں یہ میرا یارا میں تو اس قابل نہ تھا
آگئے دل میں مرے مہمان وہ شاہاں نواز — وہ کہاں اور گھر ہمارا میں تو اس قابل نہ تھا
مغفرت کے آسرے پر میں بھی حاضر ہو گیا — ایک عاصی اور بیچارہ میں تو اس قابل نہ تھا

خدا کرے کہ قیامت میں یہ صدا سن لوں — ادھر کو آؤ کہ کوثر پلا رہا ہوں میں
شفیع روزِ جزا ہیں مرے حبیب خدا — یہ اپنی جان کو مژدہ سنا رہا ہوں میں
ان ہی کے فیض سے مجھ کو ملا ہے جو بھی ملا — ان ہی کے نام سے جنت کما رہا ہوں میں

(۳۵) بیتاب :

محمد احمد ولد غلام غوث، ساکن فرشوری ٹولہ۔ مومن برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۱/ اگست ۱۸۶۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے[۱]۔ تعلیم سے بیگانہ محض تھے موروثی آراضی پر کاشت کرکے ضروریاتِ زندگی کو پورا کیا۔ اہلِ علم کے محلہ میں آباد تھے لہٰذا ان کی علمی و ادبی صحبتوں و مجلسوں سے فیض یاب ہوئے۔ خان بہادر رضی الدین بسمل، ضیاء القادری، علامہ رضی بدایونی وغیرہ کی صحبت نے فطری جوہر کو جلا دی اور شعر و سخن کی منزلوں کو آسان بنایا۔ اعلیٰ حسین اعلیٰ بدایونی (ف ۱۹۱۰ء) سے تلمذ تھا۔ غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود زبان پر کامل قدرت، لہجہ میں شائستگی اور گفتگو میں خاصی دلپذیری تھی۔ بڑی روانی کے ساتھ شعر کہتے تھے۔ دبستان لکھنؤ کی شعری خصوصیات سے متاثر تھے بقول ڈاکٹر لطیف حسین ادیب[۲]۔

۱۔ پیش لفظ مشمولہ کلیات بیتاب ص: ۱۲

۲۔ داد تحسین مشمولہ ،، ،، ص: ۱۴

بیتاب بدایونی مرحوم دبستان ادب لکھنؤ کی صفات شاعری سے متاثر تھے اور اس زبان میں جو لکھنؤ کے اساتذہ کی غزل کی زبان تھی۔ نعتیہ شاعری ممکن نہیں تھی۔ بیتاب بدایونی نے سوجھ بوجھ سے کام لیا اور دیگر معروف نعت گویان کی طرح اپنی نعتیہ شاعری کی بنیاد رفعت خیال، پرسوز جذبات اور سلیس زبان پر رکھی۔

سلسلۂ قادریہ میں حضرت مولانا عبدالقادر بدایونیؒ سے بیعت تھے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کی قربت و صحبت ہی نے نعت رسول مقبول کہنے اور تواتر کے ساتھ کہنے پر آمادہ کیا۔ تقریباً ۳۰۰ غزلیات پر مشتمل نعت اور غزل کا دیوان یادگار چھوڑا۔ (متفرق کلام اس کے علاوہ ہے) جس کو ان کے بیٹے حاجی آفتاب احمد (پیدائش ۱۹۱۸ء) نے ترتیب دے کر متعدد حصوں میں شائع کیا۔ ان مجموعہائے کلام میں کثیر تعداد نعتوں کی اور کمتر تعداد غزلوں کی ہے۔ مجموعوں کے نام یہ ہیں۔

گوہر بیتاب (اول ۱۹۸۱ء بریلی)، گوہر بیتاب (دوم ۱۹۸۲ء مرادآباد) نقوش بیتاب (سوم ۱۹۸۶ء مرادآباد) کلیات بیتاب (۱۹۹۳ء دہلی) بیتاب کا ذکر تذکرہ شعرائے بدایوں میں نہیں آسکا ہے۔

۲۵ اگست ۱۹۵۹ء کو وفات پائی آبائی باغ متصل قاضی حوض مدفون ہوئے[لہ] نمونہ کلام:

میسر ہو محبت میں اگر بیمار ہو جانا — تو آساں ہو رسول اللہ کا دیدار ہو جانا
غضب ہے حضرت دل آنکھ کا خونبار ہو جانا — پڑا آخر تمہیں رسوا سر بازار ہو جانا
ادھر مولا نے لب کھولے ادھر بخشے گئے عاصی — شفاعت کے لیے کافی ہوا تیار ہو جانا
مزے سے بادۂ کوثر پیے گا وہ قیامت میں — جسے آیا شراب عشق کا میخوار ہو جانا
تصور دل میں آتا ہے کسی کی چٹکیاں لینے — تڑپنے کے لیے بیتاب اب تیار ہو جانا

لے کے محشر میں جو میں نردِ عمل جاؤں گا! — گر پڑوں گا قدم شہ پہ مچل جاؤں گا
دم لبوں پہ ہے تپ ہجر سے جل جاؤں گا — آپ دیدار دکھا دیں تو سنبھل جاؤں گا
کیا کروں خلد میں جاکر ہوں مریض حضرتؐ — کیا وہاں حور کی باتوں میں بہل جاؤں گا
یاد جب آئے گا صحرائے مدینہ مجھ کو — پھاڑ کر جیب و گریباں میں نکل جاؤں گا
پھر تو سمجھوں گا کہ سب دل کی تمنا پائی — ہند سے جانب طیبہ جو نکل جاؤں گا

لہ ۔ بیتاب کے حالات ان کے مجموعوں میں شامل تعارف و دیباچوں سے مرتب کیے گئے ہیں۔

...ہمیشہ رہو مایوس ہو صحت کے پانے سے	اٹھا لے جائے وہ خاک شفا اس آستانے سے
زیارت مصطفیٰ میں بس یہی رو رو کے کہتا ہوں	خدا جانے لگے گی کب مری مٹی ٹھکانے سے

ہم ازل سے جس پہ ہوں ہستی مٹانے کے لئے	وہ لحد میں آئیں گے جلوہ دکھانے کے لئے
...چمکی رات میں سوزن ملی کھوئی ہوئی	آپ آمادہ ہوئے جب مسکرانے کے لئے
قبر تک بیتاب کو ہے بے کلی سی بے کلی	آپ آجائیں ذرا جلوہ دکھانے کے لئے

(۴۶) نیر جبین:[۱]

نیر جبین۔ بدایوں سے متصل ایک موضع رجپورہ ہے۔ وہیں ان کی پیدائش ۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ جائے پیدائش کی نسبت سے نیر جبوری لکھتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور چلے گئے اور وہیں آجکل نولکھا پارک کے قریب مسکون ہیں۔ معاشی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پریشاں حالی اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ابتدا میں بہاریہ شاعری کرتے تھے آتش زنی کے ایک حادثہ میں ان کا تیس سال کا کلام جل کر خاک ہوگیا۔ اس حادثہ کے بعد ان کی طبیعت میں تغیر پیدا ہوا اور وہ نعت کی طرف راغب ہوئے۔ ایک مجموعہ کلام نیر تبسم (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) دوسرا تجلائے حرم (ستمبر ۱۹۹۴ء) رسالہ نعت (لاہور) کے خاص نمبر کی صورت میں شائع ہو۔ نعت کے آٹھ مجموعے منتظر اشاعت ہیں۔ نمونہ کلام:

برکتیں ہیں خیال کے نزدیک	عظمتیں ہیں خیال کے نزدیک
کنج تنہائی میں بہ یاد حضور	جلوتیں ہیں خیال کے نزدیک
پائیں مقبولیت ہو ان کا کرم	مدحتیں ہیں خیال کے نزدیک
گو بظاہر میں کچھ نہیں لیکن	ندرتیں ہیں خیال کے نزدیک
زیست فرقت میں کیا ہے یہ کہیے	قربتیں ہیں خیال کے نزدیک
مصطفیٰ سے یہ فیض ہے نیر جبیں	نکہتیں ہیں خیال کے نزدیک

(۴۷) بیدل:

محمد رضا حسنین ولد عبدالحئی بیخود بدایونی (تلمیذ داغ) ساکن محلہ چاہ میر، خاندان بنو حمید کے فرد تھے۔ بیخود کی زوجہ امۃ... کے بطن سے ۱۸۸۹ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے[۲]۔ تعلیم جودھپور میں حاصل کی۔

۱۔ نعت نامہ بدایوں کراچی۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء

۲۔ تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ ص ۲۷۶، تاریخ بنی حمید ص: ۳۵

عربی، فارسی اور انگریزی میں دستگاہ رکھتے تھے۔ جودھپور میں ملازمت کی اور وہاں کے ادبی ماحول پر اثر انداز رہے۔ ایک مقامی انجمن قائم کرکے ماہانہ مشاعرے منعقد کیے۔ اسی تعلق سے "صدر الشعرا" کا خطاب حاصل کیا۔[۱]

ابتدا میں اپنے والد بیخود بدایونی (ف ۱۹۱۲ء) سے اصلاح لی بعد میں کچھ دن احسن مارہروی (ف ۱۹۴۰ء) سے بھی مشورہ سخن کیا۔ ضخیم کلیات یادگار چھوڑا اس کے علاوہ میلاد شریف، ایک مثنوی خانم آشوب مجموعہ رقعات و مضامین بھی ان سے منسوب ہیں۔[۲]

ایک طویل نعتیہ مثمن باسم تاریخی "خیر مقدم مولود مبارک" (۱۳۴۳ھ) یادگار ہے جو ۱۹۸۳ء میں مرتضیٰ احمد برکاتی نے کراچی سے شائع کیا۔[۳] مثمن کا نمونہ دستیاب نہیں ہوا۔ بیدل کا ذکر تذکرہ شعرائے بدایوں میں نہیں آسکا ہے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو جودھپور میں انتقال کیا اور بدایوں میں سپردِ خاک کیے گئے۔[۴] صاحب "تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ" نے ان کا حسب ذیل کلام نقل کیا ہے۔[۵]

وصف کس سے ہو بیاں حسن خود آرا تیرا
نقش ارژنگِ تحیّر ہے سراپا تیرا

سنگ خارا میں امانت تری الفت کے شرر
کون سے قلب میں بھڑکا نہیں شعلہ تیرا

تو شجر انبیا ڈالی عرفا میں شاخیں
ظلِ رحمت جسے کہیے وہ ہے سایہ تیرا

تیرے گل ہیں ثمر غوث ہیں غنچے اقطاب
رنگِ نیرنگ ہر اک شے سے نرالا تیرا

رو دل کرلائی ہے دریائے مضامین تازہ
طبع لہرائی ہے یاں لکھے سراپا تیرا

فرق خوبی ہے ترا حامل سرّ لاہوت
کنز مخفی کا خزانہ ہے کہ سینہ تیرا

جلوے پنہاں تری صورت میں ہیں وجہ اللہ کے
صبغۃ اللہ ہے رنگ اے گل رعنا تیرا

آبرو صبح سعادت کی جبین پُر نور
اوج طالع کا درخشاں ہے ستارا تیرا

غیرت صبح ازل ہے ترے عارض کی بہار
روکش شام ابد زلف کا لٹکا تیرا

قبلہ طاعت عشاق ہے چشم بد دور
بے تکلف خم ابروے دل آرا تیرا

دل یک خلق خدا تیر مژہ کا بسمل
لب اعجاز ہے اعجاز مسیحا تیرا

۱۔ تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ ص: ۵۷۶

۲۔ " " " ص: ۵۷۷

۳۔ نعت و نشان تیرہ کتابی مشمولہ مجلہ بدایوں کراچی مئی ۱۹۹۶ء

۴۔ تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ ص: ۵۷۶، کاروانِ رفتہ ص: ۴۹ ۔ ہفتہ وار ذوالقرنین ۷ نومبر ۱۹۴۲ء

۵۔ " " " ص: ۵۷۷ تا ۵۷۹

ہاتھ سے تو جسے چھولے ید بیضا ہو جائے — ید قدرت یہ محقر سا ہے صدقا تیرا
مدح انگشت میں تیری نہیں جائے انگشت — جاری ہر ایک سے رحمت کا ہے چشمہ تیرا
اے کہ ہے کون و مکاں میں ترے اکرام کی دھوم — ناشناسائے کرم کیوں رہے بندہ تیرا
آج دامن در مقصود سے بھر دے اس کا — ہست یک موج تو صدقہ جاتے را

جھولی پھیلائے بہ امید کرم آتا ہے
لاج رکھ لے کہ ہے بیدل ترا، منگتا تیرا

(۳۹) تمنا :

تمنا حسین ولد (مولوی) الہام اللہ الہام ۔ ساکن مولوی ٹولہ ۔ خاندان بنو حمید میں پیدا ہوئے شفاعت بدایونی کے پوتے اور اعلیٰ بدایونی (ف ۱۹۱۰ء) تولا بدایونی (ف ۱۹۲۶ء) کے بڑے بھائی تھے[۱] خاندانی شاعر تھے ۔ بجود بدایونی (ف ۱۹۱۲ء) سے تلمذ تھا[۲] شہید حسین نے لکھا ہے[۳]:

بہت پر گو شاعر تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے اپنا تمام بہاریہ کلام خود تلف کر دیا ۔ نعتیہ کلام چھوڑا تھا جو ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا ۔

۸ محرم ۱۳۶۴ھ/۲۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو وفات پائی ۔ خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے ۔ عیش بدایونی نے تاریخ کہی[۴]

شب بست و ہشتم محرم کی تھی — جو دنیا سے اٹھا وہ بازیب و زیں
دعا بھی ہے تاریخ بھی ہے یہ عیش — کہو ۔ خلد میں ہو تمنا حسین ۔

(۱۳۶۴ھ)

صاحب تذکرہ شعرائے بدایوں نے حسب ذیل کلام نقل کیا ہے[۵]

کہوں کیا تو دنیا میں کیا بن کے آیا — مرے درد دل کی دوا بن کے آیا
محمد شفیع الوریٰ بن کے آیا — نہ ایسا کوئی دوسرا بن کے آیا
نبی اور بھی باغ عالم میں آئے — بہار آئی جب مصطفیٰ بن کے آیا

---

[۱] ۔ تاریخ بنی حمید ص : ۴۸
[۲] ۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص : ۲۰۵
[۳] ۔ " " " " ۲۰۶
[۴] ۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص : ۲۰۵
[۵] ۔ تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ ص : ۴۷۵

بس جاؤں یا برہنہ جب شہ بطحا کے روضہ پر
تو پھولوں کا چمن اے وادیٔ پُرخار ہو جانا
نظر آتا ہے گنبد، منزلِ مقصود آ پہنچی
تمنا امتحانِ عشق ہے تیار ہو جانا

ہر دم تمہاری یاد میں کٹتی ہے زندگی
دل سے قریب ہو گو مری آنکھوں سے دور ہو
او کملی والے مجھ کو مدینے میں لے بُلا
اس خستہ جاں پہ چشمِ عنایت ضرور ہو

(۳۹) تولاؔ : لہ

تولاؔ حسین ولد الہام اللہ الہامؔ۔ ساکن مولوی ٹولہ۔ خاندان بنو حمید میں ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے تعلیم قدیم دستور کے مطابق اپنے والد سے حاصل کی۔ جو اپنے وقت کے فارسی کے ایک اچھے عالم خیال کیے جاتے تھے تولاؔ نے بہت جلد فارسی وار دو اور کسی قدر عربی کی استعداد بہم پہنچا لی۔

ریاست گوالیار کے محکمہ پولیس میں پانسات سال داروغہ کے عہدے پر فائز رہے لیکن بہت جلد اس ملازمت کو اپنے مزاج کے موافق نہ پاکر بددل ہو گئے اور استعفیٰ دے کر بدایوں چلے آئے۔ اور خاندانی جائیداد کی مختصر سی آمدنی پر قناعت کر لی۔

فن شعر میں نواب زکریا خان زکیؔ دہلوی (ف ۱۹۰۳ء) تلمیذ غالبؔ کے شاگرد تھے۔ (زکی ۱۸۹۶ء میں وارد بدایوں ہوئے تھے اور سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس کا چارج لیا تھا) سلسلہ قادریہ میں شاہ ابوالحسین عرف نوری میاں مارہروی (ف ۱۹۰۶ء) سے بیعت تھے۔ ؏ مولانا عبدالقدیر قادری بدایونیؒ (ف ۱۹۶۰ء) سے دل صاف نہ تھا ان کی ایک ہجو لکھی جو مشہور نہیں ہوئی۔ اس ہجو کی نقل راقم کے پاس محفوظ ہے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی۔ یہ تین نام حکیم فضل الرحمٰن اشکؔ، رضا حسین شاہدؔ، مصطفیٰ بخش خالقؔ راقم کی نظر میں ہیں۔

۱۹۳۶ء میں انتقال کیا حضرت سید احمد صاحبؒ کی درگاہ ساگرتال کے جوار میں مدفون ہوئے۔

شعرائے بدایوں میں علوئے تخیل، فلسفہ دانی، ژرف نگاہی، زبان و محاورے کے تخلیقی استعمال کے سبب ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ یوں تو تولاؔ بنیادی طور سے غزل کے ہی شاعر ہیں لیکن ان کے سرمایہ شاعری میں نعت و مناقب اور سلام پر مشتمل کئی ایک کتابچے ملتے ہیں مثلاً قصیدہ نعت شریف مع مخمس (بدایوں ۱۹۲۶ء) نغمۂ نعت (بدایوں ۱۹۳۱ء) موجِ کوثر (بدایوں ۱۹۳۶ء) وغیرہ انکے علاوہ نظم و نثر

لہ ۔ تفصیل کے لیے دیکھیں دیدہ دریافت ص: ۱۰۳ تا ۱۱۵ از خاک بدایوں ص: ۴۲ تا ۴۹

؏ ۔ تولا ابوالحسینی ہوں پلاتا ہے مرا ساقی مدینے والے خم سے، کربلا والے کے ساغر سے

کی مندرجہ ذیل کتب بھی شائع ہوئیں۔

پارہ ہائے جگر (لکھنؤ ۱۹۳۱ء) الحجاب (دہلی ۱۹۳۳ء) مرتبہ عبدالماجد بدایونی (بدایوں ۱۹۲۵ء) غنچۂ نوبہار دعوت فاطمہ (بدایوں سنہ ندارد) اور مکافاتِ عمل۔

تولاؔ کا تمام کلام ضائع ہو گیا۔ ان کے بیٹے ولا حسین ولاؔ (ف ۱۹۸۴ء) نے ان کا دیوان طبع کرانے کی غرض سے پروفیسر آل احمد سرور کی خدمت میں پیش کیا تھا[۱] یہ ان دنوں کی بات ہے جب سرور صاحب انجمن ترقی اردو ہند کے سکریٹری رہے۔ ولا حسین پاکستان چلے گئے اور دیوان کی اشاعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

تولاؔ کی نعت روایتی انداز پر نہیں بلکہ اس میں ندرت ہے وہ چونکہ سلسلۂ غالب سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا نعت میں بھی ندرت فکر اور متانت اسلوب کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ فلسفہ و تصوف ان کے کلام کے نمایاں جوہر ہیں ان ہر دو نے ان کے شعور و تخیل کو جلا دی ہے اور ان کی نعت گوئی کو وقیع بنایا ہے۔ نمونہ کلام:

گنبدِ نور بن اے چرخ نہ خود سر ہونا ۔۔۔ دائرہ آج ہے کل حسن کا منظر ہونا
چاہیئے محوِ طواف درِ سرور ہونا ۔۔۔ گھوم کر عشق کے مرکز سے نہ باہر ہونا
اے فلک سیکھ مرے پاؤں کا چکر ہونا

دیکھ اے آنکھ خیالات کے خوابوں کو نہ دیکھ ۔۔۔ یاد رکھ معنیٔ توحید کتابوں کو نہ دیکھ
غیر ہی غیر ہیں کثرت کے نقابوں کو نہ دیکھ ۔۔۔ نگہ شوق تعین کے حجابوں کو نہ دیکھ
ان کے پردوں کو مبارک رہے منظر ہونا

گزر اس بزم میں کب چشم طلبگار کی ہے ۔۔۔ طور شاہد ہو تو جرأت کسے انکار کی ہے
ہاں مدینہ میں دوا عشق کے بیمار کی ہے ۔۔۔ ایک صورت فقط اللہ کے دیدار کی ہے
چاہیئے محوِ جمال رخِ سرور ہونا

جان سکتا ہے انھیں کون خدا ہی جانے ۔۔۔ جن کو قرآن بھی توصیف کی رونق مانے
جلوہ گر جب ہوئے دنیا میں کہا دنیا نے ۔۔۔ کس کو عرفان نظر ہے جو تمہیں پہچانے
نور ہونا کوئی دیکھے کہ پیمبر ہونا

سر کو دھنتا ہوں کہ ہے سر پہ گناہوں کا ابر ۔۔۔ جاگ اے بخت سلا مجھ کو نہ کر اتنا جبر

۱۔ یہ بات سرور صاحب نے ایک نجی ملاقات میں مجھے بتائی تھی۔

نیند آجائے تو آجائے میرے دل کو صبر خواب دیکھوں کہ مدینے میں بنی ہے مری قبر
اس کی تعبیر ہے جنت میں مرا گھر ہونا
محوِ جلوہ جو بشر تھے غم و راحت بھولے چلے اشجار اشاروں پہ سکونت بھولے
جانور گوش بر آواز تھے وحشت بھولے سنگدل ان کے قدم دیکھ کے فطرت بھولے
پتھروں کو بھی فراموش تھا پتھر ہونا
سجدۂ عشق نہیں صرف جبیں تک محدود ہمہ تن ہے مری ہستی میں محبت کی نمود
روضۂ شاہ پہ بیخود جو ہوا پڑھ کے درود سر جھکایا درِ مولیٰ پہ تو ذرات وجود
چاہتے ہیں مرے سر ہو کے مرا سر ہونا
مذہبِ بیخودیٔ دل کے سب احکام ہیں صاف کس کو طاقت جو کرے عشق کے فتووں کے خلاف
مجھ کو حیرت سے نہ دیکھے کوئی تقصیر معاف اے حرم فرض سمجھتا ہوں در شہ کا طواف
ہے یہی کفر تو ایمان ہے کافر ہونا

(۴۰) ثاقب:

نجم الدین احمد ولد جمیل احمد، ساکن محلہ سوتھا۔ بدایوں میں سکون عباسی خاندان کے فرد تھے سلسلہ نسب عباسی خلیفہ ہارون الرشید تک پہنچتا ہے۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ / ۲ جولائی ۱۸۶۸ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے [۱] علوم مروجہ فارسی عربی وغیرہ کی تحصیل کرکے درس نظامی کی تکمیل مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں سے کی اور مڈل کا امتحان بھی پاس کیا۔ سن شعور سے ہی شعر و سخن کا مذاق پیدا ہو گیا تھا ۱۸۸۶ء میں گوالیار گئے اور اپنے ماموں غلام غوث وجد بدایونی کے مشورے سے دو ایک غزلیں داغ کو بھیجیں اور ان کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ وجد گوالیار میں ان دنوں سر رشتۂ تعلیم میں ملازم تھے۔ ثاقب کے چچا سدید الدین شائق بدایونی (ف ۱۹۰۵ء) کے بھی علم و فضل کا چرچا ان دنوں عام تھا۔ ثاقب نے ان دونوں سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں تلاش معاش میں رامپور، دہلی اور ریاست ہائے راجپوتانہ میں چکر لگا کر بڑودہ پہنچے اور میر احتشام علی خاں جاوید رئیس بڑودہ کے مصاحب ہو گئے انھیں کے کسی کام سے ٹونک گئے وہیں ظہیر دہلوی (ف ۱۹۱۱ء) سے تلمذ اختیار کیا [۲]

---

[۱] - تذکرۃ الشعراء ص: ۱ - خمخانۂ جاوید ج / ۲ - ص: ۱۷۱

[۲] - " " " " " " " "

ایک عرصہ کے بعد مہاراجہ سرکشن پرشاد (ف ۱۹۴۰ء) کی دعوت پر بڑودہ سے ریاست حیدرآباد چلے گئے اور وہاں بہ حیثیت منتظم پیشی مہاراجہ بہادر کی ملازمت اختیار کی[۱] ملازمت سے سبکدوش ہو کر بدایوں آ گئے اور یہیں ۱۹۴۵ء میں وفات پائی اور بدایوں میں سپردِ خاک کیے گئے۔ ان کے بیٹے شمس الدین قادری شمس بدایونی (ولادت ۱۹۲۶ء) خوش فکر شاعر ہیں۔ کراچی میں مقیم ہیں۔ ثاقب بڑودہ اور حیدرآباد میں قیام کے دوران میر احتشام علی خاں جادو اور سرکشن پرشاد شاد کے کلام پر اصلاح بھی دیتے رہے[۲] تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد چھوڑی۔

انتہائی زود گو اور نظم کی تمام اصناف پر قدرت رکھتے تھے۔ بایں سبب ظہیر دہلوی نے اپنے اکثر تلامذہ کی اصلاح ان کے سپرد کر دی اور اپنے جانشین کے طور پر ان کی قدر افزائی کرتے رہے۔ یکم دسمبر ۱۹۰۰ء کو انھوں نے ثاقب کو امام الکلام پہلوان سخن کے معزز خطاب سے سرفراز کیا[۳]

لالہ سری رام (مؤلف خمخانۂ جاوید) نے ان سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے اپنے تاثرات اس طرح رقم کیے ہیں[۴]

"راقم کی پہلے ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی ملاقات ہوئی۔ پھر ۱۹۰۷ء ماہ جولائی اگست میں دوران قیام بمبئی اکثر ملاقات کے لیے تشریف لاتے رہتے۔ پستہ قد، زندہ دل، حد درجہ خلیق، پابند وضع اور ملنسار شخص ہیں..... تذکرہ خمخانۂ جاوید کی جو تقریظ آپ نے ارقام فرمائی ہے وہ آپ کی حیرت انگیز قدرت، مشاقی فن کا قابل قدر نمونہ ہے۔ کوئی خاص وقت فکر سخن کا معین نہیں۔ ہر وقت طبیعت حاضر رہتی ہے۔ استاد ظہیر انھیں بہت چاہتے ہیں اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ بلکہ بارہا ایک ایک دن میں دو دو سو شعر کہنے کی نوبت آ چکی ہے۔"

بمبئی ہی کی ان سے ایک ملاقات کا ذکر سر عبدالقادر (مدیر مخزن) نے بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں[۵]

"اس مرتبہ بمبئی میں چند ایسے باکمالوں کی صحبت میسر آئی کہ اس کے سبب یہ دو تین دن جو لندن سے واپس آتے ہوئے وہاں گزرے کبھی نہ بھولیں گے۔ جناب مولوی نجم الدین احمد ثاقب بدایونی کا نام ان حضرات میں خصوصیت سے قابل ذکر ہے انھوں نے اپنا کلام سنایا

---

[۱] - تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص: ۲۱۹

[۲] - تذکرۃ الشعراء ص: ۲

[۳] - خمخانۂ جاوید ج ۱ فہرست ص: ۷

[۴] - خمخانۂ جاوید ج ۲ ص: ۱۷۲ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص ۲۱۹

[۵] خمخانۂ جاوید ج ۲ ص ۱۷۲

[۶] - ماہنامہ مخزن لاہور جون ۱۹۰۷ء

میں نے ان سے کہا کہ "مخزن" کو فراموش نہ کیجیے گا انہوں نے بڑی فیاضی سے وہ کاغذ جو ان کے ہاتھ میں تھا مجھے عنایت کر دیا اور آئندہ یاد رکھنے کا وعدہ کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل غزلوں سے واضح ہوگا۔ آپ غزل میں ایک انداز خاص کو نباہتے ہیں اور وہ انداز ان کا حصہ ہے۔ جناب ثاقب کو تاریخ گوئی سے بہت مناسبت ہے۔ چنانچہ میرے رخصت ہونے پر انہوں نے بے ساختہ یہ چار مصرعے پڑھے جن میں سے چوتھا مصرعہ سنہ انگریزی کا مادۂ تاریخ ہے۔ فرماتے ہیں:

خبر قادر جو بمبئی سے چلے ۔۔۔ بولے سب اہل واں خدا حافظ
بے تکلف کہا یہ ثاقب نے ۔۔۔ جائیے مہرباں خدا حافظ (۱۹۰۷ء)

ثاقب بنیادی طور سے غزل کے شاعر تھے لیکن طبیعت کی جولانی ہر صنف میں دکھائی۔ قصیدہ، رباعی، مرثیہ، مسدس، مخمس وغیرہ میں خوب خوب دادِ سخن دی۔ ان کے مزاج میں شاعرانہ احساسِ فوقیت بدرجہ اتم تھا۔ انہوں نے انیس پر اظہار فوقیت کے لیے رباعیاں لکھیں۔ محسن کے قصیدہ کے جواب میں قصیدہ لکھا۔ ان کا یہ مخصوص مزاج جلیل و داغ کے مقابلہ میں بھی کارفرما نظر آتا ہے جیسا کہ ان کی بعض غزلیات سے ظاہر ہے جو انہوں نے ہر دو شاعر کے رنگ میں کہی ہیں۔

ثاقب نے اردو، ہندی، فارسی و عربی چار زبانوں میں فکرِ سخن کی۔ تمام سرمایہ تلف ہوگیا صرف وہ کلام باقی رہ گیا جو اپنے وقت کے رسائل میں شائع ہوا۔ کلام کا ایک مختصر مجموعہ کلام ثاقب کے نام سے عثمانی پریس بدایوں سے ۱۹۲۸ء میں طبع ہوا۔ علاوہ ازیں ایک مسدس "علم کا مرکز" امیر الاقبال پریس بدایوں سے ۱۹۲۴ء میں طبع ہوا۔ صاحب تذکرۃ الشعراء نے ان کی ۹ مطبوعہ کتب کا تذکرہ کیا ہے[۱] مخزن لاہور (جون ۱۹۰۷ء) اور اردوئے معلی علی گڑھ (جولائی ۱۹۱۴ء) میں ان کے کلام کا انتخاب بھی شائع ہو چکا ہے۔

ان کے قصائد میں قصیدہ 'چراغ مدعا' اور 'ریاض شاداب' مشہور ہیں، مگر نایاب ہیں۔ یہ دونوں قصائد ۱۹۰۱ء میں وکٹوریہ پریس بدایوں سے شائع ہوئے۔

'چراغ مدعا' نعتیہ قصیدہ ہے اور محسن کاکوروی (ف ۱۹۰۵ء) کے نعتیہ قصیدے 'مدیح خیر المرسلین' (۱۲۸۷ھ) کا گویا جواب ہے۔ ثاقب کے اس قصیدے کی ایک نقل مبشر علی صدیقی (ف ۱۹۸۷ء) نے راقم الحروف کی طلب پر عنایت کی تھی جس پر مختصراً اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

---

[۱] تذکرۃ الشعراء، ص ۲۷ : ۳

قصیدہ مدیح خیر المرسلین، زبان اور ماحول کے اعتبار سے قطعی علاقائی ہے۔ اس کی تشبیب میں کاشی، متھرا، گوکل وغیرہ ہندوؤں کے مقامات مقدسہ اور شرب طوبیٰ، کوثر، مدینہ، کعبہ، حور و غلماں دین اسلام کی مخصوص علامتوں کا بڑا خوبصورت امتزاج ہے۔ بقول حامد حسین قادری[۱]

(یہ قصیدہ) اس قدر مکمل و بلند اور بدیع و بلیغ تھا کہ ایک زمانہ میں اردو کے تمام نعتیہ قصائد کو اس کے سامنے گھن لگ گیا تھا۔

اس قصیدے کو تین شاعروں سید حمید الدین رعنا، منشی عبدالمجید سحر کاکوروی (ف ۱۸۹۹ء) منشی امیر احمد امیر مینائی (ف ۱۹۰۰ء) نے تضمین کیا۔ ثاقب نے جیساکہ ان کی فطرت تھی اس قصیدہ کے مقابلہ میں ایک قصیدہ کہا اس قصیدہ کی شان نزول صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق ٹونکی کے الفاظ میں یہ ہے :

۱۵/۱۶ اگست ۱۹۰۰ء کو سید حمید الدین صاحب رعنا، محسن کاکوروی کے اس مشہور قصیدے پر تضمین کر کے استاد ظہیر کی خدمت میں اصلاح کو لائے (سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل) اس وقت میں اور مولوی نجم الدین احمد صاحب بدایونی بھی اتفاق سے ظہیر کی خدمت میں موجود تھے لیکن ثاقب صاحب بخار و سر درد وغیرہ امراض متعددہ میں مبتلا تھے۔ حضرت رعنا مخمس سنا کر اصلاح حاصل کرنے میں مشغول ہوئے اور جا بجا محسن کی تعریف بڑھے چڑھے الفاظ میں کرتے جاتے تھے۔ ثاقب مبتلائے تپ ہونے کی وجہ سے کم متوجہ تھے۔ اس پر حضرت رعنا نے بار بار دوستانہ چٹکیاں لیں کہ مولانا صاحب کو محسن کا قصیدہ ناپسند ہے جو آپ داد میں کم کوش ہیں۔ ثاقب نے جو کہ ایک نوجوان اور مغرور الطبع اور پھر اس پر طرہ یہ کہ بیماری سے اور بھی چڑچڑے ہو رہے تھے جل کر یہ جواب دیا کہ ہاں اچھا ہے مگر کچھ آیت نہیں، حدیث نہیں، ایسا بے مثل کلام جس کو ہمہ تن گوش ہو کر سنا ہی جائے۔ میرے نزدیک تو آپ نے مصرعے خوب لگائے ہیں اس کے سنتے ہی اس بےچین طبیعت والے کو صبر و ضبط کہاں تھا اسی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہا کہ بہت اچھا کل آکر سن لینا۔" (تقریظ چراغ مدعا)

چنانچہ ثاقب نے اسی روز چار سو شعر کا قصیدہ اسی زمین میں کہہ ڈالا۔ اور محسن کے نظم کردہ مضامین پر خوب خوب چوٹیں کیں۔ استاد ظہیر قصیدہ سن کر متعجب ہوئے اور خوش ہو کر پہلوان سخن کا خطاب دیا[۲]

۱۔ نقد و نظر ص: ۵۷ ۲۔ تذکرۃ الشعراء ص ۴۰ ۔ خمخانۂ جاوید ج ۲/ ص: ۱۸۳

اس قصیدے کو محض محسنؔ کے قصیدے کا جواب نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اس میں شاعری کے فن کا جس اعلیٰ سطح پر اظہار ہوا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

مطلع نور کی تضمین میں کالا بادل — چشمۂ خضر کہاں اور کہاں گنگا جل
باغ جنت کے مقابل میں فضائے گوکل — سچ تو یہ ہے شعراء کے ہے دماغوں میں خلل
نعت پاکِ نبوی اور مدیحِ سری کشن! — اے کجا کوثر و تسنیم، کجا گنگا جل
نعت اور کفر کی تضمین الٰہی توبہ!! — فرش کانٹوں کا بچھاتے ہیں بجائے مخمل
جائے حورانِ بہشتی ہیں زنانِ متھرا — نخل طوبیٰ کی جگہ سرو قدانِ گوکل
حور و غلماں کی جگہ ذکر بتانِ کاشی — جام کوثر کے عوض کانچ کی چھوٹی بوتل
گوپیوں کی کہیں چھل بل ہے کہیں کشن کی دھن — کہیں اندر کا اکھاڑا کہیں بوڑھوا منگل
جے سری جی کی کہیں اور کسی جا ڈنڈوت — ہے نمسکار کہیں اور کہیں کھیم کشل
کفر و اسلام کی سدھ بدھ ہے نہ کچھ پاسِ ادب — نشۂ بادۂ مضموں میں ہوئے ایسے اٹل
آخر اس جوشِ جنوں کا کبھی ٹھکانا کوئی! — بھنگ نوشوں کے تخیل ہیں کہ رندوں کے زٹل

وادیِ نعت رسول مدنی ہے درپیش — چھوڑ اب چھوڑ یہ ویرانۂ پرخار دجل
کیا رہِ نعت میں تاریکیٔ شب سے خطرہ — دیدۂ خضر سے ہر گام ہے روشن مشعل
تشنگی کا جو خیال آئے دلِ رہرو میں — لائیں الیاسؑ کبھی مہماں کی خاطر چھاگل
خوانِ نعمت کا چنیں دستِ مبارک سے خلیلؑ — منہ سے بیساختہ الجوع اگر جائے نکل
پیارے اپنا عصا حضرت موسیٰ بخشیں — فرشِ مخمل پہ اگر پاؤں کہیں جائے پھسل
خستہ ہو کر جو مسافر سرِ منزل بیٹھے! — قُم عیسیٰ سے بڑھے جسم میں کس پاؤں میں بل

پاؤں میں آکے سرِ راہ جو دامن پھٹ جائے — ابھی پیوند کو دیں حضرت مریمؑ آنچل
دیں سواری کے لیے حضرت صالحؑ ناقہ — دو قدم چلنے دیں مہماں کو نہ اپنے پیدل
سفرِ بحر جو درپیش ہو اس منزل میں — کشتیٔ نوحؑ ہو آنکھ سے دم بھر اوجھل
دھن جو بندھ جائے کبھی زمزمۂ بلبل کی — لحن داؤدؑ سے پیدا ہو یہ نعتیہ غزل

رتبۂ شانِ نبیؐ روزِ مکافاتِ عمل — نقدِ رحمت بہ کف و جنسِ شفاعت بہ بغل
مصطفیٰ شرحِ "لقد جاء رسول منکم" — مصطفیٰ معنیٔ "ما ینطق" ماقل و دل
مصطفیٰ نطقِ خدا "ان ھو الا یوحیٰ" — مصطفیٰ سرمۂ مازاغ بچشمِ اشہل
مصطفیٰ جلوہ دہِ منزلِ "قاب قوسین" — مصطفیٰ معنیٔ "لولاک لما" کا مجمل
مصطفیٰ مہرِ جہاں تاب "وما ارسلناک" — مصطفیٰ خاتمِ والشمس کا روشن مصقل
مصطفیٰ گزشتہ نبیاً بزمانِ ماضی — مصطفیٰ ہادیٔ مستقبل و خود مستقبل
زہے فخر ترا سب ترے در پر سائل — اغیار ہیں ترے محتاج گدا اہلِ دول
سن لے اے ثاقبِ مداح کی دو دو باتیں — مدح خوانی کے سوا اور نہیں حسنِ عمل

(۶۱) جامی:[۱]

محمد عبدالجامع ولد (حاجی) عبدالقدیر قدیر ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان کے ایک متوسط الحال زمیندار گھرانے میں ۲ ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ/ ۱۴ مارچ ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم کے بعد فارسی مولوی ریاض الدین فرشوری اور جملہ علوم عربیہ یعنی درس نظامی کی تکمیل مولانا سید یونس علی محدث بدایونی (ف ۱۳۵۴ھ) سے کی۔ بعد فراغت تعلیم آبائی جائیداد و زمینداری کو بہ صورت معاش ترقی دی اور اسی پر قناعت کی۔ ۱۸۹۷ء میں ازدواجی زندگی سے منسلک ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں اہلیہ کے انتقال کے بعد اولاد کے ہمراہ پاکستان کے لیے ہجرت کی اور کراچی کو اپنا مستقر بنایا۔ وہیں ۲۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو وفات پائی۔ لیاقت آباد میں واقع قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔ جام نوائی نے تاریخ کہی[۲]

جب ان کے جمالِ ضیا بخش سے — منور ہوئی بزمِ باغِ بہشت
تو فوراً سنِ عیسوی و داع — ہوا جام۔ جامی چراغِ بہشت
(۱۹۶۵ء)

جامی سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی (ف ۱۹۰۶ء) اور سلسلہ چشتیہ میں سید شاہ ظہور حسین مارہروی (ف ۱۸۹۵ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے۔ شاعری میں بھی اسی خانوادے کے استاد شاعر احسن مارہروی (ف ۱۹۴۰ء) کے شاگرد تھے۔

۱۔ ماخذ تعارف از قلم عبدالرشید صدیقی مشمولہ ظہور قدسی
مولانا جامی شخصیت اور فن از قلم محمد ابرار علی صدیقی مشمولہ زادِ آخرت ص: ۶۱ تا ۶۴، میخانۂ جامی ص: ۱۰ تا ۴۲
۲۔ زادِ آخرت ص: ۶۷

جامی نے کم عمری ہی میں شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ انہوں نے تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی خصوصاً غزل میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔ انہوں نے ایک عرصہ تک بدایوں میں داغ اسکول کی سچی نمائندگی کی۔ چونکہ طبیعت فقر و تصوف سے مناسبت رکھتی تھی لہٰذا نعت و مناقب کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار شروع کر دیا۔ نبی خانہ بدایوں کی محافل میلاد اور کعبۃ اللہ کی زیارت نے ان کے جذبات میں تپش پیدا کی اور انہوں نے نعت نبی کو اپنے والہانہ جذبات، عارفانہ خیالات اور روحانی بے چینی و وارفتگی سے بڑی وسعت دی۔ بدایوں کے نعت گو شعراء میں بہ لحاظ کیفیت وہ ممتاز شاعر کہے جا سکتے ہیں۔

نعت کے علاوہ دیگر اصناف پر مشتمل ان کا کلام ہنوز طبع نہیں ہو سکا ہے۔ ان کی وفات کے بعد پاکستان سے ان کے پسماندگان نے دو کتابیں طبع کرائیں۔

ظہور قدسی: یہ ایک ترکیب بند ہے جو بسلسلہ ولادت آنحضورؐ ہے۔ باب الاسلام پریس کراچی سے شائع ہوا۔ سال اشاعت ندارد

زادِ آخرت: نعت کا دیوان۔ قدیر صدیقی کی ترتیب سے ۱۹۹۲ء میں توصیف پرنٹرز کراچی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں نظمیں، تضمین، رباعیات، قطعات، غزلیں وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ مذکورہ ترکیب بند بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ مجموعہ کے آغاز میں پروفیسر ضیاء احمد، ڈاکٹر فرمان فتحپوری اور بعض دوسرے معتبر قلمکاروں کی آراء شامل کی گئی ہیں۔ جو نعت کے باب میں اس کی اہمیت، افادیت اور معنویت کو ظاہر کرتی ہیں۔

جامی نے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد چھوڑی جن میں مشہور مزاح نگار دلاور فگار اور غزل گو رونق بدایونی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ رونق صاحب نے بزم جامی (۱۹۶۵ء) قائم کر کے جامی کی یاد کو قائم رکھا اور جامی صاحب کے تمام تلامذہ کی ان کے بعد سرپرستی فرمائی۔

نمونۂ کلام:

ملی نجات جو آئی قضا مدینے میں
گناہ ڈوب گئے موت کے پسینے میں

رہے لحاظ دم حاضری مدینے میں
پڑے نہ فرق ادب کے کسی قرینے میں

ملا تھا لطف حیات بہشت جینے میں
ہر اک فکر سے آزاد تھے مدینے میں

ہر اک جگہ مری عمر رواں ہوئی برباد
وہی شمار میں ہے جو کٹی مدینے میں

ولائے آل نبی ہے نجات کی کشتی
جناں پہنچ گئے بیٹھے جو اس سفینے میں

پھر ایک بار دکھا دے بہار جنت کی — مدینے والے بلا لے مجھے مدینے میں
نہا کے چل عرقِ انفعال سے جامیؔ! — کہ غرقِ روزِ قیامت نہ ہو پسینے میں

صبا لادے ذرا سی خاک ان کے آستانے کی — یہی تدبیر ہے بگڑی ہوئی قسمت بنانے کی
بلندی چرخِ ہفتم کی سمائے کیا نگاہوں میں — زیارت کی ہے ان آنکھوں نے انکے آستانے کی
الٰہی پھر مدینے کی زیارت میں زیارت ہو — نظر کو، وزن و در کی جبیں کو آستانے کی
کفن پہنا کے تو خاک مدینہ منہ سے مل دینا — یہی بس ایک صورت ہے خدا کو منہ دکھانے کی
ترا دستِ طلب جامیؔ کبھی نیچا نہ دیکھے گا — ہوا کرتی ہے اونچی بھیک اونچے آستانے کی

بڑھ جاتی ہے وہ قیمت ان کی رحمت نے گناہوں کی — یہ شے بازارِ محشر میں گراں معلوم ہوتی ہے
گزر جاتی ہے جو یادِ ہوائے باغِ طیبہ میں — مجھے وہ سانس عیشِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

کہاں میں اور کہاں یہ تابِ خاک طیبہ کی — صبا اٹھنا ذرا یہ میری آنکھوں میں لگا دینا

مری جامہ دری کے حوصلے ہو جائیں گے پورے — گریباں سے جو رہ جائیں گے وہ دامن سے نکلیں گے
ملی تختی جو کبھی برقِ تبسم کی تجلی میں — مرے خارِ الم اس گم شدہ سوزن سے نکلیں گے

بزمِ جہاں میں بادۂ اطہر کی ہے تلاش — یعنی نگاہِ قاسمِ کوثر کی ہے تلاش
میں ڈھونڈتا ہوں خارِ مدینہ بہشت میں — رضواں یہ جانتا ہے گلِ تر کی ہے تلاش
سیکھوں گا خدمتِ شہِ قنبر کے قاعدے — سلمان فارسیؓ و ابوذر کی ہے تلاش

(۴۲) حامد :

(مولانا) عبد الحامد ولد (حکیم) عبد القیوم قادریؒ۔ ساکن مولوی ٹولہ۔ عثمانی خاندان میں ۱۴ر جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ / ۷ر دسمبر ۱۹۰۰ء کو آبائی مکان (بمقام بدایوں) میں پیدا ہوئے[۱]۔ درسِ نظامی کی تکمیل اپنے بھائی مولانا عبد الماجد بدایونی کے زیرِ نگرانی مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں سے

---

[۱] تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ راقم نے ان کے تاریخی نام 'محمد ذو الفقار حق' کو صحیح مانا ہے۔

کی۔ موتمر الذکر مدرسہ کے بعد میں مہتمم بھی بنے۔ مولانا عبدالمقتدر اور مولانا عبدالقدیر سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔

مولانا عبدالماجد کے ہمراہ سیاسی جلسوں میں شرکت شروع کی۔ رفتہ رفتہ مسلم لیگ کے ہم نوا بن گئے اور لیگ ہی کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کی مسلم سیاست میں ایک پرجوش مقرر اور مبلغ کی صورت میں نمایاں ہوئے اور "مجاہد ملت" کے لقب سے یاد کیے گئے۔

ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۱۸ء سے ہوا جب وہ پہلی مرتبہ مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں شریک ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں جب خلافت تحریک کو کل ہندوستان میں منظم طریقے پر تشکیل دینے کا پروگرام مرتب ہوا تو مولانا نے بھی اپنے بھائی کی طرح ملک کے دور دراز حصوں کا دورہ کیا اور ضلعی، صوبائی اور مرکزی کمیٹیاں قائم کرانے میں بقدر استطاعت حصہ لیا۔

۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کونسل کے ممبر نامزد ہوئے۔ ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخاب میں مسلم لیگ کی حمایت اور کانگریس کی مخالفت میں ان کی تقریریں بڑی موثر ثابت ہوئیں۔ خاص طور پر صوبہ سرحد میں ان کی تقاریر نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اس طرح مسلم لیگ اپنے اثرات قائم کرنے میں کامیاب ہوئی اس کامیابی سے خوش ہو کر محمد علی جناح نے انھیں "فاتح سرحد" کا خطاب دیا۔[له]

۱۹۴۷ء کے اواخر میں وہ کراچی گئے اور وہاں پاکستان کے دستور سازی کے سلسلہ میں دوسرے علماء کے ساتھ ساتھ وہ بھی فعال رہے۔ جب حکومت پاکستان نے اسلامی مشاورتی کونسل بورڈ قائم کیا تو ان کو بھی اس کا ممبر نامزد کیا۔

۱۹۵۳ء میں ختم نبوت تحریک کو خلاف شرع اور خلاف قانون قرار دیے جانے پر انھیں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔

وہ صرف سیاسی آدمی نہ تھے بلکہ مبلغ اسلام بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے قیام پاکستان کے بعد جمعیۃ علمائے پاکستان کی بنا ڈالی اور ایک جامعہ تعلیمات اسلامیہ (کراچی) قائم کیا جو اب صرف بدایونی کالج بن کر رہ گیا ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء کو کراچی میں واصل بحق ہوئے۔ مزار بدایونی کالج کے احاطہ میں واقع ہے۔[عه] پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور ایک بیٹی حیات ہیں۔

وہ ایک اچھے قلمکار بھی تھے۔ ۱۹۳۵ء میں نواب الٰہی بخش خاں معروف دہلوی (ف ۱۸۲۷ء) کا

له۔ مجاہد آزادی مولانا عبدالحامد، مشمولہ مجلہ بدایوں کراچی اگست ۹۳ء

عه۔ ایضاً۔

کا دیوان (دیوانِ معروف) انھیں کی کوششوں سے نظامی پریس بدایوں سے طبع ہوا۔ اس دیوان کے نسخہ کی صحت خود انھوں نے کی اور اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا۔ جو معروف کے خاندانی حالات اور مرزا نصراللہ خاں صدر محاسب حکومت حیدرآباد کی مدح و ستائش پر مشتمل ہے۔

صاحب تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان (مطبوعہ کانپور بار اول سنہ ندارد) نے ان کی چودہ تصانیف کے نام درج کیے ہیں۔ لیکن ان کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی صراحت نہیں کی۔

نعت کے خوش فکر شاعر تھے۔ بہت کچھ کہا مگر سیاسی مصروفیات کے سبب اس کی اشاعت پر توجہ نہ دے سکے۔ شمیم حسینی نے ان کا حسب ذیل کلام نقل کیا ہے۔

السلام اے سبز گنبد کے آقا السلام — السلام اے امتِ بیکس کے مولا السلام
السلام اے عرشِ حق پر جانے والے السلام — السلام اے جَو کی روٹی کھانیوالے السلام
السلام اے حامد و محمود و احمد السلام — السلام اے مصطفےٰ فخرِ اب وجد السلام
السلام اے دو جہاں کے تاج والے السلام — السلام اے بیکسوں کی لاج والے السلام
السلام اے سید الکونین سلطانِ حجاز — السلام اے دستگیرِ عاصیاں بیکس نواز
السلام اے آنکہ دربان و رش روح الامیں — السلام اے آنکہ محتاجش سلاطینِ زمیں
السلام اے صاحبِ معراج سلطانِ رسل — السلام اے گلشن آرائے بہارِ جز و کل
السلام اے بحرِ رحمت صاحبِ خلقِ عظیم — السلام اے مرتبہ تفسیرِ قرآن کریم
السلام اے رحمت باری شفیع المذنبیں — السلام اے فیض جاری رحمۃ اللعالمین
السلام اے اشرف و اکرم ز جملہ ماسوا — السلام اے افضلِ مخلوق حق بعد از خدا

السلام اے خلق کے فریادرس حاجت روا — السلام اے کارساز و یا محمد مصطفےٰ
یا رسول اللہ لیجیے ہم غلاموں کا سلام — دست بستہ حاضرِ دربار ہیں بیکس غلام
پڑ گئی ہے جس کی جانب آپ کی چشم کرم — لطفِ حق اس کی طرف ہے اپنی آنکھوں کی قسم
جو طلب جس نے کیا سرکارِ والا جاہ سے — مرحبا شان کرم پایا وہی اللہ سے
آپ ہی کی سمت پھیلاتے ہیں سب دستِ طلب — اپنی منہ مانگی مرادیں آپ سے پاتے ہیں سب
حالتِ امت سے ہو چشم کرم بہرِ خدا — مبتلائے رنج و غم ہیں آپ کے در کے گدا
دین پایا آپ کا اسلام جس کو پیارے — پرورش فرمایا آغوشِ کرم میں آپ نے

اپنے شہزادوں کو تم نے جس پہ قربان کر دیا | جس کی حرمت پر شہیدانِ وفا نے سر دیا
جس کی خاطر بدر میں اے صدرِ بزمِ کائنات | خلد سے اللہ نے بھیجی فرشتوں کی بارات
کیا ستم ہے کیا قیامت آج اس اسلام پر | کر رہے ہیں جور بے حد دشمنانِ کینہ ور
کر رہے ہیں کوششیں اعدائے دیں صبح و شام | دین برحق کا رہے باقی نہ اب دنیا میں نام
ہو بلائی پرچم اسلام بے نام و نشاں | حکمرانِ خلق ہوں باطل پرستانِ جہاں

یا رسول اللہ گو مجرم ہیں شیدائی ضرور | نام لیوا تو مگر ہیں آپ کے ہی سب حضور
چشمِ رحمت سے گنہگاروں کی حالت دیکھئے | سبز گنبد سے ذرا اب سوئے امت دیکھئے
رحمۃ للعالمین للہ چشمِ لطف ہو | مسلم بیکس کی کچھ تو گریہ و زاری سنو
یا رسول اللہ صدقہ حضرتِ حسنین کا | واسطہ صدیقؓ کا فاروقؓ و ذوالنورینؓ کا

---

(۴۴) حمزہ:[1]

عبدالرزاق ولد فضل رزاق ساکن محلہ سوتھا۔ فرشوری خاندان میں ۱۶ شعبان ۱۳۱۰ھ / ۵ مارچ ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ پیدائش کی تاریخ انھوں نے ایک قطعہ کی صورت میں نظم کی تھی وہی ہماری معلومات کا ماخذ ہے۔

وہ سولھویں صبح پیر کی تھی | شعبان میں جب ہوا ہوں پیدا
حمزہ کہ میں ہوں غریب محمود | ہے مجھ پہ فضل کبریا کا

"غریب محمود" سے ۱۳۱۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

عربی و فارسی کی واجبی استعداد بہم پہنچائی۔ ۱۹۱۸ء میں لاہور کالج سے بائیو کیمک کی سند حاصل کرکے کچھ عرصہ اہلِ وطن کی خدمت انجام دی بعد میں سرکاری ملازم ہوگئے۔ محکمہ پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف میں ڈپٹی پوسٹ ماسٹر اور پوسٹ ماسٹر رہے۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں سہسوان سے پنشن پائی۔

شاعری کا آغاز ۱۹۱۸ء سے کیا اور عطا محمد عطا کے شاگرد ہوئے۔ بدایوں میں انھوں نے مشاعروں اور شعری نشستوں کا کثرت سے اہتمام کیا۔ سال میں دو مشاعرے اور ماہ میں ایک اچھی نشست اور ہر جمعرات کو محفل میلاد منعقد کرتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ 'بیت الحاج' شاعری کا مرکز بن گئی تھی۔

---

[1] خود نوشت حالات مشمولہ اسلامیہ کالج میگزین بدایوں ۵۵-۱۹۵۴ء

فریضۂ حج سے چار مرتبہ مشرف ہوئے اور نعت و مناقب کہنا زندگی کا نصب العین بنایا بہت زود گو تھے۔ طویل غزلیں کہتے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں بدایوں کے شعراء کی ایک منظوم فہرست شائع کی۔ جو پسند کی گئی۔

۱۹۶۲ء میں انتقال کیا باغ غلام قنبر کے نزدیک مدفون ہوئے۔ پس ماندگان میں تین لڑکے یادگار چھوڑے۔ منجھلا لڑکا محمود رزاق قادری اسلامیہ کالج بدایوں میں ملازم ہے۔

نمونہ کلام :

اب میں ہوں اور دونوں جہاں کی ہیں نعمتیں — وہ مل گئی ہے دولت حب نبی مجھے

اس کی مئے طہور کو کیا پوچھتے ہیں آپ — حمزہ نے چار بار مدینے میں جا کے پی

نعت پاک نبوی میرا وظیفہ حمزہ — مدحت شاہ میں ہے وقف مرا تن من دھن

اے مدینے کے تاجدار سلام — اے غریبوں کے غمگسار سلام

تو نے ہر بات خوب پائی ہے — تو خدا کا تری خدائی ہے

تو خدا کی ہے خدائی میں سراپا رحمت — تجھ سے رحمت کا طلبگار ہے حمزہ تیرا

(۴۴) حمید :

(حافظ حمید الدین ولد سعید الدین ساکن مولوی ٹولہ۔ دانشمند خاندان کے فرد تھے والد کا سایہ ۱۲ سال کی عمر ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ اپنے خالو انوار حسین (جج) کے زیر سایہ تعلیم کے مراحل طے کئے تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ مدت سب انسپکٹر پولیس کی حیثیت میں خدمات انجام دیں اور ملازمت ترک کر کے وطن آ گئے۔

عابد و زاہد تھے حضرت سید شاہ ابو الحسن میر صاحب مارہروی (ف ۱۸۹۴ء) کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ فطری شاعر تھے محمد رفیع احمد عالی بدایونی (ف ۱۹۲۴ء) سے تلمذ تھا۔ شہید حسین نے لکھا ہے[1]

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص : ۲۸۶

آپ کی شاعری حمد، نعت اور منقبت تک محدود تھی۔"

بدایوں میں آبادشیوخ صدیقی کے خاندان پر مشتمل ایک کتاب "عمدۃ التحقیق فی آل سیدنا صدیق" نوکشور پریس بدایوں ۱۳۳۲ھ/۱۴-۱۹۱۳ء) ان سے یادگار ہے۔

۷۷ سال کی عمر میں ۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۵۸ھ/۲۸ر جولائی ۱۹۳۹ء کو بدایوں میں وصال ہوا اور یہیں مدفون ہوئے[۱] نمونہ کلام[۲]:

بہت ہے مجھ سے امید تعاون | لگی ہے ایک مدت سے یہی دھن
سن اے جان محبت آشناسن | نسیما جانب بطحا گذر کن!!

زاحوال محمد را خبر کن

کہاں تک کاہش غم یا محمد | کہاں تک اشک پیہم یا محمد
کہاں تک دامن نم یا محمد | تو ئی سلطان عالم یا محمد

زروئے لطف سوئے من نظر کن

بہت مدت سے ہوں شوق سراپا | میری نظریں بھی ہیں بیتاب جلوہ
کہاں تک آہ یہ امروز فردا | بریں ایں جان مشتاقم سرآں جا

فدائے روضۂ خیر البشر کن

بحال دردمندان محبت | بپاس گوشۂ دامان رحمت
حمید خستہ پر بھی ہو عنایت | مشرف گرچہ شد جامی زلطفت

خدا را ایں نظر بار دگر کن

---

(۴۵) حیا:

(مولوی) عبدالرحمٰن ولد مولانا احمد حسن شاہ۔ ساکن قاضی ٹولہ۔ خاندان بنو حمید میں ۷۷ ۱۲ھ/۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میر ولایت حسین (ساکن آنولہ، بریلی) سے حاصل کی۔ مولوی محمود حسین سے فارسی اور مولانا سید عبدالکریم سمرقندی سے عربی کی تحصیل کی۔ موخرالذکر کے ہاتھوں دستار فضیلت حاصل کی اور انھیں کے زیر اثر تصوف و معرفت کا شوق دامنگیر ہوا۔

۱۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۲۸۶ تا ۲۸۷

۲۔ بہ بخش مولوی نثار احمد ممنون کر عارف پر ویز۔

ابتدا میں کچھ دن ریلوے میں گارڈ رہے بعد میں اجمیر شریف جاکر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں خواجہ اللہ بخش تونسوی (ف ۱۹۰۱ء) کے مرید ہوئے۔ مرشد کی صحبت میں بہت جلد فقر کے منازل طے کرکے سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا۔

بیشتر قیام دہلی میں حضرت محبوب الہیٰؒ کی درگاہ کے ایک حجرے میں رہا۔ اور وہیں ۴ رجمادی الثانی ۱۳۶۰ھ / ۲۹ر جون ۱۹۴۱ء کو وصال فرمایا۔ کھر ڑیہ مہرولی روڈ متصل حوض خاص کالونی دہلی میں مدفون ہوئے۔

ایک کتاب مخزن تصوف (دہلی ۱۹۲۵ء) یادگار ہے جو تصوف کے اسرار و معارف پر اچھی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

نعت و منقبت کے اچھے شاعر تھے۔ نمونہ کلام میں صرف چند شعر دستیاب ہوئے جو حمد و نعت سے متعلق ہیں۔[۱]

میں آئینہ ہوں کس کے رخِ بے مثال کا — اس آئینہ میں عکس ہے کس کے جمال کا
لے پردہ اب حیا کے تصور میں آئیے — پردہ بنا بنایا ہے جسمِ خیال کا

مر دے کے اٹھایا ہے ترا بار امانت — جو کھیل گئے جان پہ اے یار ہمیں ہیں
تو ساغرِ توحید حیا ہی کو دیے جا — اے ساقی کوثر ترے مے خوار ہمیں ہیں

جس کے موسیٰ تھے طلبگار مسیحا عاشق — جلوہ آرا ہے وہی شوخ دل آرا مجھ میں

یہ آنکھ وہ ہے جو کرتی ہے جستجو تیری — یہ دل وہ دل ہے جو رکھتا ہے آرزو تیری
حرم میں، دیر میں، مسجد میں خانقاہوں میں — کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجو تیری
دکھلا رہی ہے چمن میں ہر اک کا منہ شبنم — کہ پتہ پتہ کرے یاد باوضو تیری

۱۔ ماخذ: مردانِ خدا (طبع اول) ص: ۵۴-۵۳-۵۴۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۲۸۷
خطی تحریر از قلم ماسٹر منظور احمد مرحوم ساکن گلی وحید بخش بدایوں۔
مجلہ بدایوں کراچی اگست ۱۹۹۳ء

(۴۶) ذائقؔ:[۱]

محمد ایثار علی عرف مولوی میاں، ولد دلدار علی مذاقؔ بدایونی۔ ساکن محلہ قاضی ٹولہ صدیقی النسب تھے۔ یعنی خاندان بنو حمید میں ۱۱ ر شوال ۱۲۸۹ھ / ۱۲ ر دسمبر ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے[۲] ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مولانا مفتی حفیظ اللہ خاں گلشن آبادی (جاورہ) اور مولوی سید یونس علی محدث بدایونی (ف ۱۹۴۰ء) سے بھی تحصیل علم کیا۔ جملہ درسیات کی تکمیل مولوی ید اللہ سنبھلی کے ہاتھوں ہوئی۔

تعلیم مکمل کرکے رجب ۱۳۰۴ھ / مارچ ۱۸۸۷ء میں سلسلہ طریقت میں داخل ہوئے اپنے والد سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء میں مولوی ید اللہ سے دستار فضیلت حاصل کیا۔ اور ۱۳۱۲ھ / ۹۵-۱۸۹۴ء میں صاحب سجادہ ہوگئے۔

انھوں نے تین عقد کیے تھے زوجہ اول سے اولاد ذکور میں دو فرزند مولوی اخیار علی فائقؔ (ف ۱۹۵۲ء) اور محمد اسرار علی شائقؔ (ف ۱۹۷۸ء) یادگار چھوڑے۔

سلسلہ چشتیہ و نظامیہ میں ذکر و شغل کے تمام معمولات کو پورا کرتے تھے۔ تصنیف و تالیف سے بھی شغف تھا۔ لیکن ان کے رہائشی مکان میں ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء میں آگ لگ جانے کے سبب تمام مسودات تلف ہوگئے چند کتب کے نامکمل مسودات بچ رہے جو ان کے خاندان میں محفوظ ہیں کتب یہ ہیں۔

(۱)۔ میلاد سید الانس والجان باثبت عن القرآن۔ (۲)۔ میلاد غوثیہ (۳)۔ رسالہ علم طبیعات۔
(۴)۔ حاشیہ شرح وقایہ (۵) کلیات شاعری (اردو و فارسی)

ان کا کلیات ان کے بیٹے سید اسرار علی شاہ شائقؔ بدایونی نے ۱۹۶۲ء کے آس پاس ترتیب دیا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں یہ راقم الحروف کی نظر سے گزرا۔ راقم الحروف نے اس پر دیباچہ بھی لکھا تھا۔ ان کے اخلاف نے اس کی اشاعت کا منصوبہ بنایا تھا مگر معلوم نہیں اس کے بعد کیا ہوا۔

۱۔ ماخذ سوانح حیات سید شاہ محمد ایثار علی (حصہ دوم) از قلم محمد اسرار علی شائقؔ بدایونی سال تصنیف ۱۹۶۶ء قلمی۔ مملوکہ راقم الحروف

۲۔ سنہ اور تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے ابرار علی نے ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء (آئینہ دلدار ص۳۲) شہید حسین نے ۱۸۷۳ء (تذکرہ شعرائے بدایوں ص۳۰۳) ضیا علی خاں نے ۱۰ ر شوال ۱۲۹۰ھ (مردانِ خدا ص۵۲۵ بار سوم) لکھی ہے۔ راقم الحروف نے قلمی سوانح حیات میں پیش کردہ تاریخ کو معتبر خیال کیا ہے۔

یہ کلیات اُردو فارسی اور ہندی کلام پر مشتمل تھا جو نعت و مناقب تک محدود تھا۔ قدرے ہندی کلام بھی شامل تھا مگر یہ بھی اسرار و معرفت کے مضامین سے مملو تھا۔

۲۴ر شعبان ۱۳۷۹ھ / ۲۲ر فروری ۱۹۶۰ء کو وصال ہوا۔ آستانہ مذاقیہ کے مشرقی دالان میں سپردِ خاک کیے گئے۔ نوشہ عباسی نے تاریخ کہی:

اللہ کو ہو گئے پیارے ذایقؔ — تھے مرد بزرگ حق تعالیٰ کے ولی
تاریخ میں ہو رہا ہے خیر مقدم — لوآئے جناں میں شاہ ایثار علی

۱۳ ھ ۷۹

شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ اردو فارسی، ہندی میں یکساں قدرت کے ساتھ شعر کہتے تھے۔ عروض پر اچھی نظر تھی اور تاریخ گوئی پر بھی قدرت حاصل تھی۔ فن شعر میں اپنے والد مذاقؔ بدایونی سے اصلاح لی۔

صاحب زہد و ورع بزرگ تھے۔ خلوت نشینی میں زندگی گزاری۔ خلفاء و مریدین کی ایک بڑی تعداد چھوڑی۔ نمونہ کلام:

کیا روئے منور ہے رسول مدنی کا — اک جلوہ پر نور ہے اللہ غنی کا
ہے حسن تجلی کا اثر شیشۂ دل میں — یا بال پڑا دل پہ ہے ہیرے کی کنی کا
جو لطف ملا ہجر میں وہ وصل میں کب ہے — فرقت میں مدینے کی غریب الوطنی کا
اس جیسا حسیں کوئی نہ ہوگا نہ ہوا ہے — اللہ بھی عاشق ہے رسول مدنی کا
عشاق نبی کے تو ہیں یوں سارے صحابہ — درجہ ہے بڑا سب سے اویس قرنی کا
وصفِ درِ دندان نبی ہو نہیں سکتا — یہ آب ہے کیا آب عقیق یمنی کا

ذایقؔ کو حلاوت ملے حسنین کے صدقے
قائل ہے زمانہ تیری شیریں سخنی کا

یاوری پر جو کہیں اپنا مقدر ہوتا — یا نبی آپ کا در اور مرا سر ہوتا
کاش آجاتا نظر دل میں بٹھا لیتا مجھے — دم قدم سے ترے آباد میرا گھر ہوتا
پاپیادہ ہی پہنچ جاتا مدینہ کی طرف — پھر تو کیا تھا میں نصیبہ کا سکندر ہوتا
روضہ پاک کی ہو جاتی زیارت جو کبھی — یوں پریشاں نہ مرا یہ دلِ مضطر ہوتا
یا محمد ترے رتبے کو خدا ہی جانے — کون ایسا تھا جو کونین کا سرور ہوتا

سایۂ پنجتن پاک ہے مجھ پر ذائق
میں نہ رسوا کبھی ہرگز سرِ محشر ہوتا

زمیں سے آسماں تک ہر جگہ جلوہ انھیں کا ہے — خدائی میں خدا کا نام ہے روشن محمد کا
درود و نعت اے ذائق رہے وردِ زباں ہر دم — تمام اذکار سے بس ذکر ہے احسن محمد کا

(۴۰) راغب:

یعقوب بخش ولد غوث بخش۔ ساکن محلّہ سوتھا۔ شیوخ صدیقی کی شاخ خاندان بخوش کے چشم و چراغ تھے۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ/ ۲۶ نومبر ۱۸۸۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے[1] ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا رفاقت اللہ، مولانا فضل احمد، مولانا سید یونس علی مولانا محب احمد، مولانا عبد المقتدرؒ وغیرہم شامل ہیں۔ قادری سلسلہ میں حضرت مولانا عبد القادر بدایونی اور ان کے بیٹے مولانا عبد المقتدر بدایونی سے بیعت تھے۔

جملہ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ ریاضی، علم ہیئت، نجوم، فلسفہ وغیرہ پر بھی عبور حاصل تھا۔ پروفیسر ضیاء احمد نے لکھا ہے[2]

> مولانا راغب مرحوم بڑے جامع الکمالات انسان تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام و اصول میں تبحر کے ساتھ تصوف، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، نجوم، رمل، جفر، طب، ادب، تاریخ اور دوسرے مختلف علوم میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے۔ حدیث اور ادب سے ان کو خاص شغف تھا۔ حدیث کے رجال اور لغت کے شواہد پر حیرت انگیز عبور تھا۔ عربی لکھنے بولنے پر انھیں کامل قدرت تھی۔ فارسی و اردو کا مذاق بلند تھا۔ اسی کے ساتھ انگریزی اور سنسکرت بھی بقدر ضرورت جانتے تھے۔ ذہن کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل مطالب بہ یک نظر مستحضر اور حافظہ کی یہ شان تھی کہ ہزاروں اشعار نوک زباں پر تھے۔

شاعری کا آغاز طالب علمی ہی کے دور سے ہو گیا تھا۔ ابتداء میں جلال لکھنوی (ف ۱۹۰۹ء) اور ان کے بیٹے کمال لکھنوی (ف ۱۹۱۱ء) سے اصلاح لی۔ بعد ازاں شوق قدوائی (ف ۱۹۲۵ء) کے تلامذہ میں شامل ہو گئے[3]

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۲۱۶
[2] علی گڑھ میگزین ۱۹۴۸ء
[3] حرفے چند مشمولہ کلیات راغب ص: ۸

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں فکر فرماتے تھے۔ فارسی کا کلام محفوظ نہیں رہا۔ عربی و اردو کلام چند گلدستوں اور کلیات میں محفوظ ہے۔

معاش کی طرف سے وہ بے فکر رہے۔ موروثی جائیداد پر گزر بسر کی۔ کتب بینی، علمی و ادبی محفلیں اور تنہائی میں عبادت گزاری ہی ان کا مشغلہ و معمول تھا۔ ۱۹۳۸ء میں سرشاہ سلیمان (ف ۱۹۴۱ء) وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اصرار پر یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات سے وابستہ ہو گئے اور تا دمِ حیات مستعدی سے تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ انھیں ایام میں البیرونی کے مقالات موسوم بہ "قانون مسعودی" کے بعض حصوں کا ترجمہ بھی کیا۔

باوجود بلند پایہ علمی صلاحیت اور وفنی فراغت کے انہوں نے کوئی مستقل علمی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی۔ جو کام شروع کیا وہ ناتمام ہی رہا۔ تاہم ان کی علمی عظمت کے شاہد چند مطبوعہ رسالے ضرور ہیں۔

پنڈت حبیب الرحمٰن شاستری، سید سلیمان ندوی، پروفیسر ضیاء احمد، سید الطاف علی بریلوی وغیرہ سے ان کے خصوصی روابط رہے۔ سید سلیمان نے ان کی وفات پر "معارف" میں ایک ماتمی اداریہ بھی لکھا تھا اس میں انہوں نے لکھا[1]

> مرحوم عربی کے عالم، ادب و لغت کے فاضل، اور ہیئت و نجوم کے استاد تھے عربی میں قصیدے بہت لکھے اور بہت اچھے لکھے۔ بدایوں کے سلسلہ قادریہ میں حب رسول کی بنا پر سیادت سے بے پناہ شیفتگی ہوتی ہے اس سلسلہ میں مرحوم کو مجھ بدنام کنندہ نکونامے چند سے بھی محبت کی عقیدت تھی چنانچہ اپنے عربی قصیدوں کو میری طرف نسبت دے کر میری عزت بڑھائی۔

بدایوں کے ایک بزرگ نے ایک مرتبہ گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا کہ علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کی تحریک پر فلسفہ زمان و مکان سے متعلق مولانا راغب سے کئی ماہ خط و کتابت کی تھی گو یہ قرین قیاس ہے لیکن اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا۔

۲۱ر فروری ۱۹۴۸ء کو انھوں نے علی گڑھ میں وفات پائی۔ تدفین درگاہ قادریہ کے قبرستان (بدایوں) میں عمل میں آئی۔ صبیح احمد کمالی نے آیت کریمہ سے سالِ رحلت نکالا[2]

اِنَّ المتقین فی جنّت و عیون

۱۳ ھ ۶۸

---

[1] معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۴۸ء [2] علی گڑھ میگزین ۱۹۴۸ء

اولادِ نرینہ میں محمد طیب بخش (ف ۱۹۹۲ء) نے بھی بعض کتابیں ترتیب دیں۔

راغب کی مندرجہ ذیل کتب یادگار ہیں۔

۱۔ النجم الطوالع (بدایوں ۱۹۲۱ء) البسقلاوس یونانی کی کتاب المطالع کا ترجمہ مع مقدمہ

۲۔ مسئلہ علم۔ مسلم مفکرین کی نظر میں (کراچی ۱۹۷۴ء)

۳۔ ارکانِ دینیہ (علی گڑھ)

۴۔ بہارِ بوستان (علی گڑھ) بوستاں کا انتخاب مع مقدمہ

۵۔ مالا بدمنہ کا تشریحی ترجمہ (علی گڑھ)

عربی کلام کے مجموعے۔

۱۔ القصیدۃ الکوکبیہ فی المناقب العلویہ (بدایوں)

۲۔ قصائد ہاشمیات (بدایوں)

۳۔ الامیتہ الرایہ (")

اردو کلام

۱۔ موجِ تضمین (بدایوں ۱۹۳۰ء) عیش بدایونی کے ایک نعتیہ قصیدہ کی تضمین

۲۔ سلام حضرت امام حسین (بدایوں ۱۹۳۰ء) پاکٹ سائز پر طبع ہوا۔

۳۔ کلیاتِ راغب (بدایوں ۱۹۸۲ء) مرتب محمد طیب بخش بدایونی

نعت کی طرف خصوصی رجحان تھا عربی میں اہلِ بیت کی شان میں متعدد قصائد کہے۔ ایک نعتیہ قصیدے کی تضمین اور متفرق نعتیں (جو کلیات میں بھی شامل ہیں) ان سے یادگار ہیں۔ نمونہ کلام

پیشِ حضور کیا ہے ضرورت سوال کی ... ذروں نے آفتاب سے کب عرضِ حال کی
تشبیہہ تک محال ہے ان کی مثال کی ... موجود کیا مثال ہو امرِ محال کی
معمور ہے جہان عطائے حضور سے ... یعنی جگہ نہیں کسی دل میں سوال کی
باتوں میں آب آب ہوئی تابِ مہرِ حشر ... چھینٹوں میں آب تھی عرقِ انفعال کی
کیا پوچھنا حضور کے حسن و جمال کا ... تعریف ہے حضور سے حسن و جمال کی
راغب حضور کی یہ وصیت ہے آخری ... چھوٹے نہ پیروی کبھی قرآن و آل کی

کھپ گئے ہیں جو نظر میں ترے در کے ذرے ... اسی در پر پڑے رہتے ہیں نظر کے ذرے

دنیا جو تسکین تری راہ گزر کے ذرے　　　یوں تڑپتے نہ رہیں میری نظر کے ذرے
دل زائر میں بڑھی جلوہ ایماں کی چمک　　　کیا چمکتے ہیں تیری راہ گزر کے ذرے
نور ملتا ہے تری جلوہ خرامی سے انھیں　　　نور جلوہ ہیں تیری راہ گزر کے ذرے

بقا ملی ہے رہ طیبہ میں فنا ہو کر　　　نکل گئی ہے مری جان مدعا ہو کر
تمہاری یاد میں آئی نہ اپنی یاد مجھے　　　کہ خود کو بھول گیا تم سے آشنا ہو کر
ہوائے شوق میں بن جاؤں خود ہی شوق ہے　　　طوافِ روضہ اقدس کروں صبا ہو کر
مثالِ شمع مہ و مہر جلتے ہیں دن رات　　　نبی کے سوزِ محبت سے آشنا ہو کر
اٹھائے کس لیے راغبؔ ترا جہان کے دکھ　　　بھنسے بلاؤں میں کیوں تیرا مبتلا ہو کر

برملا جلوۂ جانانہ ہے　　　اب جسے ہوش ہو، دیوانہ ہے
اب پہنچتے ہیں رہ ساقی تک　　　رہ نما لغزشِ مستانہ ہے
کیا تماشا ہے کہ سارا عالم　　　تیرے دیوانہ کا دیوانہ ہے

در فضا سے ہوا ذکر دو بالا تیرا　　　لامکاں تک ہے عجب دھوم دھڑکا تیرا
دونوں عالم کے لئے وقف ہے باڑا تیرا　　　فیض محدود کہیں تک نہیں داتا تیرا

(۴۸) رفیع:

رفیع بخش ولد قیوم بخش، ساکن سول لائنس۔ خاندان بخوش میں ۵؍ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو بہ مقام بدایوں پیدا ہوئے ہائی اسکول تک تعلیم بدایوں میں پائی۔ بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا وہاں سے ۱۹۵۱ء میں ایم اے (معاشیات) اور ایل ایل بی کی اسناد حاصل کیں ۱۹۵۱ء ہی میں انھیں صدیق نیشنل انٹر کالج پیلی بھیت میں ملازمت مل گئی اور وہ تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۶۷ء میں والد کی وفات کے بعد انھوں نے اپنی خدمات اسلامیہ انٹر کالج بدایوں کے لئے منتقل کرالیں۔ یہاں سترہ سال تدریسی خدمات انجام دے کر ۱۲؍ اگست ۱۹۸۴ء کو بوجہ علالت قبل از وقت ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

۱۹۵۴ء میں انھوں نے مولوی منیر علی صدیقی کی بیٹی سے شادی کی۔ ایک بیٹی اور ۲ بیٹے یادگار چھوڑے ۲۷ نومبر ۱۹۸۴ء کو وفات پائی۔ مرخ شبیہ کی حریم میں (محلہ سوتھا) اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ شاعری کا باقاعدہ آغاز ۱۹۷۲ء سے کیا۔ مشورۂ سخن رونق بدایونی سے لیا۔ شہر کی ادبی تنظیم 'بزم جامی' کے عرصہ دراز تک ممبر رہے اور شہر کے شاعروں و شعری نشستوں میں شریک ہوتے رہے۔ آخر عمر میں ضیق النفس کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔

بہار یہ کلام کا ایک مجموعہ پروفیسر آل احمد سرور کے مقدمہ کے ساتھ 'لفظ و بیاں' (بدایوں ۱۹۸۳ء) اور نعت کا ایک مجموعہ ماہ و نجوم (علی گڑھ ۱۹۸۵ء) شائع ہو چکا ہے۔ نمونۂ کلام:

جسے ہے عشق وہ پایا گیا مدینے میں ۔۔۔ کہ وہ کہیں بھی رہے دل رہا مدینے میں
وہی اثر جو دعا سے کبھی گریزاں تھا ۔۔۔ دعا کو ڈھونڈتا پایا گیا مدینے میں
زمیں پہ کوئی بھی ذرہ نظر نہیں آتا ۔۔۔ بچھی ہے تاروں کی ایسی ردا مدینے میں
وہ شوقِ دید کا عالم عجیب عالم تھا ۔۔۔ کہ سایہ جسم سے آگے چلا مدینے میں
دعا کے ہاتھوں سے چہرہ چھپا رہا تھا رفیعؔ ۔۔۔ گنہگار تھا کرتا بھی کیا مدینے میں

مرتبہ شاہ دو عالم کا ہے روشن سب پہ ۔۔۔ سنگ ریزے بھی خبردار نظر آتے ہیں
میرے آقا کے قدم گزرے ہیں جن راہوں سے ۔۔۔ راستے صرف وہ ہموار نظر آتے ہیں

انوار کی کثرت ہیں یہ لگتا ہے کہ روضہ ۔۔۔ پتھر سے نہیں نور سے تعمیر ہوا ہے

پتھر کے دل میں راہ بنا لے خدا کی شان ۔۔۔ تاثیر ایسی آپ کے نقش قدم میں ہے

سپاہ ظلم و ستم زیر اس کو کیا کرتی ۔۔۔ نبی کے نام کی جو شخص ڈھال لیکے چلے

ان کے روضہ کا تصور، وہ بہاروں کا سماں ۔۔۔ یہ خیالات بھی از راہِ کرم آتے ہیں
ہم سے اُمیدِ کرم حشر میں کیسی ہو گی! ۔۔۔ کیوں ہے مایوس ابھی شاہ امم آتے ہیں
میرے آقا کی غلامی نے نوازا ہے جنھیں ۔۔۔ ان سے ملنے کے لیے جاہ و حشم آتے ہیں

(۴۰) رونقؔ:

رونق علی ولد عبداللہ خاں ساکن محلہ کنگران ۔ پٹھان خاندان کے چشم و چراغ ہیں ۔ لہذا خان نام کا جزو بن گیا ہے ۔ ۵ جنوری ۱۹۲۳ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے ۔

ان کے والد متوسط قسم کے زمیندار تھے مگر ناؤ نوش میں سب کچھ گنوا بیٹھے ۔ رونقؔ کے حصے میں تنگ دستی و جفاکشی آئی ۔ بچپن میں اپنے ایک پڑوسی حامد علی خاں شعلہؔ بریلوی (ف) کے یہاں آتے جاتے تھے انہوں نے رونقؔ کا شوق و ذوق دیکھ کر تعلیم و ادب کی ترغیب دی ۔ شعلہؔ ان دنوں گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں میں اردو ٹیچر تھے ۔ شعلہؔ کی سرپرستی میں رونقؔ نے ابتدائی تعلیم مکمل کرلی اور درجہ پنجم میں وظیفہ کے مستحق قرار دیے گئے ۔ تحصیلی اسکول بدایوں سے اردو مڈل (۱۹۳۸ء) ہندی مڈل (۱۹۳۹ء) پاس کیا ۔ رونقؔ کے خالو عبدالکریم خاں نے (جو E.I.R. میں فٹر تھے) رونقؔ کے ناگفتہ بہ حالات کو دیکھ کر مالی مدد دی اور رونقؔ نے اپنی تعلیم کو جاری رکھا چنانچہ الٰہ آباد بورڈ سے اعلیٰ قابلیت (۱۹۴۰ء) منشی (۱۹۴۱ء) کا امتحان پاس کیا ۔

مئی ۱۹۴۲ء میں حلقہ نمبر ۱ کے تحصیلی اسکول (فرشوری ٹولہ) میں مدرس ہو گئے ۔ ملازمت کے دوران انہوں نے C.T.C. ٹریننگ (۱۹۴۵ء) بیسک ٹریننگ (۱۹۴۷ء) V.T.C. ٹریننگ (۱۹۴۸ء) مکمل کرلی اور ۱۹۴۹ء میں ایک دوسرے تحصیلی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے ۔ ۱۹۷۲ء میں ترقی پاکر لالہ لاجپت رائے جونیئر ہائی اسکول میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر ہو گئے اور ۱۹۸۳ء میں اسی عہدے سے پنشن پائی ۔

۱۹۵۶ء میں ان کی شادی ہوئی ۔ لیکن ازدواجی زندگی کامیاب نہیں رہ سکی چنانچہ ۱۹۵۷ء میں طلاق ہو گئی ۔ اولاد کوئی نہیں ۔

۱۹۳۸ء میں شاعری کا آغاز کیا ۔ ۱۹۳۹ء میں احسن کے شاگرد جامیؔ بدایونی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے ۔ ۱۹۶۰ء میں استاد کے کراچی ہجرت کر جانے کے بعد اصلاح کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ استاد کی وفات (۱۹۶۵ء) کے بعد انہوں نے جامیؔ کے تلامذہ کی بھی رہنمائی کی اور بزم جامی (۱۹۶۵ء) قائم کر کے بدایوں میں شعر و ادب کے رجحان کے فروغ میں حصہ لیا ۔ ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے تقریباً ایک درجن تلامذہ آج خود استاد بن کر نو آموز افراد کی رہنمائی کر رہے ہیں ۔

غزل کا ایک مجموعہ نوائے دل (دہلی ۱۹۸۸ء) ان کی شاعری کا حاصل ہے ۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ نغمہ نعت (بریلی ۱۹۹۳ء) فیروز ظفر کی ترتیب سے شائع ہو چکا ہے ۔

ان کے تمام کلام میں زبان و بیان کی سادگی، نغمگی، لطافت و شیرینی کا احساس ہوتا ہے۔ غزل کا مزاج، اسلوب و آہنگ اپنی پوری توانائی کے ساتھ یہاں موجود ہے۔ نعتوں میں بھی یہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ نمونہ کلام:

مرے دامن میں کچھ خاک ان کے آستانے کی　　زمانہ اب کرے ہمت مری قیمت لگانے کی
بغیر حُبِّ احمد کچھ نہ کام آئے گا محشر میں　　ریاضت بندگی تقویٰ، سخاوت التجا نیکی
انھیں کا ذکر آئے گا انھیں کا نام آئے گا　　کہیں سے ابتدا کیجئے محبت کے فسانے کی
نظارہ کرنے والے سبز گنبد کا یہ کہتے ہیں　　کہ اک مرکز پہ ہیں رنگینیاں سارے زمانے کی
بوقتِ پرسشِ اعمال تم خاموش ہو رونق　　یہی تو ہے گھڑی نعتِ نبی کہہ کر سنانے کی

دیکھو اگر تو خوب ہیں دنیا کی نعمتیں　　سوچو اگر تو آپ کے قدموں کی دھول ہیں
ملنے کو مل تو جائیں زمانے کی دولتیں　　لیکن بغیر حبِ نبی سب فضول ہیں
آ کر درِ نبی پہ مکمل ہوئی حیات　　اب اس کے بعد آئیں جو سانسیں فضول ہیں

پھاڑ ڈالو وہ کتابیں ان سے کچھ حاصل نہیں　　جن کتابوں میں ثنائے مصطفےٰ شامل نہیں
سبز گنبد دیکھ کر آنکھوں کو یہ کہنا پڑا　　اب جہاں میں کوئی منظر دید کے قابل نہیں
ان کے در پر ختم ہو جاتے ہیں سارے راستے　　اس سے آگے ہے کوئی منزل؟ کوئی منزل نہیں

اپنے سر پر میں تاج کے بدلے　　ان کے قدموں کی دھول رکھتا ہوں
دولتِ دو جہاں ہے میرے پاس　　خاکِ پائے رسول رکھتا ہوں

رہِ عشقِ محمد میں کبھی ٹھوکر نہیں لگتی کہ　　سلیقہ ہے یہاں کے پتھروں میں رہنمائی کا

رباعی:

تو چاہے تو موجوں کو سفینہ کر دے　　تو چاہے تو پتھر کو نگینہ کر دے
یا تو مجھے پہنچا دے مدینے یا رب　　یا پھر دلِ مضطر کو مدینہ کر دے

---

(۵۰) سالم:-

(حضرت) عبدالحمید محمد سالم عرفیت سالم میاں ولد (مولانا) عبدالقدیر ساکن مولوی ٹولہ۔ عثمانی خاندان میں ۶- شعبان ۱۳۵۸ھ / ۱۱ نومبر ۱۹۳۹ء کو بمقام حیدرآباد پیدا ہوئے۔ ان دنوں ان کے والد ماجد والی دکن کے یہاں "مفتی اعظم" کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔

رسم تسمیہ خوانی کے بعد قرآن حفظ کرنا شروع کیا جس کی تکمیل ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ حفظ قرآن سے فارغ ہوکر عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ درسیات کی جملہ تعلیم اپنے والد ماجد، مدرسہ قادریہ کے استاذ مولانا محمد اقبال حسن قادری (ف ۱۹۸۸ء) اور مفتی محمد ابراہیم سمستی پوری (ف ۱۹۸۷ء) سے کی والد کی وفات کے بعد ۱۹۶۰ء میں بیعت و خلافت کے مجاز ہوئے۔

۱۹۶۱ء میں پہلی اور ۱۹۷۲ء میں دوسری شادی کی دونوں سے اولادیں بقید حیات ہیں۔

شاعری کا ذوق بچپن سے ہے صرف نعت و منقبت کہتے ہیں۔ تلمذ کسی سے نہیں۔ ایک پاکٹ سائز مجموعہ نوائے سروش (بدایوں سنہ ندارد) شائع ہو چکا ہے۔ جس میں تقریباً ۱۵ نعتیں اور ۱۲ مناقب ان کی اپنی شامل ہیں۔ نثر میں ایک کتاب محبت برکت اور زیارت (پونہ ۱۹۹۶ء) ترتیب دی ہے جو نظر سے نہیں گزری۔

سادہ مزاج، خوش اخلاق کشادہ دل بزرگ ہیں۔ اپنے اکابر کا عرس بڑے اہتمام سے مناتے ہیں اور ایک نعتیہ مشاعرہ بھی آراستہ کرتے ہیں۔ اہل بدایوں کے دلوں میں ان کا بڑا احترام ہے جس کے وہ جائز مستحق ہیں۔ نمونہ کلام:

جو بیٹھا ہوں لکھنے میں نعت رسول — تو اشعار کا ہو رہا ہے نزول
جو اک حرف بھی ان کو آئے پسند — تو سمجھو ہوئی ساری محنت وصول
ملک پیش کرتے ہیں صبح و مسا — سلاموں کے گجرے درودوں کے پھول
نہ تھا کوئی ان سا نہ ہوگا کہیں — یہی کہتے ہیں سارے اہل عقول
ہیں شمس و قمر عکس روئے نبی — ہے یہ کہکشاں ان کے قدموں کی دھول
محبت نہ کیوں ہو نبی سے مجھے — کہ ہیں میرے آقا محب رسول
کہاں ان سا آقا رؤف الرحیم — کہاں مجھ سا بندہ ظلوم و جہول

مئے حُبِّ نبی سے جس کا دل سرشار ہوتا ہے — ہمیشہ موردِ لطف شہِ ابرار ہوتا ہے
ہزاروں مشکلیں ہوں سخت کیسے ہی مراحل ہوں — زباں پر ان کا نام آتے ہی بیڑا پار ہوتا ہے
بلایا ہے مرے آقا نے پھر مجھ کو مدینے میں — عطا سرکار سے کیا دیکھیے اس بار ہوتا ہے
کرم جس پر کبھی ہو جائے مرے سرکار کا سالم — اسے دونوں جہاں میں اور کیا درکار ہوتا ہے

تاج اور تخت نہیں چاہیے حاشا مجھکو — دے مدینے کی گدائی مرے آقا مجھ کو
ہر گھڑی پاس میں سامان سفر رکھتا ہوں — جانیں کس وقت بلالیں مرے آقا مجھ کو

نبی کے چاہنے والے خدا کی بات کرتے ہیں — خدا والے محمد مصطفےٰ کی بات کرتے ہیں
تکلم کی تبسم کی عطا کی غم گساری کی — مزے لے لے کے ہم ہر ہر ادا کی بات کرتے ہیں

---

(۱۱) شاؔد :

محمد صالح ولد کلیم الدین، ساکن محلہ سوتھا۔ خود کو پٹھان خاندان کا بتاتے تھے۔ قصبہ گکرالہ میں اکتوبر ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گکرالہ ہی میں حاصل کی بعد ازاں اردو اور ہندی میں مڈل پاس کرکے تحصیل میں بہ حیثیت امین تقرر ہوا۔ ایک عرصہ تک تحصیل بدایوں میں بحیثیت امین خدمات انجام دے کر ۱۹۸۵ء میں ریٹائر ہوئے۔

ان کے والد ایک تجارت پیشہ انسان تھے شروع میں شاؔد بھی اسی پیشہ سے جڑ گئے مگر تحصیل میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد ترک وطن کرکے بدایوں آ گئے اور محلہ سوتھا میں کرائے کے مکان میں متمکن ہو گئے۔

۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء کو ان کا چراغ زندگی گل ہو گیا۔ درگاہ قادریہ کے احاطے میں مدفون ہوئے۔
شاؔد۔ ابر احسنی کے ممتاز شاگرد تھے۔ ابرؔ نے ان کے متعلق لکھا ہے[۱]۔

شاد کی مشق سخن اچھی ہے۔ معائب اور محاسن شعر پر ان کی نظر تیزی سے پہنچتی ہے ان کے اشعار مشاقانہ ہوتے ہیں۔

شاد آداب فن کا بہت خیال رکھتے تھے بہاریہ کلام کے تین مجموعے رازحیات (بدایوں ۱۹۷۲ء) آئینہ جذبات (دہلی ۱۹۸۲ء) صہبائے سخن (مرادآباد ۱۹۹۰ء) شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ میری انتخابیں ج ۔ ص : ۔۔۔

سلسلہ قادریہ میں حضرت مولانا عبدالقدیر قادریؒ (ف ۱۹۶۰ء) کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ اکابر سلسلہ قادریہ خصوصاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے عقیدت خاص رکھتے تھے۔ اس عقیدت کا اظہار درگاہ قادریہ بدایوں کے اعراس کے دنوں میں مسلسل نعت و مناقب کے ذریعے کرتے رہتے۔ اس سلسلے میں ایک مجموعہ گنجینۂ نعت و مناقب (مرادآباد ۱۹۸۶ء) بھی شائع ہو چکا ہے۔

راقم الحروف کو ان کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ شاعری میں ابتدائی اصلاح انھیں سے لی۔ ان کے دیوان دوم آئینۂ جذبات پر راقم الحروف نے دیباچہ بھی لکھا۔ ان کی مہربانیاں یاد آتی ہیں۔ حق مغفرت کرے۔ نمونۂ کلام:

یا شہِ دیں جو مجھے ذوق رسا مل جائے — نعت گوئی کو پھر اک موڑ نیا مل جائے
راہِ طیبہ میں جو پتھر بھی پڑا مل جائے — اس کی ٹھوکر میں بھی کیا جانیے کیا مل جائے
دیدۂ تر میں ہے وہ عشقِ محمد کا خمار — اشکِ غم پی لوں تو کوثر کا مزا مل جائے
بحرِ عشقِ شہِ دیں سے نہ نکالو مجھ کو — ڈوب جانے دو کہ تہ کا بھی پتا مل جائے
ظرف سے کم نہ زیادہ شہِ دیں دیتے ہیں — ہو نہ یہ قید تو کیا جانیے کیا مل جائے
اک علاج اور ہے طیبہ کے شفا خانے میں — جب دوا کام نہ آئے تو دعا مل جائے
حشر کے دن کہیں شادؔ اُن کے ثنا خوانوں میں — سرِ فہرست مرا نام لکھا مل جائے

کیا دیدنی ہے دیدِ رسالت مآب میں — تعبیرِ خواب خود نظر آتی ہے خواب میں

جب بعدِ فنا روح مری نغمہ سرا ہو — موضوعِ سخن، نعتِ نبی، حمدِ خدا ہو

تجھ کو کہاں ملیں گے ہم اے آفتابِ حشر — ہم ہوں گے زیرِ سایۂ دامانِ مصطفیٰ

غبار آلود رہنے دو ہمیں خاکِ مدینہ سے — گنہگاروں کے حق میں ہے یہ جامہ پارسائی کا

جا کر پئیں گے ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے — کچھ اور ہی مزا ہے وہاں کی شراب میں

---

(۵۲) شائق:

محمد اسرار علی شاہ: لقب چھوٹے میاں ولد (مولوی) ایثار علی شاہ ذائق بدایونی، ساکن محلہ قاضی ٹولہ خاندان بنو حمید کے فرد تھے۔ ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء کو آبائی مکان میں ولادت ہوئی[1] ابتدائی تعلیم میاں جی غلام رسول اور ماسٹر عبدالصمد کے مکتب میں حاصل کی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کر کے تعلیم ترک کر دی۔ اور فقیری اختیار کی۔ اپنے والد کے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۱۹۲۸ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ واپس آکر گوشہ نشینی اختیار کی۔ ۱۹۶۰ء میں والد کی وفات کے بعد صاحب سجادہ بنے اپنے بزرگوں کا عرس دھوم دھام سے کراتے۔ اہلِ بیت سے خاص عقیدت رکھتے تھے ۲۸ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ/ ۷ مئی ۱۹۷۸ء کو وصال فرمایا۔ درگاہ مذاق میاں میں اپنے دادا کے پائیں مدفون ہوئے۔ فرزند دوم ابرار صدیقی نے تاریخ کہی[2]

حضرت ابوی مہ طریقت   چوں رفت ازیں مقام تشبیہہ
بہر سن ارتحال ہاتف   فرمود کہ شب چراغ تنزیہہ

(۱۹۷۸ء)

طالب علمی ہی کے زمانہ سے شاعری کا شوق تھا اپنے والد سے اصلاح لی۔ شہید حسین نے انھیں مذاق بدایونی کا بھی شاگرد لکھا ہے[3] جو غلط ہے۔ مذاق بدایونی کا وصال شائق کی پیدائش (۱۸۹۸ء) سے چار سال قبل ۱۸۹۴ء میں ہو چکا تھا۔

انھوں نے متعدد کتب ترتیب دیں لیکن اشاعت سے محروم رہیں۔ 'اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کے نام سے ایک کتاب یونین پرنٹنگ پریس دہلی سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ غیر مطبوعہ کتب کے نام یہ ہیں کلیاتِ ذائق بدایونی؛ سوانح حیات شاہ محمد ایثار علی، کلیات شائق بدایونی۔ سوانح شاہ ایثار علی کا مخطوطہ راقم الحروف کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس میں سوانح کے ساتھ ساتھ مذاقیہ و دیگر اولیائے کرام کے شجرے، وظائف، صوفیاء کے معمولات وغیرہ بھی پیش کیے گئے ہیں۔

ایک زمانہ میں ردیف وار بہاریہ کلام کا دیوان باسم 'اسرار شائق' تصنیف کیا تھا۔ بعد میں خود کو نعت و مناقب تک محدود کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ اور شہدائے کربلا کی شان میں کثیر مقدار میں کلام یادگار چھوڑا۔

۱۔ مردانِ خدا ص: ۲۷۰ شہید حسین نے ۱۸۹۲ء سال پیدائش درج کیا ہے جو غلط ہے۔
۲۔ صادر جنگ ص ۲۱۸   ۳۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص: ۶۲۳

شائق کا کلیات باسم گلدستہ کلام شائق المذاقی بدایونی راقم کی نظر سے گزرا ہے یہ تقریباً ۴۵۰ صفحات کو محیط ہے۔ اس میں تمام اصناف سخن میں کلام موجود ہے۔ بہاریہ دیوان ' اسرار شائق ' بھی اس میں شامل ہے۔ کلیات کا مخطوطہ ان کے بیٹے جناب بختیار شاہ کی ملکیت میں ہے۔

نمونہ کلام:

تمہیں جس نے دیکھا ہے، دیکھا خدا کو — خدا کا ہے وہ جو تمہارا محمدؐ
نہیں مجھ کو کچھ فکر دنیا و عقبیٰ — شفیع الامم ہے ہمارا محمدؐ
گنہگار بندے سر حشر بولے — شفیع ہے شفیع ہے ہمارا محمدؐ
کوئی امتی جائے دوزخ میں آقا — نہ ہوگا کبھی یہ گوارا محمدؐ
رہے تیرے شائق پہ رحمت خدا کی — گنہگاروں کا ہے سہارا محمدؐ

مدح تری خدا نے کی معجزہ اک قرآن ہے — ہو سکے مجھ سے کیا ثنا صلی علیٰ محمدٍ
تیرے کرم پہ ہے نظر عاصیوں کی لگی ہوئی — پیارے نبی کریمنا صلی علیٰ محمدٍ
پنجتن ایک ذات ہیں معنیٔ ہر صفات ہیں — سیدنا امیرنا صلی علیٰ محمدٍ
فضل و کرم سے بخشدے شائق روسیاہ کو — دولت فقر اور غنا صلی علیٰ محمدٍ

خطا کاروں گنہگاروں کے رحمت ساتھ آئی — یہ نافرمانیاں اپنی ہیں وہ شفقت محمدؐ کی
علی شیر خدا اک قوت بازو تھا احمد کا — لرز جاتے تھے کافر دیکھ کر طاقت محمدؐ کی
حسن میں اور حسین ابن علی میں حسن زہرہ تھا — علی کے دونوں تھے ہم شکل اور سیرت محمدؐ کی
صحابی ہر گھڑی نظارہ اس صورت کا کرتے تھے — گوارا جاں نثاروں کو نہ تھی فرقت محمدؐ کی

---

(۵۲) شاہین:

محمد علی خاں عرف شاہین اشرف ولد مولوی یعقوب علی خاں، ساکن محلہ قلعہ کٹھیر اور جہانی حال جالندھری سرائے۔ نسباً روہیلہ پٹھان ہیں۔ بزرگ اور جھیانی میں آکر متوطن ہوئے لیکن شاہین نے اپنا مستقر شہر بدایوں کو بنایا۔ ان کی پیدائش ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء کو ہوئی۔ [۱] دینی تعلیم انہوں نے اپنے والد بزرگوار

۱۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص: ۴۰۰

سے حاصل کی۔ گورنمنٹ ٹریننگ کالج آگرہ سے درس و تدریس کی ٹریننگ لے کر سرکاری مدارس میں معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ایک عرصہ تک نہایت مستعدی اور ذمہ داری سے خدمات انجام دے کر ۱۹۶۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

پابند شریعت و طریقت ہیں۔ حضرت شاہ ابو احمد علی حسین اشرفی سے مشرف بہ بیعت ہیں۔ صرف نعت کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مجموعہ 'نوائے حرم' منتظر اشاعت ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ایک طویل مثنوی 'بہارِ سیرت' (دہلی ۱۹۸۲ء) شائع ہوئی۔ جو آنحضور کی ۲۳ سالہ مکی حیاتِ طیبہ پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی دو حصوں میں منقسم کی گئی ہے۔ مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں ہے۔ حُبِ رسول کی سرشاری و سرمستی کے ساتھ ساتھ شاعرانہ صنعتی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ لیکن حزم و احتیاط اور سلیقے کے ساتھ۔ حال ہی میں عارفانہ کلام کا مجموعہ 'گلستان معرفت' (دہلی ۱۹۹۵ء) شائع ہوا ہے۔ متفرق مقامات سے مثنوی کے چند منتخب اشعار حسب ذیل ہیں۔

دنیا کے چمن میں یوں تو اکثر — آتی ہے بہار روح پرور
لیکن وہ بہارِ زندگانی — وہ صبح نشاطِ جاودانی
وہ جس کی کہ دھوم تھی جہاں میں — آئی تھی کہاں ابھی جہاں میں
ہر چیز تھی منتظر اسی کی — سیاروں کی آنکھ راہ پر تھی
گردش میں تھا چرخ رات اور دن — بے چین تھے ماہ و مہر اس بن
بے تاب خلیل کی دعا تھی — معمور اسی سے کل فضا تھی!
تھی چشم براہ روحِ موسیٰ — مضطر تھی پئے نوید عیسیٰ!
تھا شور اسی کا بلبلوں میں — تھی تاب نہ صبر کی گلوں میں
نرگس کی نگاہ تک رہی تھی — برسوں سے راہ تک رہی تھی
پھرتی تھی صبا اسی کی دھن میں — سنبل تھی اسی ادھیڑ بن میں
سوسن کی زبان پر دعا تھی — ہر برگ کے لب پہ التجا تھی
شبنم ہر صبح ہو کے مضطر — کہتی تھی یہی بہ دیدۂ تر
اے کاش وہ صبح جلد آئے — غم سے دنیا نجات پائے

ہے دین بھی یہی ہے ایماں — اللہ کے بعد اے مسلماں!

سب کچھ تجھے نام مصطفےٰ ہے — دل کیا ہے مقام مصطفےٰ ہے
ہے عشق نبی ہی شانِ مومن — قربان ہے اس پہ جانِ مومن
ہوتا ہے اسی سے دل توانا — ہوتی ہے اسی سے روح دانا
خالق کی رِلا ہے اس سے ملتی — ایماں کو جلا ہے اس سے ملتی
مسلم کی ہے آبرو اسی سے — اس گل میں ہے رنگ و بو اسی سے
ہے زیست کا سوز و ساز اس میں — مضمر ہے بقا کا راز اس میں

کی دور زمانے سے غلامی — لایا جو نوید شادکامی!!
توڑا فخر نسب یہ کہہ کر — خلقت میں بشر ہیں سب برابر
مظلوم کو ظلم سے اماں دی — ذروں کو بہار بے خزاں دی
آنکھوں کا جفاکشوں کا تارا — بیواؤں یتیموں کا سہارا
سوتوں کو جو تھا جگانے والا — روتوں کو جو تھا ہنسانے والا
غمگینوں سے وہ غمگساری — مسکینوں کی وہ پاس داری

(۵۴) شفیقًا :-

بدایوں میں زنانہ محفل میلاد منعقد کرنے کی روایت اور زنانہ میلاد خواں خواتین کی موجودگی کا پتا چلتا ہے۔ اس سلسلہ میں ابو منظر لکھتے ہیں[۱]:

"بدایوں میں مرد میلاد خواں حضرات کے علاوہ خواتین نعت خواں بھی ہوتی تھیں زنانے میلاد شریف کی محافل کافی تعداد میں ہوتی تھیں۔ ہر محلّے میں چند خواتین ایسی ہوتیں جو میلاد خوانی سے خصوصی دلچسپی رکھتی تھیں مگر ان کا آنا جانا صرف خاندان یا قریبی اعزا تک محدود ہوتا۔ شادی، غمی، سالانہ بزرگوں کی فاتحہ اور بارہ وفات کے مہینے میں زنانے میلاد شریف ہوتے تھے بعض منت کے طور پر بھی میلاد شریف کراتے ..... خواتین کی محفلوں میں نعت خواں اور سامعین صرف خواتین ہوتی تھیں وہ بڑی خوش الحانی کے ساتھ میلاد شریف کی کتابوں یا مشہور نعت گو شاعروں کا کلام پڑھتی تھیں۔

۱۔ بدایوں کے نعت خواں۔ مشمولہ مجلہ بدایوں کراچی۔ ستمبر ۱۹۹۳ء

یہ خاتون جن کا نام پردۂ خفا میں ہے نعت گو اور نعت خواں خواتین کے زمرہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد کا نام ولایت حسین تھا۔ نسباً سلمانی۔ ساکن محلہ سوتھا متصل پولیس چوکی۔ شفیقاً کے دو بھائی تھے حفیظ اللہ حفیظ (ف ۱۹۳۶ء) کریم اللہ کریم سکریٹری انجمن اصلاح المسلمین[1]۔ موخرالذکر صاحب دیوان تھے شفیقاً نے ایک زنانہ مولود باسم 'مولود کی خوشی' مرتب کیا۔ جس میں ان کا اپنا کلام بھی شامل ہے۔ یہ مولود ۱۳۳۶ھ/۱۸-۱۹۱۷ء میں امیرالاقبال پریس بدایوں سے شائع ہوا۔ شہید حسین نے لکھا ہے[2]

۱۲ ربیع الاول کو ان کے یہاں ہمیشہ محفل میلاد منعقد ہوتی تھی۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئی تھیں۔

شہید حسین نے ان کا حسب ذیل کلام نقل کیا ہے[3]

پڑھوں میں نام لے لے کر تمہارا یا رسول اللہ تمہارا نام ہے بس دل کو پیارا یا رسول اللہ

اندھیری گور میں احباب مجھ کو چھوڑ آئیں جب مدد کرنا وہاں پر تم خدارا یا رسول اللہ

جو پوچھیں گے اگر مجھ سے نکیرین آن کر کچھ بھی سنا دوں گی انھیں کلمہ تمہارا یا رسول اللہ

بلالو پھر شفیقاً کو اگر حضرت مدینے میں کرم ہو آپ کا اس پر دوبارہ یا رسول اللہ

میں بغداد پہنچوں خدایا کیسے کیسے ہو پورا میرا مدعا کیسے کیسے

یہ ادنیٰ سا اک معجزہ تھا نبی کا کہ بیمار پائے شفا کیسے کیسے

خزانے سے کچھ تو شفیقاً کو دیجئے کیے ہیں گدا اغنیا کیسے کیسے

(۵۵) تشکیل[4]

تشکیل احمد ولد مولوی جمیل احمد قادری (ف ۱۹۳۹ء) محلہ بیدوں ٹولہ۔ سوختہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اس خاندان کے بزرگوں میں کوئی صاحب آگ سے جل گئے تھے اس لیے یہ نام پڑا۔ اس خاندان کے ایک فرد منشی مبارک علی سوختہ پنڈت موتی لال نہرو کے محرر تھے[5]۔ ۱۲ اگست ۱۹۱۶ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کر کے ۱۹۳۶ء میں ہائی اسکول کا امتحان اسلامیہ ہائی اسکول

---

[1] اس انجمن کا قدیم نام فلاح المسلمین تھا۔ یہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو قائم ہوئی تھی۔ یہ مومن انصار برادری کی انجمن تھی (ماہنامہ مومن بدایوں مارچ ۱۹۱۴ء)

[2] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص ۲۷۶

[3] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/ ص : ۲۷۶

[4] تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مضمون تشکیل بدایونی مشمولہ دیدہ و دیانت (بدایوں ۱۹۸۱ء)

[5] وفیات مشمولہ تحریر ج ۴ شمارہ ۳ ۱۹۷۰ء ص : ۹۶

بدایوں سے پاس کیا۔ ۱۹۴۲ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے کیا۔

بی اے کرنے کے بعد گورنمنٹ سپلائی ڈپارٹمنٹ میں دو چار سال ملازم رہے اور مستعفی ہو گئے ۱۹۴۶ء سے فلمی زندگی کا آغاز کیا اور خاصی مقبولیت حاصل کی۔

ضیاء القادری جو بدایوں میں شکیل کے مربی تھے ان کی صحبت میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں پہلی غزل کہی۔ شاعری میں مستقل طور پر ضیاء القادری سے اصلاح لی۔ جگر مرادآبادی (ف ۱۹۶۰ء) سے تلمذ والی بات غلط ہے [1]

۱۹۶۴ء میں انھیں تپ دق و ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ۲۰ راپریل ۱۹۷۰ء کو بمبئی میں انتقال کیا۔ باندرہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے اعجاز صدیقی نے تاریخ کہی۔

خلد میں شاعر شباب شکیل

(۱۹۷۰ء)

شکیل کی شہرت ایک فلمی گیت کار کی حیثیت سے ہے حالانکہ وہ ایک اچھے غزل گو بھی تھے۔ ان کے مختلف اوقات میں غزلوں اور گیتوں کے پانچ مجموعے اور کلیات شائع ہوا۔

رعنائیاں (بمبئی ۱۹۵۰ء) صنم و حرم (لاہور ۱۹۵۰ء) شبستان (لاہور، دہلی)۔ رنگینیاں (دہلی ۱۹۶۱ء) دور کوئی گائے (دہلی) کلیاتِ شکیل (دہلی)

شکیل نے نعتیں بھی کہی ہیں۔ دورانِ طالب علمی میں وہ شاہنامہ اسلام اور ضیاء القادری کی نعتیں محرم کی محفلوں اور سیرت کے جلسوں میں پڑھا کرتے تھے۔ بعد میں خود بھی کہنے لگے۔ نعت کا ایک مجموعہ 'نغمہ فردوس' کے نام سے ۱۹۴۸ء میں مکتبہ سلطانی بمبئی سے چھپ چکا ہے۔

نمونہ کلام:

زمیں پہ مستی برس رہی ہے فلک پہ انوار چھا رہے ہیں
یہ کس کا پرتو ہے جلوہ افگن کہ دو جہاں جگمگا رہے ہیں
یہ کس کے دیدار کی خوشی میں ہے آسمانوں میں دھوم برپا
یہ کس کی آمد کے پاک نغمے ملائکہ گنگنا رہے ہیں
یہی وہ ہیں جن کے دم قدم سے ہے ربطِ دنیا و دیں بھی قائم
یہی وہ ہیں خلق بے خبر کو جو رازِ ہستی بتا رہے ہیں۔

---

[1] اس بحث کے لیے ملاحظہ کریں یوسف حسین قادری کا مضمون کچھ یادیں کچھ باتیں۔ استاد شاگردی کا معاملہ۔ مشمولہ۔ مجلہ بدایوں کراچی دسمبر ۱۹۹۵ء

یہی وہ ہیں جن کے آستاں پر ہیں تاج والے کبھی سر بسجدہ
یہی وہ ہیں جو نحیف رہرو کا بوجھ سر پر اٹھا رہے ہیں
یہی وہ ہیں جن کی سیرتِ پاک وجہ تقلید ہے جہاں کو
یہی وہ ہیں جو ہجومِ غم میں گھرے ہوئے مسکرا رہے ہیں
یہی وہ ہیں جن کی زندگی نے کیا محبت کا نام روشن
یہی وہ ہیں جو ہر اک کے ہو کر ہر ایک کو اپنا بنا رہے ہیں
شکیلؔ کس منہ سے ہو ثنائے حبیبِ داور رسولِ اکرم
خدا کے جلوے دکھانے والے خدا کو جلوہ دکھا رہے ہیں

جو والشمس چہرہ تو واللیل گیسو   جلو میں لیے صبح و شام آ رہا ہے
لرزتا ہے مے خانۂ کفر و باطل   صداقت کا گردش میں جام آ رہا ہے
یتیموں، غلاموں کی بگڑی بنانے   کوئی مونسِ خاص و عام آ رہا ہے

تمہاری شان دکھانا تھی اہلِ دنیا کو   بغیر وجہ نہ قائم یہ کارخانہ ہوا

ساقیِ خلد کے نثار ہے وہی مے وہی خمار   ہے وہی نشۂ طہور دیدۂ مے گسار میں

کرم ساقیِ کوثر جو بدستور رہے   چشمِ میکش میں خمارِ مئے منصور رہے

مجھے پروا نہیں آلودۂ عصیاں اگر ہوں میں   یہ کیا کم ہے کہ فردِ امتِ خیر البشر ہوں میں

باعثِ تخلیقِ عالم آپ ہنگامِ ازل   آپ شایاں منصبِ ختمِ رسالت کے لئے
ہے محبت ان کی معراجِ حیاتِ جاوداں   مر رہا ہوں ان پہ تکمیلِ محبت کے لئے

بیاں ہو کیا شکیلؔ اس بزمِ دل کی جلوہ سامانی   حبیبِ کبریا جس بزم میں تشریف لائے ہوں

(۵۶) شمیم:

رکن الدین شمیم ولد غیاث الدین ساکن عارف پور نوادہ۔ شیوخ صدیقی کے ایک زمیندار گھرانے میں انیسویں صدی کے وسط آخر میں پیدا ہوئے۔ زمینداری کے ماحول میں پرورش پائی۔ ذی علم اور صاحب نظر شاعر تھے۔ امیر اللہ تسلیم لکھنوی (ف ۱۹۱۱ء) سے تلمذ تھا۔[۵۱] فانی کے معاصر تھے اور اس دور کی شعر و سخن کی محفلوں میں ان کے ہمراہ شریک ہوتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں بہ عمر ۸۵ سال انتقال کیا نوادے سے آپچھم کی طرف آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے اردو کے قدیم گلدستوں میں ان کی غزلیات نظر سے گزری ہیں۔ دیوان غیر مطبوعہ رہا۔ کلام کا ایک گلدستہ جذبات شمیم کے نام سے ۱۹۳۸ء میں ہاشمی پریس بدایوں سے طبع ہوا۔[۵۲]

نعت کی طرف خصوصی رجحان تھا۔ مثنوی مولانا جامی کے چند نعتیہ اشعار کی تضمین کی تھی اس تضمین کے تین بند بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔[۵۳]

کریں احوال ہجراں کیا بیاں ہم ۔۔۔ ہے اس غم میں جہاں کی آنکھ پرنم
ہوئے رو رو کے سب کے سب ہیں بیدم ۔۔۔ نہیں ہے حادثہ کچھ موت سے کم

زمہجوری برآمد جان عالم!
ترحم یا نبی اللہ ترحم

گنہگاروں پہ کیا ہو ہولِ عرصات ۔۔۔ کسی مخلوق پہ کیوں آئیں آفات
ازل میں ہو چکی تحریر یہ بات ۔۔۔ شفیع المذنبین ہے آپ کی ذات

نہ آخر رحمۃ اللعالمینی !! کہ
زمحروماں چرا غافل نشینی

یہاں تک بڑھ چلا ہے شوق دیدار ۔۔۔ بنا ہے روزن در دیدۂ زار
ذرا ہوں خواب نوشیں سے جو بیدار ۔۔۔ نظر آئے بہارِ حسن رخسار

زخاک اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

۵۱۔ بدایوں کے مہر و ماہ ص: ۶۰ ۔۔۔ ۵۲۔ بدایوں کے مہر و ماہ ص: ۶۰

۵۳۔ مکمل تضمین جناب صغیر حسن صدیقی۔ مؤلف مہر و ماہ (ساکن محلہ سوتھا بدایوں) کے پاس محفوظ ہے۔

(۵۰) صادقؔ :

(حاجی و قاضی) محمد عبدالحق ۔ نعت کے شاعر تھے ۔ ایک مطبوعہ نعتیہ دیوان یادگار ہے[۱] ۔ حالات دستیاب نہیں ۔ نمونہ کلام یہ ہے[۲] :

شکل رویا میں دکھا اے پیشوائے مرسلیں ۔۔۔ یا مدینے میں بلا اے پیشوائے مرسلیں
قُم باذنی کہہ مسیحا دیر کا موقع نہیں ۔۔۔ مردہ ہوں میں تو جِلا اے پیشوائے مرسلیں
ہے تمنا اب کروں بیعت تمہارے ہاتھ پہ ۔۔۔ مدعا ہے یہ مرا اے پیشوائے مرسلیں
عارضِ پُر نور دکھلا دے کہ ہوں مشتاق دید ۔۔۔ برقع چہرے سے اٹھا اے پیشوائے مرسلیں
اے گُلِ باغ مدینہ میں کہاں ڈھونڈوں تمہیں ۔۔۔ کعبہ ہو یا کربلا اے پیشوائے مرسلیں
یا شفیع المذنبیں تیرا سہارا ہے فقط ۔۔۔ کون ہے شافع مرا اے پیشوائے مرسلیں
طالبِ دیدار ہوں صورت دکھا دو اب مجھے ۔۔۔ منتظر ہوں آپ کا اے پیشوائے مرسلیں
آرزو دل کی یہ ہے پہنچوں میں مسجد میں تری ۔۔۔ ہو دوگانہ پھر ادا اے پیشوائے مرسلیں
بھیک میں جنت ملے کاسہ لیے ہے ہاتھ میں ۔۔۔ آپ کا صادقؔ گدا اے پیشوائے مرسلیں

(۵۱) ضیاءؔ :

(مولوی) محمد یعقوب حسین عرفیت ضیاء القادری ولد محمد یاد حسین ساکن کوچہ ملا، فرشوری ٹولہ ۔ شیوخ صدیقی کے ایک علمی و مذہبی موسومہ ملا خاندان[۳] میں ۲۷ رجب ۱۳۰۰ھ / ۳ جون ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے[۴] ۔ کمسنی ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ چنانچہ ان کی پرورش و پرداخت ان کے خالو علی احمد خاں اسیرؔ نے کی ۔

ابتدائی تعلیم امیرؔ بدایونی اور مفتی امتیاز احمد تاثیرؔ (ف ۱۹۰۱ء) سے حاصل کی ۔ درس قرآن و حدیث مولانا محب احمد قادری (ف ۱۹۲۲ء) سے لیا ۔ ۱۸۹۷ء میں تحصیلی اسکول بدایوں سے مڈل پاس کیا اس کے بعد ملازمت کے لیے کوشاں ہوئے ۔ ۱۸۹۹ء میں محکمہ سروے (برما) سے ملازمت کا آغاز کیا

---

[۱] ۔ تجلیات سخن ص : ۱۹ [۲] ۔ جام کوثر ص : ۱۴۱

[۳] ۔ حضرت ملا عبداللہ مکیؒ نامی ایک جلیل القدر بزرگ (جو نسباً حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ساتویں پشت میں تھے) ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ء میں سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان آئے ۔ لاہور، دہلی اقامت اختیار کرتے ہوئے ۶۱۰ھ / ۱۲-۱۲۱۳ء میں وارد بدایوں ہوئے جس جگہ انہوں نے قیام فرمایا وہ جگہ ملا سرائے کے نام سے موسوم ہوئی اور ان کی نسل ملا خاندان کے نام سے معروف ہوئی (دیکھیں مردان خدا ص : ۱۴۷)

[۴] ۔ خود نوشت حالات اسلامیہ کالج کا لج میگزین ۱۹۵۲ء ص ۲۳

چار سال کے بعد وطن واپس آ گئے۔ دو تین سال درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۰۶ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے صیغہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۳ء تک قائم رہا۔

۱۹۱۳ء میں کلکٹری بدایوں میں قانون گو کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ ضلع کے مختلف حصوں میں تقریباً ۲۵ سال خدمات انجام دے کر رجسٹرار قانون گو کے عہدے سے ۵ مارچ ۱۹۴۰ء کو پنشن پائی۔

تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے اور کراچی کو اپنا مستقر بنایا۔ وہیں ۱۵ اگست ۱۹۷۰ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ قبرستان گلشن اقبال، مزار شاہ سلیمان روڈ کراچی میں مدفون ہوئے[1]۔ صابر براری نے تاریخ کہی: آہ ولی زماں ضیاء القادری بدایونی (۱۳۹۰ھ)

سلسلہ قادریہ کے بزرگ مولانا عبدالقادرؒ سے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں بیعت ہوئے۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳/۱۴ء میں ان کے بیٹے مولانا عبدالمقتدرؒ سے تجدید بیعت کی۔ پابند شرع صاحب زہد و ورع انسان تھے یوسف حسین قادری نے لکھا ہے[2]:

> وہ خاندان کے معاملہ ہی میں نہیں زندگی کے ہر شعبہ میں احکامات الٰہیہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی بدرجہ اتم کوشش کرتے تھے۔

۱۸۹۳ء سے شاعری کا آغاز کیا۔ فن شعر میں امیر بدایونی سے اصلاح و مشورہ کیا۔ استاذ کی طرح ساری زندگی نعت نبی اور مناقب صحابہ و اولیاء کے سوا کچھ نہ کہا۔ مالک رام لکھتے ہیں[3]:

> اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ بہ لحاظ کمیت ان سے بڑا نعت گو اردو تو درکنار کسی اور زبان میں بھی مشکل ہی سے ہوا ہوگا۔

وہ انتہائی زود گو اور فی البدیہہ کہنے والے شاعر تھے ۱۹۱۲ء میں علی برادران کی بدایوں میں آمد پر انہوں نے فی البدیہہ ایک مسدس لکھا جو انہیں دنوں زمیندار (لاہور) میں شائع ہوا۔

تلامذہ کی کثیر تعداد تھی جن میں شکیل بدایونی اور ماہر القادری خاصے معروف ہوئے۔

تین دیوان تاج مضامین (بدایوں ۱۳۴۵ھ/۲۷-۱۹۲۶ء) تجلیاتِ نعت (دہلی ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) خزینہ بہشت (کراچی ۱۹۵۹ء) شائع ہوئے۔ ان کے علاوہ متعدد مقامات مقدسہ کے منظوم سفرنامے، قصائد اور سلاموں کے مجموعوں کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے تفصیل حسب ذیل ہے[4]۔

۱۔ مجلہ بدایوں کراچی ضیاء القادری نمبر، اکتوبر ۱۹۹۳ء
۲۔ کچھ یادیں کچھ باتیں، مجلہ بدایوں کراچی اکتوبر ۱۹۹۳ء
۳۔ تذکرہ معاصرین ج ۱ ص: ۲۱۸
۴۔ کتابوں کی فہرست مجلہ بدایوں کے ضیاء القادری نمبر اور رسالہ نعت لاہور کی خصوصی اشاعت (جولائی اگست ۱۹۸۹ء) سے تیار کی گئی ہے۔

آئینۂ نجودی (بدایوں ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) خطبہ صدارت (بدایوں ۱۹۴۲ء) نغمہ ہائے مبارک (کراچی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) دیارِ نبی (لاہور ۱۹۵۰ء) ستارہ چشت (کراچی ۱۹۵۱ء) بہار غوث الوریٰ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) نغمہ ربانی (دہلی ۱۹۵۷ء) چراغِ صبح جمال (کراچی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء) آئینہ انوار (لکھنؤ ۱۹۶۷ء)

واقعہ کربلا پہ ان کی طویل مثنوی 'مرقع شہادت (بدایوں ۱۹۴۲ء) معروف و مشہور ہے۔ اور ایک شعری کارنامہ کے طور پر بھی جانی جاتی ہے۔ جو شاعری، ساحری، صداقت واقعات اور حقیقت روایات کا ایک ایسا مرقع ہے جس نے ان کی شعری قوت کا لوہا منوایا۔

نثر میں حسب ذیل کتب ان کی یادگار ہیں۔

دربار حرم شریف (بدایوں ۱۹۰۹ء) اکمل التاریخ دو جلدیں (بدایوں ۱۹۱۵ - ۱۹۱۶ء) تذکرہ طیبہ (بدایوں ۱۹۲۲ء) مجموعہ کرامات صفت احمد (بدایوں ۱۹۴۶ء) حیات صدیق اکبر (دہلی ۱۹۵۶ء) تاریخ اولیائے حق (کراچی ۱۹۵۸ء)

ان کی ادبی خدمات کے اعتراف و اظہار اور جائزے کے لیے ماہنامہ مجلہ بدایوں کراچی نے اپنی ایک اشاعت (اکتوبر ۱۹۹۳ء) کو نمبر کی صورت میں پیش کیا۔ رسالہ 'نعت' (لاہور) نے جولائی اور اگست ۱۹۸۹ء کی دو اشاعتوں میں ان کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا۔ ضیاء القادری کا علمی و ادبی کام ایک تحقیقی مقالہ کا جائز مستحق ہے۔ جامعات میں کام کرنے والوں کو اس طرف توجہ دینا چاہیے۔ نمونہ کلام:

سلام اے رحمۃ اللعٰلمین محبوب ربانی
سلام اے آمنہ کے چاند عبداللہ کے جانی

سلام اے مطلع انوار اے ماہِ شب اسریٰ
سلام اے مصطفیٰ نورِ مجسم نور یزدانی

سلام اے رونق بخش چراغ کعبہ و اقصیٰ
سلام اے مصطفیٰ شمع حریم بزم سبحانی

سلام اے فاتح بدر و حنین و خندق و خیبر
سلام اے مصطفیٰ تاج سراوج جہانبانی

سلام اے جلوہ آرائے حریم عشق صورت گر
سلام اے مصطفیٰ تصویر حسن ماہ کنعانی

سلام اے رونق بزم خلیل و یوسف و عیسیٰ
سلام اے مصطفیٰ توقیر اورنگ سلیمانی

سلام اے حضرت خیر البشر اے خسرو خوباں
سلام اے مصطفیٰ نوشاہ بزم انسی و جانی

سلام اے معنیٔ آیات قرآں صاحب قرآں
سلام اے مصطفیٰ تفسیر تعلیمات روحانی

سلام اپنے ضیا کا سن مدینہ میں طلب فرما
سلام اے مصطفیٰ سن کر عطا روضہ کی دربانی

خلد سے روز مدینہ میں سحر کو آ کر
صرف جاروب کشی بادِ صبا ہوتی ہے

فرزِ عصیاں دھلتے دھلتے صاف ساری ہوگئی ‌ ‌ ‌ آبِ کوثر مجھ کو میری اشکباری ہوگئی
کہہ دیا جس نے مصیبت میں اغثنی یا رسول ‌ ‌ ‌ قیدِ غم سے اس کو حاصل رستگاری ہوگئی

معجز نما کرم جو شہِ ذوالکرم میں ہے ‌ ‌ ‌ ہر قوم فیضیاب عرب اور عجم میں ہے
کہتے ہیں اس لیے ہمیں سب خادمِ بلال ‌ ‌ ‌ شوقِ غلامیِ شہِ والا جو ہم میں ہے

ہے جنت کا منظر دیارِ نبی میں ‌ ‌ ‌ رہِ خلد ہے رہگزارِ نبی میں

اسی سے مقدر کا چمکے گا تارا یہی ہوگا محشر میں روشن سہارا!
سوائے چراغِ مدینہ کسی سے ضیاؔ لو لگانے کی کوشش نہ کرنا

---

(۵۹) ظہیری :

ظہیر احمد، ظہیر العلماء لقب ولد حکیم فتح محمد ظہیر سبزواری، ساکن محلہ فرشوری ٹولہ و سوتھہ و کنگران۔ شیوخ صدیقی کا یہ خاندان سبزوار سے بہ عہد محمد تغلق (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) دہلی آیا اور دہلی سے سہسوان (ضلع بدایوں) میں آباد ہوا۔ سہسوان ہی میں ۷ محرم ۱۲۷۷ھ/۲۶ جولائی ۱۸۶۰ء کو شاہ ظہیر احمد کی پیدائش ہوئی۔[۱] ابتدائی تعلیم سید افتخار حسین کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ پہلے قرآن حفظ کیا پھر علوم متداولہ کی تکمیل اپنے بھائی مولوی نذیر احمد (ف ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) اور حکیم قاضی علی احمد محمود اللہ مذنب بدایونی (ف ۱۹۱۱ء) سے کی۔ مولوی محمد ادریس نگرامی نے لکھا ہے[۲]

دس سال کی مدت میں حکیم قاضی علی احمد محمود اللہ شاہ بدایونی سے علوم مختلفہ مثل ادب عربی، فارسی، صرف و نحو، حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ کی تحصیل کر کے تکمیل کو پہنچے۔

اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ شاہ دلدار علی مذاق بدایونی کے خلیفہ تھے اور شاعری میں بھی انھیں سے تلمذ تھا۔[۳] عمر کا کچھ حصہ ریاست بھوپال میں بسر کیا اور مولانا محمد بشیر محدث سہسوانی (ف ۱۹۰۸ء) کی ماتحتی میں کام کیا۔ انھیں دنوں مولانا بشیر سہسوانی اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (ف ۱۸۸۷ء) کے درمیان جو

لہ۔ سیر المدار ص: ۱۶۶
۲ہ۔ تذکرہ علمائے حال ص: ۳۴ بحوالہ ایک غریب مصنف (قلمی)
۳ہ۔ بہار بوستان شعراء ص: ۷۳

تحریری مناظرہ ہوا اس میں بھی حصہ لیا۔[1] بعد میں شعرائے ایران کی تقریب میں ایک مقامی مجلس عزا میں شرکت کے سبب نواب بھوپال کی نظر میں قابل تعزیر قرار دیے گئے۔ چنانچہ بھوپال چھوڑ کر مختلف مقامات پر گھومتے پھرتے وطن واپس ہوئے اور یہیں مولوی نذیر الدین احمد رئیس شیخوپور بدایوں کی ملازمت اختیار کر کے تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم کیا۔

اپنے عہد کے اخبارات و رسائل میں نثر و نظم لکھتے رہے۔ مختلف علوم و فنون پر تقریباً چار سو چھوٹے بڑے رسائل و گلدستے یادگار ہیں۔

اپنے عہد کی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (علی گڑھ) اور ندوۃ العلما کے زبردست حامی تھے۔ مؤخر الذکر کی رکنیت کا بھی انھیں فخر حاصل رہا ہے۔[2]

۲۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو وفات پائی مزار حضرت مذاق میاں کی درگاہ کے باہر جامن کے درخت کے نیچے واقع ہے۔ پس ماندگان میں چار بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑے۔ جن میں حکیم مختار سبزواری بحیثیت شاعر و ادیب اُردو حلقوں میں پہچانے گئے۔

انہوں نے ۱۸۸۲ء کے آس پاس شاعری کا آغاز کیا۔ نظم کی پہلی کاوش یہ رباعی تھی[3]

جب محمد کا دل سے نام لیا   ہم نے سب حمد کو تمام کیا

سمجھے اس کو ظہیری ہم سب حق   جو محمد نے ہے کلام کیا

تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ شاعری میں قصیدہ خاص موضوع رہا۔ قصائد کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

منتخب قصائد (دہلی) قصیدہ ظہیری (دہلی) قصیدہ نعت (بدایوں) ان کے علاوہ نعت کے تقریباً سات مجموعے و گلدستے طبع ہوئے، جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:

مخمس ظہیری	مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ
دیوان ظہیری	〃 〃 〃
نغمہ ظہیری	〃 انوار محمدی پریس لکھنؤ
گلشن فضائل	〃 نظامی پریس بدایوں

۱۔ ایک غریب مصنف (قلمی)   ۲۔ سیر المدار ص: ۱۸۲

۲۔ ایک غریب مصنف (قلمی) مکتوب ادریس قدر افق سبزواری بنام راقم مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۹۵ء

۳۔ سیر المدار ص: ۱۸۲

مولود النبی — مطبوعہ نظامی پریس بدایوں
صنم خانۂ ظہیری — " نولکشور پریس لکھنؤ
قصائد ظہیری اردو — " اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور

نمونۂ کلام:

دل محمد کا طلبگار ہوا خوب ہوا — للہ الحمد فدا یار ہوا خوب ہوا
خواب میں دیکھ لیا روئے نبی کو میں نے — بخت خفتہ مرا بیدار ہوا خوب ہوا
نقد دل دے کے کیا جان کا سودا میں نے — عشق حضرت کا خریدار ہوا خوب ہوا
سورۂ نور کو دن رات پڑھا کرتا ہوں — رخ حضرت کا میں بیمار ہوا خوب ہوا
گیسوئے احمد مرسل میں ہمیشہ کے لیے — دل ظہیری کا گرفتار ہوا خوب ہوا

اپنے در پر بلائیے جلدی — جان سے ہارا ہوں یا رسول اللہ
ڈوب جاؤں نہ بحر عصیاں میں — بے کنارہ ہوں یا رسول اللہ

گدائے شاہِ رسالت مآب کرکے مجھے — خدا نے بخش دیا بے حساب کرکے مجھے

نبی کی ہو یارب شفاعت میسر — ظہیری کا ہے حال تیرے حوالے

یا خدا مجمع محشر میں کہیں مجھ سے نبی — نعت کا آج ظہیری کو صلا دیتے ہیں

خدا سے بخشوا لینا ظہیری کون مشکل ہے — شرف کچھ کم نہیں ہے امت خیر الوریٰ ہوں میں

مضمون شگفتہ پھولوں کے کیا خوب ظہیری تو نے لکھے — اس نعت نبی میں تو نے زمیں کیا خوب بنائی پھولوں کی

کرتا تھا مجھ کو دفن دیارِ رسول میں — لاشہ مرا جبھی تو کفن سے نکل گیا

تم ہو غم خوار یا رسول اللہ　　میں ہوں بیمار یا رسول اللہ
فضل سے تیرے پل صراط مجھے　　ہو نہ دشوار یا رسول اللہ

(۶۰) عالی :-

کفیل الدین ولد مجاہد الدین ذاکر۔ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان میں ۳ رجب ۱۲۹۸ھ / ۴ جون ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے[۱]۔ تاریخی نام کفیل الدین اسمٰعیل فدا احمد چشتی (۱۲۹۸ھ) تھا۔ فارسی و اردو کی تحصیل اپنے والد ماجد سے بہم پہنچائی۔ فن شعر کی مبادیات اور طب کی تحصیل حافظ علی احمد محمود اللہ مذنب بدایونی سے کی[۲]۔ طب کی تکمیل کے لیے لکھنؤ گئے اور وہاں سے طب کی سند حاصل کر کے بدایوں میں مطب کیا۔ اگرچہ آبائی زمینداری کچھ باقی تھی لیکن یہ سب دھیرے دھیرے ہونے لگی اور ان کی زندگی آلام و مصائب کی دلدوز داستان بن کر رہ گئی۔ عمر کے آخری ایام بڑے پریشان حالی میں گزرے۔ تمہید حسین نے لکھا ہے[۳]

شہر کے حاذق طبیبوں میں شمار ہوتا تھا اور فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے۔ زندگی میں انقلاب آیا۔ زمانہ نے آنکھیں پھیر لیں۔ وہ خود کوڑھ کے مریض ہو گئے اور ان پر رزق تنگ ہو گیا ...... ان کی زندگی نشیب و فراز کی دردناک مثال تھی۔

سلسلہ قادریہ میں سید شاہ ظہور حسین مارہروی (ف ۱۸۹۵ء) سے بیعت تھے اور اپنے والد سے بھی خلافت حاصل تھی[۴]۔ ۳ رجب ۱۳۷۸ھ / ۱۳ جنوری ۱۹۵۹ء کو بدایوں میں انتقال ہوا۔ خاندانی قبرستان ملا سرائے میں مدفون ہوئے۔ ابرار صدیقی نے تاریخی قطعہ کہا[۵]:

صاف ظاہر ہوا سن رحلت　　جبکہ عالی خدا پرست کہا
۱۳۷۸

پسماندگان میں چند دختران موجود ہیں۔

عالی نے بہت کم عمری میں شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ ابتداء میں مذنب بدایونی سے اصلاح لی بعد ازاں احسن مارہروی سے تلمذ اختیار کیا۔ اپنے دور کے بلند پایہ شاعر، نکتہ رس تاریخ گو اور اچھے ہجو نگار بھی تھے۔ نظامی بدایونی (ف ۱۹۴۷ء) کے بہت قریب رہے۔ ''ذوالقرنین'' میں اکثر ان کا کلام اور تاریخی قطعات شائع ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں ''عید ملن'' کے سلسلہ میں نظامی بدایونی اور چند دوسرے

۱۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ / ص : ۶۷　　۲۔ آئینہ دلدار ص : ۵۴ (حاشیہ)
۳۔ " " "　　۴۔ " " " (")
۵۔ صد رنگ ص ۱۹۵

ارباب وطن نے بدایوں میں ایک جلسہ منعقد کیا ۔ علامہ اقبال کو بھی اس جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی ۔ علامہ جلسہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن ایک نظم (عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں) ارسال کردی جو جلسہ میں پڑھی گئی ۔ بعد میں روداد مشاعرہ میں شامل ہوئی[1] خاؔنی نے اس نظم کو تضمین کیا ۔ یہ تضمین بہت پسند کی گئی ۔ نمونہ کے طور پر دو بند یہاں درج کیے جاتے ہیں[2]:

خدا نہ دے کسی دشمن کو ہجر کا آزار   بلائے غم سے نہ ہو آشنا کوئی زنہار
نہ پہنچے آج بیاباں تھا اپنا گلزار   خزاں ہی مجھ کو رلاتی ہے یا فصل بہار
خوشی ہو عید کی کیوں کر کہ سوگوار ہوں میں

شراب علم و عمل کے کہاں ہیں پیمانے   زمیں نگل گئی یا آسماں خدا جانے
نہ اب وہ دور نہ ساقی نہ اس کے مستانے   اجڑ ہو گئے عہد کہن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

ابرار علی نے لکھا ہے[3]:

نہایت طباع ، حاضر دماغ ، نغزگو اور پختہ کار شاعر ہیں ۔ تاریخ گوئی میں مہارت رکھتے ہیں ہجو گوئی سے بھی قدرے دلچسپی ہے اور خوب کہتے ہیں ۔

دیوان طبع نہیں ہوا ۔ قدیم اخبارات و گلدستوں میں ان کا کلام بکھرا ہوا ہے ۔ نعت بھی خوب کہتے تھے والد کی وفات کے بعد بی خانہ کے وہی متولی بنے چنانچہ انہوں نے بھی محافل میلاد اسی تزک و اہتمام سے منعقد کیں خود بھی ان محافل میں بصورت ذاکر و شاعر شریک رہے اور یادگار رسالت میں منظوم خراج عقیدت تواتر کے ساتھ پیش کرتے رہے ۔ یہ تمام کلام بھی دستبرد زمانہ کی نذر ہو گیا ۔ غزوہ حنین کے واقعات پر صرف ایک مثنوی مطبوعہ صورت میں ملتی ہے ۔ جو "معرکہ حنین" کے نام سے ۱۳۲۹ھ / ۱۹۲۰ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی ۔ یہ مثنوی جشن ولادت رسول کے موقع پر بی خانہ کی ایک محفل میں تقسیم کی گئی ۔ حال ہی میں یہ مثنوی مجلہ بدایوں (کراچی) کی اگست ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں شائع کی گئی ۔ اس کے علاوہ خاؔنی نے اپنے والد مرحوم کی وفات پر روداد تدفین اور مراثی باسم "مراثی بے مثال" (بدایوں ۱۹۱۶ء) شائع کیے[4] ۔ نمونہ کلام :

لیلائے مراد تو کدھر ہے   دیوانوں کی اپنے کچھ خبر ہے
اے جوش جنوں کمی نہ کرنا   وحشت مری آج زور پر ہے

---

۱ ۔ ذوالقرنین ۱۴ راگست ۱۹۱۵ء
۲ ۔ آئینہ دلدار ص: ۴۵ (حاشیہ)
۳ ۔ ذوالقرنین ۷ راگست ۱۹۰۶ء نظامی بدایونی ص: ۹۴
۴ ۔ تاریخ گویان بدایوں ص: ۹۵

قسّام ازل ہے نام تیرا　　　دامن بھرنا ہے کام تیرا
تو نے دریا کو آبرو دی　　　سبزہ سبزہ کو، گل کو بو دی
ساغر ہو سبو ہو یا پیالی　　　تجھ سے نہیں کچھ چیز خالی
افلاک کو دی گئی بلندی　　　تفویض ہوئی زمیں کو پستی!
دی سب سے بڑی یہ ہم کو دولت　　　ہادی بھیجا پئے ہدایت
وہ کون ترا حبیب، محمد　　　طٰہٰ یٰسین لقب محمد
وہ کون رسول پاک و اکرم　　　دلبند خلیل و جانِ آدم!
جن کے موسیٰ ہوئے مبشر　　　لو آ گئے وہ نبی آخر
موقع نہیں کوئی دیر کا اب　　　اٹھیں تعظیم کے لیے سب
تعظیم کا ہو نیا کچھ انداز　　　تسلیم کی ہو بلند آواز
یارب علی نبی الامجد　　　محمودؐ، حامدؐ، محمد
صلِّ من عندک وسلم　　　بارک من لطفک وکرم

اس روز بنگاہ مہر پرور　　　تھی عام قبائل عرب پر
وہ دست سخا کھلا ہوا تھا　　　در پر میلہ لگا ہوا تھا
غمگین آتا تھا شاد جاتا　　　ناکام تھا، بامراد جاتا
حاضر جتنے حنین میں تھے　　　آرام میں سب تھے چین میں تھے
ارباب حنین کا وسیلہ!　　　اصحاب حنین کا وسیلہ
دارین کی خوبیاں ہمیں دے　　　آرام یہاں وہاں ہمیں دے

---

(۶۱) عروج :

سید فیاض علی۔ عرفیت عروج زیدی ولد سید نوشہ علی زیدی۔ ساکن محلہ موتی تارشہبازپور۔ خاندان سادات کی شاخ زیدی سے نسبت رکھتے تھے ۲ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ہاپوڑ میں حاصل کی۔ علوم متداولہ کی تحصیل بدایوں میں کی۔ انگریزی میں انٹر میڈیٹ (الف اے)

لہ۔ اسلامیہ کالج میگزین ۱۹۶۱ء (خود نوشت حالات)

کی۔ تحصیل نواب گنج ضلع بریلی میں قرق امین کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ بعد ازاں [illegible] ہائی اسکول (بدایوں) میں کچھ عرصہ مدرس رہے۔ محکمہ راشننگ میں ایک عرصہ تک خدمات انجام دیں اور ترقی کرکے ایریا سینئر انسپکٹر اور ہیڈ کلرک ٹاؤن راشننگ آفس ہوگئے اور رامپور میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔

۱۹۴۸ء میں وہ محکمہ سیلز ٹیکس میں منتقل کردیے گئے۔ جنوری ۱۹۶۹ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک پرائیویٹ فرم میں اسسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام کرتے رہے[1]

۳۰-۱۹۲۵ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ خود کو الشعراء تلامیذ الرحمٰن کی صف میں شامل کرتے تھے[2] ذی علم اور شعر و سخن کے مبادیات سے واقف تھے۔ شاعری کے حسب ذیل مجموعے شائع ہوئے۔

عروج کے سو شعر (بدایوں ۱۹۴۲ء) جھلکیاں (بدایوں ۱۹۵۳ء) دل لخت لخت (۱۹۶۰ء) شمع فروزاں (۱۹۷۶ء) سفینۂ غزل (۱۹۷۸ء) متاعِ فکر (رامپور ۱۹۸۰ء) لہجے کے چراغ (۱۹۸۹ء)

نثر میں زندہ کتبے (رامپور ۱۹۸۳ء) ان کی نثر کا بہترین شاہکار ہے۔

نعتیہ کلام کا مجموعہ "ختم المرسلین" ان کے بیٹے عرفان زیدی کی ترتیب سے بعد از مرگ ۱۹۹۰ء میں اعلیٰ پریس رامپور سے شائع ہوا۔

۴ فروری ۱۹۸۷ء کو وفات پائی۔ رامپور میں مدفون ہوئے۔ پس ماندگان میں ان کے فرزند عرفان زیدی اردو برادری میں متعارف ہیں۔

ان کی شاعری اردو شعر و غزل کی مسلمہ روایت سے انحراف نہیں کرتی بلکہ ایک طرح سے اس کی پابند ہے۔ لیکن ان کا اجتہادی مزاج خواہ وہ فکر و احساس سے متعلق ہو یا لہجہ و اسلوب سے انھیں روایت سے منسلک شعراء سے ممیز اور منفرد ضرور بناتا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام بھی فنی پختگی اور موضوع نعت کی صحیح ترسیل سے عبارت ہے۔ اس میں جوش عقیدت کے باوصف ان کی شعری ریاضت اور فکری صلابت بھی نظر آتی ہے۔ انہوں نے قدیم و جدید قدروں سے مفاہمت کرتے ہوئے لہجے کی متانت اور جذبات کی ثقاہت کو قائم رکھا ہے۔ نمونہ کلام:

جو بزم کون و مکاں کو ہے جگمگائے ہوئے   اسی چراغ سے ہم بھی ہیں لو لگائے ہوئے
یہ کون نکلا حرا سے نظر جھکائے ہوئے   رخِ حیات کے سارے نقاب اٹھائے ہوئے

۱۔ مکاتیب احسن ص: ۱۷۳

۲۔ ڈاکٹر عنوان چشتی نے لکھا ہے آپ نے کچھ دن حضرت ابر احسنی سے اصلاح لی تھی مگر بعد میں تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے۔

بشر وہاں سے کبھی بیگانہ وار گزرا ہے | جہاں فرشتے کھڑے تھے پرا جمائے ہوئے
قرارِ پیروی اسوۂ رسول کے بعد | زمانہ چل نہیں سکتا قدم ملائے ہوئے
سموم وریگ کی دنیا میں جن کی آنکھ کھلی | بہار بن کے زمانے پہ ہیں وہ چھائے ہوئے
عروج نسبت شاہِ رسل کے صدقے میں | کلاہِ فخر ہوں ماتھے پہ میں جھکائے ہوئے

مثالِ بے مثالی تھا جو فطرت کے خزینے میں | وہی دریتیم بحر رحمت ہے مدینے میں
یہاں کچھ لطف مرنے میں نہ کوئی کیف جینے میں | حیات و موت کو آواز دی جائے مدینے میں
فلاح دین و دنیا نے یہیں سے روشنی پائی | مری عقبیٰ مدینے میں، مری دنیا مدینے میں
ابوالقاسم ہیں گویا قاسم گنجینہ جنت | کوئی ثانی نہیں ہے ان کا بخشش کے قرینے میں
مجھے اپنے خدا کی ناخدائی پر بھروسہ ہے | مری کشتی سما سکتے نہیں طوفاں کے سینے میں

آئینہ کمال میں تصویر آپ ہیں! | ارض و سما صحیفے ہیں تفسیر آپ ہیں
دنیا اسیر ظلمت الحاد و کفر تھی | سب جانتے ہیں منبع تنویر آپ ہیں
یہ بھی ہے اک فصاحت کردار امتی | خیر الامم کے واسطے دل گیر آپ ہیں
ذہن بشر خلائی سفر آشنا نہ تھا | میری نظر میں رہبر تسخیر آپ ہیں
اس رمز کو عروج سمجھنا محال ہے | امی ہیں آپ معنی تحریر آپ ہیں

---

(۶۳) عطاؔ:

عطا محمد ولد وزیر الدین احمد ساکن محلہ قاضی ٹولہ شیوخ صدیقی کی شاخ خاندان متولیان کے معروف شعراء میں تھے۔ ۱۸۶۴ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ مروجہ تعلیم حاصل کر کے مختاری کا امتحان پاس کیا۔ کچھ مدت ریلوے میں ملازمت کی اس کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کے والد بھی سرکاری وکیل تھے لہذا اس پیشہ سے وابستہ ہونے کے بعد انھیں خاطر خواہ کامیابی ملی۔ ابتداء میں سنبھل اور مرادآباد میں رہے اس کے بعد منصفی تلہر ضلع شاہجہانپور میں وکالت کرتے رہے۔ آخر میں اپنے وطن چلے آئے اور منصفی بدایوں میں وکالت شروع کر دی۔

ابتداء میں صرف بہاریہ شاعری کی طرف رجحان تھا اور امجد بدایونی سے اصلاح لیتے تھے۔[1] بعد

---

[1] - بہار بوستان شعراء ص: ۱۴۷

میں داغ دہلوی (ف ۱۹۰۵ء) کے تلامذہ میں شامل ہوکر خوب ناموری حاصل کی۔[لہ] شہر اور بیرونِ شہر کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ بعض گلدستوں میں بھی کلام نظر آتا ہے۔

تلامذہ میں حمزہ صدیقی، سخاوت حسین سخاوت کے نام ممتاز ہیں۔

سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ ۱۹۱۰ء میں حج کے لیے گئے، وہاں سے واپس آکر صرف نعت و منقبت تک اپنی شاعری کو محدود کرلیا۔ ۱۹۴۴ء میں وفات پائی[کہ] اور بدایوں میں سپردِ خاک کیے گئے۔

عطا ادبی سرگرمیوں میں بڑے فعال رہے۔ مشاعروں کا اکثر اہتمام کرتے۔ اس سلسلے کے ایک مشاعرے (منعقدہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۹ء) کا گلدستہ چمن سخن (بدایوں ۱۹۰۹ء) مطبوعہ موجود ہے۔ اس مشاعرے میں امیر اللہ تسلیم، بیخود دہلوی، احسن مارہروی، اخلاق دہلوی، بیباک شاہجہانپوری، سائل دہلوی وغیرہ نے شرکت کی تھی۔

اُردو کانفرنس بدایوں سے بھی ان کا عملی تعلق رہا۔ یہ کانفرنس اُردو سے متعلق بڑی اہم اور تاریخی حیثیت کی حامل تھی۔ ۲۶ر مارچ ۱۹۱۰ء کو اس کا پہلا اجلاس بدایوں میں ہوا[کہ] جس کا افتتاحی خطبہ مولوی عزیز مرزا (ف ۱۹۱۲ء) ہوم سکریٹری ریاست حیدرآباد نے پیش کیا۔ یہ خطبہ انھیں دنوں دلگداز پریس لکھنؤ سے طبع ہوا۔ مولوی امیر احمد امیر ٹونک والا (ف ۱۹۴۴ء) اس کے سکریٹری تھے۔ اس کانفرنس کے زیرِ اہتمام مشاعروں کا بھی انعقاد ہوا۔ ایک مشاعرے کے جنرل سکریٹری عطا محمد عطا بنائے گئے۔ ان مشاعروں میں بعض اساتذہ سخن نے بھی شرکت کی تھی۔ حامی بدایونی نے انھیں دنوں اُردو کانفرنس کے مشاعرے عنوان سے روئیداد مشاعرہ نظم بند کی تھی جو مارچ ۱۹۱۰ء میں ماہنامہ فصیح الملک (مارہرہ) میں شائع ہوئی۔

کئی سال پہلے اس کانفرنس کی روئیداد خدابخش لائبریری جرنل (پٹنہ) میں شائع ہوگئی ہے۔ عطا صاحبِ دیوان شاعر تھے لیکن دیوان اشاعت سے محروم رہا۔ نعت کے کئی مجموعے شائع ہوئے لیکن اب کسی کا سراغ نہیں ملتا۔ راقم الحروف کی لائبریری میں ولادت رسول اور واقعہ معراج پر ایک منظوم رسالہ 'چراغ زندگانی' موجود ہے جو ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں سارسوت پریس تلہر سے طبع ہوا تھا۔

لہ۔ گلدستہ آئینہ مشاعرہ مرتبہ سرور قادری، وچمن سخن ص: ۳۵

کہ۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲، ص: ۸۱ — کہ۔ ذوالقرنین بدایوں ۲۸ر مارچ ۱۹۱۰ء

عطاؔ کے کلام میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو داغ اسکول کا طرۂ امتیاز ہیں۔ نعت کے میدان میں بھی طبیعت کی وہی جولانیاں ہیں۔ زبان کی شستگی و رنگینی۔ بیان کی حلاوت۔ قادر الکلامی بے ساختہ اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ نمونہ کلام:

خدائی میں محمد مصطفےٰؐ کا بول بالا ہے — وہ برتر سے برتر ہے وہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے
زمین و آسماں پر نور ہیں تیری تجلی سے — یہاں بھی تیرا جلوہ ہے وہاں بھی تیرا جلوہ ہے
حیات جاودانی ہے نبی کے عشق میں مرنا — اسی مرنے پہ جیتے ہیں یہی مرنا تو جینا ہے
عطاؔ غیرت نہیں آتی مدینے سے چلے آئے — ذرا سمجھو ذرا دیکھو وہاں کیا تھا یہاں کیا ہے

رضا رسول کی حج ہے۔ حج اس کا نام نہیں — کہ سنگ اسود بیت الحرام چھو آئے
یہ بزم ذکر شہنشاہ بحر و بر ہے عطاؔ — یہاں جو کوئی بھی آئے وہ باوضو آئے

نبی پہ مر کے لطف زندگانی لے کے آیا ہوں — فنا ہو کر حیات جاودانی لے کے آیا ہوں
ثبوت حق پرستی اور میرے پاس ہی کیا تھا — یہ پیشانی پہ سجدوں کی نشانی لے کے آیا ہوں
میں مداح محمد ہوں کہیں پر رک نہیں سکتا — ازل سے ہی طبیعت کی روانی لے کے آیا ہوں
رسول اللہ یوں کفار کو تلقین کرتے تھے — کلام حق کتاب آسمانی لے کے آیا ہوں
دل مہجور کا یہ داغ نورانی ہے مولا — نشانی لے کے جاؤں گا نشانی لے کے آیا ہوں
جناب شیخ دیکھو تو بہار دیدۂ گلگوں — الستی میکدہ کی گھولی چھانی لے کے آیا ہوں
پسند داور محشر جو دریا ہے ندامت کا — بشکل اشک اس چشمہ کا پانی لے کے آیا ہوں

کعبہ ہو نینوا ہو نجف ہو کہ مدینہ — مدفن کو مجھے چاہئے رحمت کا خزینہ
شبیر کی الفت کے کھلے پھول ہیں جب سے — دل گلشن بے خار ہے گلزار ہے سینہ
لایا ہوں عطاؔ خوب رقم روز ازل سے — ہے دل میں مرے سکہ الفت کا خزینہ

زہے عز و وقار شان احمد — ہمارے جان و دل قربان احمد
ازل سے ہے قیامت تک رہے گا — منور نیر احسان احمد

ہوا یہ کعبۂ دِل عرشِ اعظم! ہمارے دِل میں انوارِ نبی ہے
نہ ہوتے یہ تو کچھ پیدا نہ ہوتا بنائے خلق اظہارِ نبی ہے

ہم نورِ الٰہی کی ضیا دیکھ رہے ہیں آنکھوں میں ہے خاکِ درِ سلطانِ مدینہ

جسے ہم نے مکہ مدینے میں دیکھا وہی جلوہ ہر آبگینہ میں دیکھا

---

(۶۳) عیش :

مجتہد الدین ولد محمد اشجع الدین وجاہ۔ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان میں ۸ر شعبان ۱۲۸۷ھ/ ۲ر نومبر ۱۸۷۰ء کو بہ مقام بدایوں پیدا ہوئے۔[۱] ان کے والد ذاکر بدایونی کے حقیقی بھائی تھے۔
عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمت اختیار کی اور بہت جلد ترقی کر کے قانون گو ہو گئے مگر چونکہ زمیندار گھرانے کے فرد تھے لہذا ملازمت کی بندشوں سے مزاج ہم آہنگ نہ ہو سکا تحصیل دھام پور (بجنور) سے قبل از وقت رجسٹرار قانون گو کے عہدے سے پنشن لے لی۔ اور اپنی خاندانی جائداد پر قانع ہو گئے۔ پنشن لینے کے بعد ساری زندگی بدایوں میں رہے اور شعر و ادب سے شغل رہا۔
نبی خانہ (بدایوں) کے بانی ذاکر کے برادر زادے ہونے کی نسبت سے نبی خانہ کے ایک عرصہ تک منتظم بھی رہے۔[۲]
مولوی انصار حسین زلالی کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ لاولد رہے۔
۱۰ر جمادی الآخر ۱۳۷۴ھ/ ۳ر فروری ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔ مزار ملا سرائے بدایوں میں واقع ہے۔[۳]
شاعری کا آغاز ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں کیا، اور امیر مینائی کے شاگرد ہوئے۔ نظریہ شاعری وہی تھا جو شعرائے متقدمین لکھنؤ کا تھا لیکن چونکہ مذہب سے گہرا تعلق تھا لہذا کلام اس ابتذال و عریانیت سے کسی قدر پاک ہے جس کے لیے لکھنؤ اسکول بدنام ہے۔ بہرحال تذکیر و تانیث اور دیگر شعری معاملات میں انہوں نے شعرائے لکھنؤ کا ہی تتبع کیا۔

۱۔ خود نوشت حالات مشمولہ میگزین حافظ صدیق اسلامیہ کالج بدایوں۔ ۱۹۵۲ء ص: ۲۵
۲۔ باقیات الصالحات ص: ۱۹ ۳۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ص: ۹۱۔ ج ۲ / تذکرہ ماہ و سال ص: ۲۹۲

چھ دیوان، پانچ مثنویاں، پانچ مسدس، دو مراثی، چند قصیدے تضمین اور رباعیات ان سے یادگار ہیں[۱] ایک قصیدہ باسم تاریخی قمر نظم (۱۳۳۰) وکٹوریہ پریس بدایوں سے طبع ہوا۔

ان کی مثنویات میں سب سے مشہور مثنوی شہنشاہ نامہ اسلام ہے جس کا پہلا حصہ ہاشمی پریس بدایوں سے ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں طبع ہوا۔ جو راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ مثنوی چھبیس سو (۲۶۰۰) اشعار پر مشتمل ہے۔

نعت بھی کہتے تھے اور بہت کہتے تھے اس سلسلہ میں ان کا ایک نعتیہ قصیدہ بہت مشہور ہے اس قصیدہ کے سلسلہ میں پروفیسر ضیا احمد لکھتے ہیں[۲]

> آپ نے ایک معرکۃ الآرا نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس کی تشبیب میں نہایت خوبی کے ساتھ عالم آشوب کے طور پر گردش روزگار کی شکایت کی ہے اور پھر بہار کا ذکر کر کے نعت شریف کی جانب گریز کی ہے۔ تمہید کی شوکت تخلیص کی آمد، مدح کا جوش اور خاتمہ کا حسن دیکھ کر ناقد اس فیصلہ پر مجبور ہوگا کہ شاعر نہ صرف مقتضیات فن و لوازم قصیدہ سے واقف ہے بلکہ حسن سلیقہ و لطف سخن کے ساتھ اس کو برتنے پر بھی بوجہ احسن قادر ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ غیر مطبوعہ ہے البتہ راغب بدایونی نے جو اس کی تضمین کی ہے وہ "موج تضمین" کے نام سے ۱۹۳۰ء میں ہاشمی پریس بدایوں سے شائع ہو چکی ہے۔ شہید حسین نے موج تضمین، اس قصیدے کا عنوان قرار دیا ہے اور مطبوعہ لکھا ہے جو غلط ہے[۳]

راقم الحروف کی لائبریری میں "موج تضمین" کے علاوہ ولادت رسول سے متعلق ۲۱۲ اشعار پر مشتمل ان کی ایک مثنوی باسم تاریخی "مولود پیغمبر" محفوظ ہے جو ۱۹۲۴ء میں نظامی پریس بدایوں سے طبع ہوئی۔ شہید حسین نے اس کا سال اشاعت ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء تحریر کیا ہے۔ جو دراصل اس کا سالِ تصنیف ہے۔[۴] ایک طویل قصیدہ "نعت کا تازہ کلام" عنوان سے ذوالقرنین (۱۴ر فروری ۱۹۱۴ء) شائع ہوا اس کی تشبیب میں شاعر نے ۱۹۱۴ء کے قحط کی ہولناک تصویر کھینچتے ہوئے عرض مدعا کیا۔ یہ قصیدہ بلند خیالی مضمون آفرینی کی عمدہ مثال ہے۔ نمونہ کلام

تماشا تو اہلِ نظر دیکھتے ہیں　　تجھے دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
نہیں دیکھتا جن غریبوں کو کوئی　　انہیں شاہِ جن و بشر دیکھتے ہیں

۱۔ خود نوشت حالات، میگزین اسلامیہ کالج ص: ۲۵۔　۳۔ تقریب مشمولہ موج تضمین ص: ۲

۲۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ ص: ۸۹　۴۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ ص: ۹۱

گری ٹوٹ کر بزم پہ رحمت خدا کی — جو دیکھا کہ حضرت ادھر دیکھتے ہیں

نہ چھیڑو ہمیں حشر تک اے ملائک — وہ دیکھو شہِ بحر و بر دیکھتے ہیں

یہ آتا ہے جی میں کہ پتھر سے پھوڑیں — جدا تیرے در سے جو سر دیکھتے ہیں

وہ روشن ہیں نقشِ کفِ پا کہ جس کو — تعجب سے شمس و قمر دیکھتے ہیں

بس اے عیش اب بزمِ مولود میں چل — تری راہ اہلِ ہنر دیکھتے ہیں

رباعی

کیا پوچھتے ہو طیبہ میں کیا ملتا ہے — ہو جتنی طلب اس سے سوا ملتا ہے

ہے یہ بھی تلاش کیا مزے کی اے عیش — ڈھونڈو جو نبی کو تو خدا ملتا ہے

قصیدہ کے چند اشعار:

جی میں ہے نعتِ نبی میں مطلعِ رنگیں لکھوں — منتظر ہیں دیر سے مشتاق ہیں اہلِ سخن

بول بالا ہے ترا دنیا میں اے شاہِ زمن — باتیں کرتا ہے ترے منھ سے خدائے ذوالمنن

آدمی تو کیا فرشتوں پر بھی تجھ کو فوق ہے — مہبطِ روح الامیں ہے تیرا گھر تیرا وطن

غیب کے اسرار اکثر تجھ پہ افشاں ہو گئے — کھل گئے دل پر تری رازِ حقیقت من و عن

اللہ اللہ وہ شریعت تیری وہ تیری کتاب — ہو گئے منسوخ سارے جس سے ادیانِ کہن

کر دیا اس سمت سے اس سمت تک سب کو نہال — جب پڑی دنیا پہ تیری ابرِ رحمت کی سبھرن

برسوں کے ڈوبے ہوئے تو نے نکالے آن میں — صدیوں کے بگڑے ہوئے تو نے سنبھالے دفعتاً

خانۂ کعبہ سے بت تیرے نکلوائے ہوئے — تیرے للکارے ہوئے ترسا و گبر و برہمن

تیرے تابع جملہ انعام و نباتات و حجر — تیرے زیرِ حکم سب پیر و جواں و مرد و زن

تیرے در کے خاک کے ذروں سے بھی کم تر ہیں — مشتری و زہرہ و مریخ و پروین و پرن

تیرے ٹھکرائے ہوئے تختِ شہنشاہانِ دہر — تیرے پھنکوائے ہوئے تاج گہر ہائے عدن

آگئے سیکھی دشمنوں نے بھی ترے مستوں کی چال — ساری دنیا میں ہوا رائج ترے گھر کا چلن

سنجرِ صادق، معینِ صدق مصداقِ کرم — موسعِ دامانِ رحمت موجدِ طرزِ حسن

تاجدارِ شش جہت روحِ روانِ چار یار — شمعِ ایوانِ رسالت صدرِ بزمِ پنجتن!

چارہ سازِ دردمنداں حامیِ بیچارگاں! — شافعِ روزِ قیامت دافعِ رنج و محن

بادشاہِ انس و جاں حاجت روائے بیکساں — قبلۂ اہلِ زمان کعبۂ اہلِ زمن

مدح گیسو لکھنے بیٹھوں تو لکھوں تا صبح حشر
یارب اتنی طول ہو میری شب فکر سخن

تو کہاں اور مدح ممدوح و حبیب حق کہاں
ہوش میں آ عیش آنکھیں کھول دیوانہ نہ بن

ہاں قصیدہ اب دعا پر ختم کرنا چاہیے
لوگ گھبرا جائیں گے موزوں نہیں طول سخن

---

(٦٣) فائق :

مصطفیٰ بخش ولد شکور بخش۔ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان بخوش میں تقریباً ١٩٠٥ء میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کر کے آبائی جائداد کی دیکھ ریکھ کرنے لگے۔ ١٩٤٧ء سے قبل گورکھپور میں ملازم تھے۔

شاعری کا چسکہ کم عمری ہی میں لگ گیا تھا۔ ان کے چچا ستار بخش ستار بدایونی شہر کے اچھے سخنور تھے۔ تاریخ گوئی کا خاص ملکہ تھا۔ ان کے خاندان کے بعض دوسرے بزرگ علی بخش خاں شرر، حامد بخش حامد نعت گوئی میں درجہ کمال حاصل کر چکے تھے۔ فائق نے بھی نعت گوئی کو ہی ذریعہ اظہار بنایا۔ اور قمر بدایونی، توانا بدایونی، احسن مارہروی سے اصلاح و مشورہ کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ ان کی نعتیں مقبول ہونے لگیں اور بدایوں کے اکثر نعت خواں ان کا کلام پڑھنے لگے۔ مجموعہ کلام کی ترتیب و اشاعت کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ نعت خواں حضرات کی بیاضوں میں ان کا کلام بڑی مقدار میں نظر آتا ہے۔ اپنے چچا رزاق بخش کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا تھا اور جامی بدایونی کی ایک نظم پر خمسہ کیا تھا۔ جو طبع ہوا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد ڈھاکہ چلے گئے وہاں ملازمت اختیار کی اور وہیں ١٩٥٦ء میں انتقال کیا۔[١]

ان کے عزیز مجتبیٰ بخش قادری نے اپنے مکتوب میں ان کا سال پیدائش ١٩٠٦ء اور سال وفات ١٩٥٤ء تحریر کیا ہے[٢] واللہ اعلم۔

فائق نے دو شادیاں کی تھیں۔ زوجہ اول سے تین بیٹے اور زوجہ دوم سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی یادگار چھوڑیں۔ ان کے بیٹے صمد بخش اور بیٹی صالحہ رعنا کراچی میں مقیم ہیں۔[٣] نمونہ کلام :

ہے گرمی بازار محشر زیادہ
ہوائے عنایت ہے اب کیا ارادہ

شہ دو جہاں اور یہ وضع سادہ
ہیں پیوند جس میں وہ تن پر لبادہ

١۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ٢ ص : ٩٥
٢۔ مکتوب بنام راقم الحروف مورخہ ٢٠ ر جون ١٩٥٦ء
٣۔ مکتوب بنام راقم الحروف مورخہ ٢٠ ر جون ١٩٥٦ء

نواز جب ان کی نگاہِ کرم نے — نظر آئی فردِ عمل اپنی سادہ
ہے خورشید محشر جلانے کی دھن میں — ذرا بارشِ ابرِ رحمت زیادہ
فلک تا بماہی مسلّم ہے شاہی — مگر شان یہ ہے کہ مسند نہ جادہ
برا ہوں اگر میں تو کچھ غم نہیں ہے — بروں سے انھیں ہے محبت زیادہ
لبوں پر ہے دم تشنگی بڑھ رہی ہے — اب اے میر کوثر پلے دور بادہ
ادا سجدہ شکر ہو ہر قدم پر — مدینے کو جاؤں مگر پا پیادہ

گذر جائے یہ عمر نعت نبی میں!!
یہی اب تو فائق ہے اپنا ارادہ

تو جو بے خودِ دل ناکام ہوا جاتا ہے — جلوہ حسنِ ازل عام ہوا جاتا ہے
پیش ہے دفترِ اعمال خبر لے مولا — نام لیوا ترا بدنام ہوا جاتا ہے

فراقِ دشتِ طیبہ میں یہ حال زار ہو جائے — گرے جو آنکھ سے آنسو وہی گلزار ہو جائے
جلانا چاہتی ہیں گرمیاں مہرِ قیامت کی — ذرا بارش کرم کی رحمتِ سرکار ہو جائے

مرے مد نظر ہے وصف کس کے روئے تاباں کا
قلم کرتا ہوا جو سجدہ شکرانہ آتا ہے

مرے اعمال نامے پر بھرن رحمت کی پڑ جاتی — تری چشم شفاعت کو اگر منظور ہو جاتا
کبھی تو اس کی حسرت احمد مختار بر آتی — کبھی تو در پہ حاضر فائق مہجور ہو جاتا

---

(۶۵) قدیر۔ قدیر:

محمد عبد القدیر، ولد مولانا عبد القادرؒ، ساکن مولوی ٹولہ۔ عثمانی خاندان میں ۱۱ر شوال ۱۳۱۱ھ/ ۱۷ر اپریل ۱۸۹۴ء کو بہ مقام بدایوں پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا عبد المقتدر بدایونی (ف ۱۹۱۵ء) کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کی۔ مولانا محب احمد قادری، حکیم برکات احمد ٹونکی، مولانا عبد العزیز رامپوری اور

بعض دوسرے علماء سے تحصیل علم کیا۔[1]

مولانا عبدالمقتدر بدایونی کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۲ء میں اجازت خلافت ملی اور ۱۹۱۵ء میں بھائی کی وفات کے بعد صاحب سجادہ ہوئے۔[2]

ریاست حیدرآباد دکن میں عرصہ تک مفتی کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہ سلسلہ کب سے قائم ہوا اس سلسلہ میں مختلف سنہ مذکور ہوئے ہیں۔ ضیاء علی خاں نے ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء اور پروفیسر مسعود احمد نے ۱۹۲۵ء تحریر کیا ہے۔[3] روزنامچہ گلبرگہ از سری کشن پرشاد (بدایوں ۱۹۲۳ء) میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ یہ روزنامچہ ۱۹۲۱ء کا مرقومہ ہے اس لیے صحیح سنہ ۱۹۲۱ء یا اس سے قبل کا ہونا چاہیے۔ ریاست حیدرآباد کے سقوط (۱۹۴۹ء) کے بعد اپنے وطن آگئے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد (کراچی) نے اس دور کی ہندوستانی سیاست میں ان کی شمولیت کو آشکارا کیا ہے۔ انہوں نے تصور پاکستان پیش کرنے کا سہرا علامہ اقبال کے سر سے اتار کر مولانا کے سر پر باندھ دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ۱۹۲۵ء میں پاکستان کا جو مفصل خاکہ ایک رسالہ کی صورت میں بہ نام "ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام" (مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ) شائع ہوا تھا اس میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اسٹیٹ کی تجویز شامل تھی۔ اس کے مصنف قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی کے بھائی عبدالقدیر نہیں بلکہ مولانا عبدالقدیر بدایونی تھے۔[4]

یہ مسئلہ متنازعہ فیہ اور تحقیق طلب ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسئلہ برار، خلافت تحریک، جمعیۃ العلماء ہند، مسئلہ فلسطین سے متعلق وہ سرگرم عمل رہے اور متعدد سیاسی کانفرنسوں میں خطبات صدارت پیش کیے۔ پروفیسر مسعود احمد نے ان کے چند خطبات کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔[5]

۳ر شوال ۱۳۷۹ھ/۱ر مارچ ۱۹۶۰ء کو بدایوں میں وصال فرمایا۔ درگاہ قادریہ میں اپنے برادر بزرگ کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔[6] ان کی وفات پر مناقب و قطعات کا ایک مجموعہ "نذرانہ عقیدت" کے نام سے ۱۹۶۰ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ جام نوائی کا یہ تاریخی قطعہ پسند کیا گیا۔[7]

جمالِ حضرت عبدالقدیر کے صدقے — منور اور ہوا جام آج باغ بہشت
لکھو یہ ہجری و ہم عیسوی سنین وفات — پسند خاطر جنت ، چراغ بزم بہشت
۱۳۷۹ھ — ۱۹۶۰ء

۱۔ مردانِ خدا ص: ۵۲۱، ۵۲۲
۲۔ مردانِ خدا ص: ۵۲۱، ۵۲۲
۳۔ مردانِ خدا ص: ۵۲۲؛ مولانا عبدالقدیر بدایونی ط ۲
۴۔ تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز اور اس کا مصنف، ماہنامہ الحبار کراچی مارچ ۱۹۸۰ء
۵۔ مردانِ خدا ص: ۵۲۴
۶۔ مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی ص: ۲۹ تا ۳۵
۷۔ تاریخ گویان بدایوں ص: ۶۱

پنے وقت کے شیخ طریقت تھے۔ بدایوں والوں کے لیے وہ ایک ہادی اور روحانی رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔
تذکرۂ محبوب کے نام سے ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۹ء میں مولوی عبدالرحیم بدایونی نے ان کے حالات قلم بند کئے تھے
یہ کتاب اب نایاب ہے۔

اپنے اسلاف کی طرح شاعری سے انھیں بھی شغف تھا۔ بہت رواں اور جذب و اثر میں ڈوبے ہوئے شعر کہتے تھے۔

تحریک آزادیٔ ہند خصوصاً ترک موالات کے زمانے میں جب وہ بغداد کے لیے عازم سفر ہوئے تو انھوں نے ایک مثنوی باسم مثنوی غوثیہ لکھی۔ جو اس دور کے شدائد قوم و ذات کا عرض و اظہار بن گئی۔ یہ مثنوی ۲۴۹ اشعار پر مشتمل ہے اور مولانا عبدالقادر فقیر بدایونی کے دیوان سوم گنجینۂ مظہر حق میں شامل ہے۔ نمونۂ کلام:

نورِ حق آ گیا آئینۂ وحدت بن کر	چمکی تقدیر جہاں عالم کثرت بن کر
سب رسولوں کی رسالت کی سند دی تم نے	سب کے محضر میں رہے مہر نبوت بن کر
اپنی نظروں سے گرا آپ، تو عزت یہ ملی	پائی آغوش کرم اشک ندامت بن کر
عید میلاد ہیں اے قادرؔ ملے گی عیدی	عرش سے آئے گی پروانۂ عزت بن کر

وصل اک حقیقت تھی ہجر اک فسانہ تھا	ہم تھے جب مدینہ میں وہ بھی کیا زمانہ تھا
بندے تو بس اتنا ہم تھے اور سجدے تھے	آگے بیخودی جانے کس کا آستانہ تھا

مثنوی غوثیہ سے چند اشعار بطور تبرک نقل کئے جاتے ہیں اگرچہ یہاں اس کا محل نہیں ہے لیکن مولانا عبدالقدیرؒ کا کلام بالعموم اور نعتیہ کلام بالخصوص عام طور پر دستیاب نہیں ہے۔ لہذا یہ ضروری معلوم ہوا کہ ان کے کلام کو، وہ نعتیہ ہو یا نعتیہ نہ ہو، پیش کر دیا جائے۔ تاکہ وہ اوراق تاریخ میں محفوظ ہو کر ان کے نام اور کلام کو زندہ رکھے۔

سخت طوفان پریشانی ہے	سر سے اونچا مرے اب پانی ہے
اک گرفتار بلا کون کہ میں ہوں	بیکس و بے سروپا کون کہ میں
ایک پامال جفا کون کہ میں	مثل نقش کف پا کون کہ میں
ہمہ تن صورت بد اعمالی ہوں	ایک تصویر پریشاں حالی ہوں

ہدفِ تیرِ ملامت کہیے — تودۂ ناوکِ آفت کہیے
ذرہ گردِ رہِ ناکامی — سعی لاحاصل بد انجامی
شکنِ دلقِ فقیری کہیے — گردِ دامانِ غریبی کہیے
پیکرِ بے سر و سامانی ہوں — ایک آئینۂ حیرانی ہوں
ایک میرا ہی نہیں ہے یہ حال — ہر مسلماں کے یہی ہیں احوال
کفر کعبہ کا نگہبان ہوا — موت کا اپنی یہ سامان ہوا

(۶۲) لطفؔ:

(مفتی) اکرام احمد ولد حافظ غلام جیلانی حافظ۔ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان بنو حمید کے فرد تھے۔ ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ قادریہ بدایوں میں علم کی تحصیل کی۔ آبائی جائیداد قناعت کے لیے کافی تھی لہٰذا فکرِ معاش سے آزاد رہے۔ نواب ظفریاب خاں راسخؔ لکھنوی (ف ۱۸۵۷ء) سے تلمذ تھا۔ سلسلہ قادریہ میں مولانا عبد المقتدر قادریؒ کے مرید تھے۔ ۱۹۳۴ء میں موتیا بند کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی۔ ان کے بڑے بھائی مفتی کرم احمد محوؔ بدایونی (ف ۱۹۵۲ء) ان کی جائداد کا انتظام و انصرام دیکھتے اور ان کی خبرگیری و کفالت کرتے رہے[۱]۔
۱۹ شعبان ۱۳۶۲ھ / ۲۱ اگست ۱۹۴۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور درگاہ قادریہ میں مدفون ہوئے[۲]۔
ان کے شاگرد ابرار صدیقی نے تاریخ کہی[۳]:

ہوگئی بزمِ سخن آج اداس — بجھ گئی ایک صفِ ماتمِ لطفؔ
بے بدل شاعرِ خوش گو اٹھا — کس طرح اٹھے گا بارِ غمِ لطفؔ

۱۳۶۲ھ

لطفؔ غزل کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ بیسویں صدی کے نصف اول تک بدایوں کے مطلع ادب پر غیش تو انائی وزن کے ساتھ ساتھ لطفؔ بھی نمایاں رہے۔ مشاعروں اور گلدستوں میں ان کا کلام اشتیاق کے ساتھ سنا اور پڑھا جاتا تھا۔ پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا ہے[۴]:

> لطفؔ کوئی عالم آدمی نہ تھے مگر اچھے شاعر تھے۔ غشقیہ طرز میں بھی اشعار کہتے تھے جن میں داغؔ کا رنگ ہوتا تھا ...... لطفؔ کے کلام کا ایک اچھا انتخاب ہو جائے تو وہ آج بھی لطف سے پڑھا جائے گا

۱۔ لطفؔ بدایونی مشمولہ نئی بدایوں کراچی اگست ۱۹۹۴ء ص ۳۔ ۲۔ ایضاً
۳۔ صدا رنگ ص: ۱۸۷ ۴۔ ہماری زبان علی گڑھ ۸ ستمبر ۱۹۶۶ء

حالات کی ناسازگاری اور قلندرانہ مزاج کے باعث کلام کی اشاعت کی طرف کبھی انہوں نے توجہ نہیں دی۔ ابرار صدیقی نے ان کے تین دیوان بہاریہ و عشقیہ اور ایک دیوان نعت و مناقب جنگ خیبر کے حال پر ایک طویل مثنوی اور مولوی وحید بخش (ف ۱۹۴۱ء) کی موت پر ایک شخصی مرثیہ کی نشاندہی کی ہے[1] لیکن اس گراں بہا ادبی خزینہ کا کیا حشر ہوا۔ معلوم نہیں۔

لطف کا ایک شعر بہت مشہور ہے۔

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

یہ بات بہت مشہور ہے کہ اقبال نے جب یہ شعر سُنا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "میں نے ایک قالب تیار کیا تھا جس میں جان ڈال دی گئی"۔

لطف کا بیشتر نعتیہ کلام نعت خواں حضرات کی بیاضوں میں محفوظ ہے۔ مولوی نثار احمد نعت خواں مستقل انہیں کا کلام پڑھتے تھے۔ برادرم عارف پرویز (محلہ سوتھا بدایوں) نے نعت خواں حضرات کی بیاضوں، مشاعروں کے گلدستوں اور مختلف رسائل و اخبارات سے ان کا خاصا کلام جمع کر لیا ہے، جو ترتیب کے مراحل میں ہے۔ نواب قادری نے لکھا ہے کہ لطف کے دو دواوین کے مولوی نثار احمد نعت خواں ہی مالک ہیں[2]۔ نہ لطف میں نہ نثار احمد خاں رہے نام اللہ کا نمونہ کلام:

جو نصیب ہو تو نثار ہو یہ نیاز مایہ ناز میں
کہ لگی ہو خاک درِ حضور مری جبین نیاز میں

کوئی حسن و عشق چھپائے کیا کرے ایک نور کا تذکرہ
وہ ہے خود فروش خدا نما وہ نیاز میں تو یہ ناز میں

کہیں لعل ہے تو کہیں گہر کہیں شمس ہے تو کہیں قمر
یہ اسی کا حُسن ہے جلوہ گر جو نہاں ہے پردہ راز میں

تری ذات شانِ کمالِ رب ترا حسن ہے وہ مرغوب
کہ کوئی ہے شے نہ کسی وقت شب ترے اک تبسم ناز میں

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں

مجھے کام کیا تھا رکوع سے مجھے ہوش کیا تھا سجود کا
ترے نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا ہوا تھا نماز میں

ترے لطف کی ہے یہ آرزو کہ نہ جائے حشر میں آبرو
مرے پردہ پوش چھپا لے تو اسے اپنے دامن ناز میں

غم الفت ہے دم کے ساتھ دم نکلے تو غم نکلے[3]
محبت کا مزا جب ہے نہ دم نکلے نہ غم نکلے

۱۔ خبر بدایوں کراچی اگست ۱۹۹۳ء
۲۔ خمخانہ جاوید ص: ۳۷
۳۔ نمونہ گلدستہ نعت (قلمی) مولوی محمد حسین بالا (نعت خواں) مملوکہ چھٹن نعت خواں

یہ لطفِ زندگانی ہے کہ ہو نظارہ اُس رُخ کا
مزہ مرنے کا جب آئے کہ ان قدموں پہ دم نکلے

صلہ پایا ہے ہم نے مدحتِ خطِ مبارک کا
کہ غنچہ ہاں بھی ہمارے خط کشیدہ ویک تنم نکلے

یہ ہے ایمان تم سا شافعِ محشر نہیں کوئی
مگر ڈھونڈو تو ہم سا بھی گنہگاروں میں کم نکلے

اسے کہتے ہیں باہم دِل سے دِل کو راہ ہوتی ہے
اُدھر محشر میں تم آئے اِدھر مرقد سے ہم نکلے

ہمارا کام تھا راہِ محبت میں قدم رکھنا
تمہیں نے دستگیری کی تو اب کچھ پاؤں جم نکلے

مدینے کی جدائی دِل میں کانٹا سی کھٹکتی ہے
خدا سے دیکھیے اے لطفؔ کب یہ خارِ غم نکلے

دل وہ ہے جو ترے انوار سے ممتاز ہوا
سر وہ ہے جو ترے قدموں سے سرافراز ہوا

تھی کمالات کا مجمع تری ذات والا
اس پہ طرّہ یہ تھا کہ مطلق نہ کبھی ناز ہوا

سرکشی جس نے یہاں کی وہ گرا نظروں سے
جو گرا تیرے قدم پر وہ سرافراز ہوا

واہ رے میرے نصیب اور تری شانِ کرم
میرا دل اور تری جلوہ گہہ ناز ہوا

سچ یہ ہے ظاہر و باطن ہے انھیں کا جلوہ
وہی آنکھوں میں نہاں ہیں وہی پنہاں دل میں

کہہ رہی ہیں مرے ساقی کی نشیلی آنکھیں
صورتِ جام بھری ہے مئے عرفاں دل میں

اپنی رحمت سے وہ دیتے ہیں تسلّی اے لطفؔ
جرم عصیاں سے جو ہوتا ہے پشیماں دل میں

گنہگارانِ اُمّت کو بہت ڈر تھا قیامت کا
مگر دیکھا تو نکلا نام دربارِ شفاعت کا

وہ یکجا ہے جہاں تم ہو کہ شہرہ ہے زمانہ میں
تمہارے حسنِ صورت کا تمہارے حُسنِ سیرت کا

نظر آتی ہے بس شانِ الٰہی تیرے جلوے سے
کمالِ صنعتِ باری ہے نقشہ تیری صورت کا

---

(۶۷) محشرؔ[۱] :

فاروق احمد ولد حسنین احمد موتی ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان کے فرزند تھے۔ مئی ۱۹۲۲ء میں اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے[۲]۔ اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی ۱۹۲۹ء

۱۔ ماخذ مجلہ بدایوں کراچی نمبر ۶ مارچ ۹۵ء

۲۔ تذکرہ ماہ و سال ص: ۳۲۲ میں سال پیدائش ۱۹۲۰ء درج ہے جو غلط ہے

گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں سے میٹرک پاس کیا۔ پندرہ سال کی عمر سے شاعری کا چسکا لگ گیا۔ گھر کا ماحول مکمل طور پر شاعرانہ تھا۔ محشر کے پھوپھا عیش بدایونی کے در دولت پر ہمہ وقت شعراو ادبا کی محفلیں آراستہ رہتیں۔ محشر بھی ان میں شریک ہونے لگے۔ خاندانی بزرگ نظامی بدایونی کی صحبتوں نے علم وادب کے شوق کو مہمیز کیا۔ نظامی کی ذاتی لائبریری اور نظامی بک ڈپو سے پورا پورا استفادہ کیا اور نظامی کی شفقت و سرپرستی حاصل کرکے ادبی دنیا سے متعارف ہوئے۔

۱۹۴۳ء میں دہلی گئے اور وہاں ڈائرکٹریٹ جنرل سپلائی اینڈ ڈولپمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ اس درمیان شکیل بدایونی کے ہمراہ دہلی کی ادبی و شعری نشستوں میں شامل ہوکر داد سخن حاصل کی۔ اور ماہنامہ "خاتون مشرق" کے حصہ نظم کے مدیر بن گئے۔

ستمبر ۱۹۴۷ء میں کراچی گئے اور متعلقہ شعبہ میں ملازمت بحال رہی۔ ۱۹۵۰ء میں ریڈیو پاکستان کے رسالہ "آہنگ" کے نائب مدیر بنے اور ۱۹۶۶ء میں مدیر ہو گئے۔ ملازمت کے دوران ہی انھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرلیا۔

۱۹۸۲ء میں وہ قبل از وقت ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور نارتھ ناظم آباد کراچی میں واقع اپنے ذاتی مکان "برگ وبار" میں بیٹھ کر ادبی خدمات میں مصروف ہو گئے۔

۱۹۴۵ء میں ان کی ازدواجی زندگی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد دیار رسول و بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور خاصی مقدار میں نذرانہ عقیدت بصورت نعت اپنے ہمراہ لائے۔

اپنے دور میں انھوں نے عزت شہرت عظمت سب کچھ پائی اور بڑے مطمئن رہے ۹ نومبر ۱۹۹۴ء کو وفات پائی۔ مزار کراچی میں ہے۔

شعر و سخن کا بہت بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ غزل کے ۵ دیوان مطبوعہ موجود ہیں جو بالترتیب ہیں شہپر نوا (کراچی ۱۹۶۴ء) غزل دریا (لاہور ۱۹۷۸ء) گردش کوزہ (لاہور ۱۹۸۲ء) چراغ میرے ہم نوا (لاہور ۱۹۸۹ء) فصل فردا (۱۹۹۱ء) کلیات محشر (۱۹۹۴ء غیر مطبوعہ) ان کے علاوہ شعرا کے منظوم مرقعے شاعر نامہ (کراچی ۱۹۶۶ء) بچوں کے لیے چند گلدستے اور منظومات مطبوعہ یادگار ہیں۔

نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ "حرف ثنا" ۱۹۸۶ء میں مقبول اکیڈمی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ نمونہ کلام:

جب سے وہ روضہ دیکھا ہے صورت ہی اور ہے ۔۔۔ آنکھوں میں پیاس دل میں حرارت ہی اور ہے

ہر طاق جاں سجا ہوں شمع درود سے ۔۔۔ اب اہتمام حلقہ فرصت ہی اور ہے

آنسو امیدوار ہیں ۔ آنکھیں نگہ طلب نہ ہو — آب و ہوائے قریہ رحمت ہی اور ہے
لمس جبیں سے قلب میں اتریں حرارتیں — صحن حرم میں لطفِ عبادت ہی اور ہے
تاریخ ریگ و سنگ تھی ارضِ عرب تمام — آپ آئے تب کھلا کہ حقیقت ہی اور ہے
جب سے فضائے منبر و محراب میں ہے دل — لفظوں میں گونج ۔ فکر میں وسعت ہی اور ہے
کوئی طلب بقدرِ مذاقِ طلب نہیں نہ ہو — آسودہ جس سے ہوں وہ ضرورت ہی اور ہے
طے کر چکا بہت سفرِ آرزو بس اب — طیبہ دوبارہ جانے کی حسرت ہی اور ہے

نیازِ عجز کے آداب سے غافل نہ تھیں آنکھیں — حرم کی راہ میں بچھ جائیں اس قابل نہ تھیں آنکھیں
یہ عقدہ کس طرح کھولوں یہ نکتہ کیسے سمجھاؤں — کرم کی بارشیں کیوں ہیں اگر سائل نہ تھیں آنکھیں
چلا ہوں نورِ کعبہ ان میں لے کر منظرِ طیبہ! — یہ اب مجھ پر کھلا جیسے یہ لاحاصل نہ تھیں آنکھیں
عجب تھا جوشِ گریہ اور عجب ہوشِ تصور تھا — طوافِ جلوہ میں حائل تھیں اور حائل نہ تھیں آنکھیں
ملا اشکِ رواں کا سلسلہ دامانِ رحمت سے — جو رستہ روک دے موجوں کا وہ ساحل نہ تھیں آنکھیں

سرکار کی بات کر رہا ہوں — سامانِ نجات کر رہا ہوں
برسا کے عقیدتوں کے آنسو — تطہیرِ حیات کر رہا ہوں

جو درِ شاہِ دیں سے ملتا ہے — وہ سکوں کب کہیں سے ملتا ہے
کوئی بھی جستجو ہو کوئی لگن! — ذوقِ منزل وہیں سے ملتا ہے
ہم گدائے درِ محمد ہیں !! — ہم کو سب کچھ یہیں سے ملتا ہے

---

(٦٠) مختار:

مختار احمد ولد حکیم ظہیر احمد ظہیری ۔ساکن فرشوری ٹولہ۔ نسباً شیوخ صدیقی ۔ ١٧ر جولائی ١٨٩٧ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اردو مڈل پاس کیا ۔عربی تعلیم حکیم اعجاز احمد معجز سہسوانی (ف ١٩٦٣ء) اور مولانا حبیب الرحمٰن قادری سے حاصل کی ۔ درس نظامی کی ابھی تکمیل نہیں کر پائے تھے کہ معاشی ضروریات کے تحت تعلیم ترک کرکے ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ پہلے پہل سلطانپور پھر بدایوں کلکٹری میں پیشکار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ۔ ١٩٢٩ء میں

طب کا امتحان لاہور سے اور ۱۹۰۳ء میں شمس العلماء کی ڈگری پٹیالہ سے حاصل کی اور طب کو ذریعہ معاش بنالیا۔[1]

۱۹۱۷ء سے شاعری کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۸ء میں فانی بدایونی (ف ۱۹۴۱ء) سے نیاز حاصل ہو جانے کے بعد ان سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۸۰ء تک وہ شاعری کی تمام اصناف میں کچھ نہ کچھ کہتے رہے لیکن ۱۹۶۹ء میں حج بیت اللہ کرنے کے بعد نعت و منقبت ہی سے سروکار رکھا۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۴ء تک کا زمانہ نعت و منقبت کے لیے مخصوص رہا۔[2]

۴ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو وفات پائی مسجد حوض قاضی کے عقب میں دفن کیے گئے۔ پسماندگان میں دو بیٹے ارشاد قدر اور ادریس قدر افق سبزواری اور ایک بیٹی بقید حیات ہیں۔

تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا مندرجہ ذیل کتب مطبوعہ موجود ہیں:

معالجات ظہیری (لاہور ۱۹۲۱ء) التجائیں (بدایوں ۱۹۵۱ء) فانی کے مقطعے (حیدرآباد ۱۹۶۳ء) تاریخ بزرگان دہلی (دہلی ۱۹۷۲ء) تذکرہ فانی (لکھنؤ ۱۹۷۶ء) نظام الدین اولیاء (بدایوں ۱۹۷۷ء) اردو کی فریاد (دہلی ۱۹۷۹ء) جبر مختار (بعد از مرگ دیوان بریلی ۱۹۸۷ء) ایک غریب مصنف (غیر مطبوعہ) تمدن ہندوستان (غیر مطبوعہ)

نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ عقیدت کے گجرے (بدایوں ۱۹۷۷ء) شائع ہو چکا ہے۔ ایک نعتیہ دیوان "صحیفہ نجات" منتظر اشاعت ہے۔

ان کے بیٹے جناب ادریس قدر افق سبزواری (پیدائش اکتوبر ۱۹۲۳ء) جو خود بھی کئی کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں ان کے تمام غیر مطبوعہ مسودات کو وقف عام کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کوشش ان کا دیوان 'جبر مختار' تھا دوسری کوشش معاصرین کے وہ خطوط ہیں جو ان کے والد کے نام ہیں ان کو مرتب کر کے 'خط اک اوز' (بریلی ۱۹۹۰ء) کے نام سے کتابی شکل میں شائع کرا چکے ہیں۔ نمونہ کلام:

محمد کا یہ احترام اللہ اللہ — کہ جلوے کریں خود سلام اللہ اللہ
چمکتا ہے فاران کی چوٹیوں سے — عرب کا وہ ماہِ تمام اللہ اللہ
جو تکلیف پہنچے تو دیدیں دعائیں — یہ تھا جذبۂ انتقام اللہ اللہ!

---

[1] خود نوشت حالات مملوکہ راقم الحروف

[2] ایضاً

جہاں جاتے جبریل کے پَر ہیں جلتے ‫‫— ہے وہ عبدیت کا مقام اللہ اللہ
بدل ڈالا اخلاق کی خوبیوں سے — زمانے کا سارا نظام اللہ اللہ
نہیں جس کی تمثیل دنیا میں کوئی — مدینہ کی وہ صبح و شام اللہ اللہ
نشہ اس کا اترا نہ پھر تا قیامت — پلایا وہ وحدت کا جام اللہ اللہ
وہ مختار ہے جو کہ رسوائے عالم — غلاموں میں ہے اس کا نام اللہ اللہ

خدا نے ہر ایک بات کی ان پر انقاد — بیانِ خدا ہے بیانِ محمد!
مئے فقر تا حشر پیتے رہیں گے — رہے گی کھلی یہ دکانِ محمد

مختار ان کی شانِ کریمی کے ہیں نثار — نکلا نہ اک گناہ بھی میرے حساب میں

جو نورِ نبی بالیقیں دیکھ لیتے! — وہ جنت پھر اپنے قریب دیکھ لیتے

---

(۶۹) منظور:

(مولانا) عبدالماجد ولد (مولانا) عبدالقیوم ساکن مولوی ٹولہ عثمانی خاندان میں ۴ر شعبان ۱۳۰۴ھ/ ۲۸ر اپریل ۱۸۸۷ء پیدا ہوئے[۱] مولانا عبدالقادر بدایونیؒ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ رسم تسمیہ خوانی کے بعد مولانا عبدالمجید قادری آنولوی (ف ۱۹۴۲ء) اور مفتی شاہ محمد ابراہیم قادری (ف ۱۹۵۶ء) سے تعلیم حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل مولانا محب احمد قادری (ف ۱۹۲۲ء) کے ہاتھوں ہوئی۔ اس درمیان شاہ عبدالقادر اور اپنے والد ماجد کے بھی زیر تعلیم رہے[۲]

۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں درس نظامی کی تکمیل ہوئی اسی سال مولانا ابرارالحق کیفؔ کی صاحبزادی سے عقد کیا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد طب کی تحصیل کے لیے دہلی گئے۔ حکیم غلام رضا خاں اور حکیم عبدالرشید خاں سے طب کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں طب کی سند حاصل کی۔ دہلی میں قیام کے دوران آریہ سماجیوں سے مناظرے کیے[۳]

۱۔ تذکرہ طیبہ ص: ۱۱؛ تذکرۃ الواصلین ص: ۲۶۰ (حاشیہ) ۳۔ مردان خدا ص: ۵۱۶؛ تذکرہ طیبہ ص: ۱۲-۱۳

۲۔ تذکرہ طیبہ ص: ۱۳

طالب علمی کے دور میں مولانا عبدالقادر قادریؒ کے دست پر مشرف بہ بیعت ہوئے اور خلافت کے مجاز بھی قرار دیے گئے۔

اپنے دور کے بے مثال خطیب، مصنف، شاعر اور ملی رہنما تھے۔ ان کی مشارت حیات کے تین زاویے رہے۔ علم و ادب، تصوف، سیاست۔ خطابت میں ان کا دور دور شہرہ تھا۔ سیرت رسول، شہادت حسین، سیاست حاضرہ پر شعلہ بیانی کا ذکر مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے مضمون "ہم نام نامور" میں کیا ہے[۱]۔

ملکی و ملی اور سیاسی سرگرمیوں میں بھی بیش از بیش حصہ لیا۔ مجلس خدام کعبہ (۱۹۱۳ء) خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء) جمعیتہ العلماء (۱۹۱۹ء) ترک موالات (۱۹۲۰ء) تبلیغ (۱۹۲۲ء) تنظیم (۱۹۲۴ء) مسلم کانفرنس (۱۹۲۹ء) ہر ایک تحریک میں ایک فعال کارکن، مشیر خصوصی اور مخلص کارگزار کی طرح شریک کار رہے۔ خلافت کمیٹی اور انڈین نیشنل کانگریس کے ممبر بھی رہے[۲]۔

ان کی زندگی کا ہر لمحہ قومی زندگی کے لیے وقف تھا۔ شبانہ روز سفر میں رہتے تھے اور ملک کے طول و عرض میں مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے، علماء کو متحد کرنے ان کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں قومی پلیٹ فارم پر بے شمار خطبے دیے اور تقریریں کیں۔ اس سلسلہ میں بعض اسلامی ممالک کی سیاحت بھی کی۔ ۱۹۲۴ء میں مجلس خلافت نے ابن سعود اور شریف حسین تنازعہ طے کرانے کے لئے سید سلیمان ندوی (ف ۱۹۵۲ء) کی قیادت میں ایک وفد حجاز بھیجا تھا اس وفد کے ارکان میں مولانا ماجد بھی شامل تھے[۳]۔

علم دین کے فروغ اور انسان کی روحانی و ذہنی تربیت کے لیے بھی انہوں نے غیر معمولی کوششیں کیں۔ ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں جامع مسجد شمسی میں ان کے والد ماجد نے ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد مدرسہ شمسیہ کی بنا ڈالی۔ اس کی آبیاری مولانا ماجد کے ہی ہاتھوں ہوئی۔ انھوں نے منتخب اساتذہ جمع کیے ہمدردانِ قوم سے زر کثیر جمع کر کے مدرسہ کے لیے علٰحدہ ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کرائی۔ انگریز کلکٹر بہادر سے مدد حاصل کر کے اس مدرسہ کے بلند و بالا دروازے کو گھنٹہ گھر کی صورت دی۔ ایک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کرایا اور مسجد سے مدرسہ اس جدید عمارت میں منتقل کر دیا[۴]۔

اس مدرسہ میں تعلیم کے معیار کو بلند کیا درس نظامی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مولوی، عالم، فاضل منشی وغیرہ کے امتحانات دلانے کا سلسلہ بھی جاری کیا۔

---

[۱]۔ ہم نام نامور مشمولہ ہفتہ وار سچ لکھنؤ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ء [۲]۔ مولانا محمد علی جوہر اور عبدالماجد بدایونی مشمولہ برگ گل کراچی جوہر نمبر ۱۹۸۰ء [۳]۔ علامہ سید سلیمان ندوی ص : ۸۰ [۴]۔ تذکرہ طیبہ ص : ۲۰

مدرسہ میں ایک تعلیمی ماحول بنانے کے لیے لائبریری اور ایک ماہنامہ شمس العلوم (اجرا ستمبر ۱۹۱۴ء) جاری کیا۔ یہ ماہنامہ مطبع قادری بدایوں سے شائع ہوتا تھا اور دینی و علمی موضوعات پر معیاری مضامین پر بحث پیش کرتا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں یہ رسالہ مولانا کی وفات کے ساتھ مرحوم ہو گیا۔

شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ تلمذ کے متعلق تحقیق نہ ہو سکا۔ ایک زمانے میں درگاہ قادریہ میں عرس قادری کے تحت مناقب خوانی کی مستقل ایک مجلس آراستہ کرتے تھے اور نعت و مناقب کا زور دار اہتمام کرتے خود بھی ان مجالس میں کلام پیش کرتے۔

متعدد رسائل یادگار چھوڑے۔ مطبوعہ رسائل کے نام یہ ہیں[۱]:

دربار علم، کشف الحقیقت مالا بار، سمرنا کی خونی داستان، عورت اور قرآن، خلاصۃ العقائد، خلاصۃ المنطق، خلافت الہیہ، خلافت بنو امیہ، فلاح الدارین، الاظہار، المکتوب، فصل الخطاب، درس خلافت، جذبات الصداقت، اعلان حق، خطبات عربیہ جمعہ و عیدین، التہدید، القول السدید۔

مسئلہ اذان خطبہ ثانیہ پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) اور اعتقادیات میں مولوی ابوالقاسم بنارسی کے چند رسائل کے رد بھی لکھے[۲]۔ کچھ عرصہ تک مولانا سعید احمد دہلوی (ناظم جمعیۃ العلماء) سے بھی تحریری و تقریری کشمکش جاری رہی[۳]۔

اتنی کثیر الجہت علمی و ادبی اور ملی خدمات انجام دے کر ۲ر شعبان ۱۳۵۰ھ / ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو واصل بحق ہوئے۔ مزار درگاہ قادریہ کے جنوبی دالان میں پختہ واقع ہے[۴]۔

بدایوں کے متعدد شعراء نے مرثیوں قصیدوں اور قطعات کی صورت میں ان کو خراج تحسین پیش کیا ان میں ضیاء القادری، تولا حسین تولاؔ اور ارشد ی بدایونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام منظومات کتابی صورت میں طبع ہو چکی ہیں ضیاؔ القادری نے متعدد تاریخی قطعات کہے ایک قطعہ حسب ذیل ہے[۵]:

شہید ملت خیر الوریٰ ہوئے منظور
حضور حق ہوئی منظور ان کی سعی بلیغ

سن شہادت مرحوم اے ضیاؔ کہیے
بزم بر بیشہ تنظیم ۱۹۳۱ ، فاتح تبلیغ ۱۹۳۱

نمونہ کلام میں ایک قطعہ نعتیہ دستیاب ہو سکا[۶]:

۱۔ تذکرہ طیبہ ص: ۲۰۔
۲۔ تذکرہ طیبہ ص: ۱۹
۳۔ سچ لکھنؤ ۲۲ر نومبر ۱۹۲۹ء
۴۔ تذکرہ طیبہ ص: ۲۳، مردانِ خدا ص ۵۱۷
۵۔ تذکرہ طیبہ ص: ۶۷
۶۔ مدیر مدینہ قاضی بدرالحسن کی فرمائش پر یہ قطعہ نعتیہ لکھا گیا اور انھیں کے ادارہ سے شائع شدہ ایک کتاب میں (جس میں نثر و نظم میں نذرانہ عقیدت رسالتمآب ہیں) شامل ہوا یہ کتاب ناقص الاول و آخر میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

وہ کون فخرِ رسل فخرِ انبیائے کل
وہ کون ! سرورِ کونین • احمد مختار

امام ہر دو جہاں زیبِ زینتِ دارین
بہارِ کون و مکاں نکہتِ گل و گلزار

وہ جس کی ذات حدوث و قدم کی برزخ ہے
وہ جس سے ممکن و واجب میں ربط کا اظہار

وہ وجہِ عزتِ تخلیق و حاصلِ خلقت
وہ اصلِ خلق • خلائق کا سرور و سردار

وہ جس کے دم سے ہدایت کی روشنی پھیلی
جہاں سے دورِ ضلالت کے ہو گئے آثار

وہ جس کی دعوت و تبلیغ کا اثر یہ ہوا
سکھائی خلق کو تہذیب و خلق کے اطوار

صلاحِ نیک سے مہر و کرم سے لے کر کام
زمانے بھر کے بدوں کو بنایا نیکوکار

اور اس نے روحِ مساوات و حریت پھونکی
غلام اس کی اعانت سے ہو گئے احرار

وہ جس نے میٹ کے بدعاتِ جاہلیت کے
بتائے نیک عمل نیک کام نیک اطوار

وہ جس نے قیصر و کسریٰ کے ملک چھین لئے
دکھا کے معجزہ صدق و عدل کے ہتھیار

سبق سیاستِ ملکی کا یہ عمل سے دیا
کہ پہلے رام کیا دشمنوں کو کرکے پیار

جو قتل کرنے کو آئے شہید بن کے گئے
جو سر اٹھا کے چلے ہو گئے وہ خدمت گار

نیامِ قہر سے تیغِ جلال بھی نکلی تو
مگر صلاح جب اس کے بغیر تھی دشوار

خدا کی عزت و عظمت کی راہ و میداں میں
نہ ہو سکے کبھی حائل جبل و دشت و بحار

خدائے پاک کی توحید کی اشاعت سے
اسے نہ روک سکی دہر کے قوائے کبار

غلام اس کے ہوئے شاہ شاہ اس کے غلام
وہ بوریے پہ رہا تخت بخشِ عرش وقار

وہ بیکسوں کا سہارا وہ بے بسوں کی امید
یتیم و بیوہ و مظلوم کا وہ جانبدار

وہ جانِ رحمت و شانِ کرم کرم کی بوند
وہ اپنی امتِ بیکس کا مونس و غم خوار

وہ رونیوالا گنہگاروں کے لیے شب بھر
وہ جس کی بخششِ امت دعا تھی لیل و نہار

وہ عفو و حلم و کرم جس کا عام شیوہ تھا
اسی کا ایک گنہگار میں بھی ہوں بیمار

شفائے روح و جسد کا خدا سے طالب ہوں
بعزِ وجہِ محمد و آلہ الاطہار

---

(٧٠) منور: ——————

ثقلین احمد ولد حسنین احمد مورخ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان میں ۲ دسمبر ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے[له]
ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں ہائی اسکول کیا اور میونسپلٹی بدایوں میں ملازم ہو گئے ۱۹۴۸ء

له۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱ ص: ۲۶۱ • خود نوشت حالات مشمولہ اسلامیہ کالج میگزین ۱۹۵۲ء

میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ کچھ دن میونسپل کارپوریشن کراچی میں ملازمت کرکے مستعفی ہوگئے۔

طالب علمی کے زمانے سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ والد، پھوپھا حیشؔ بدایونی اور خاندان کے متعدد شعراء شعر و ادب کی محفلیں آراستہ کررہے تھے۔ منورؔ بھی ان نشستوں میں شریک ہونے لگے اور اپنے پھوپھا حیشؔ بدایونی سے اصلاح لینے لگے۔ بعد میں باقاعدہ جامیؔ بدایونی سے اصلاح لی۔

ابتدا میں بہاریہ شاعری کرتے تھے لیکن حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوجانے کے بعد خود کو صرف نعت و منقبت تک محدود کرلیا۔ تین مجموعہ کلام طبع ہوچکے ہیں[1]۔ منورؔ نعتیں (۱۹۶۳ء کراچی)، منور نغمات (۱۹۷۰ء)، منور غزلیں (۱۹۷۰ء)

نعتیہ مجموعہ میں حمد، غزلیات، مناجات و سلام وغیرہ ہیں۔ اس پر ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی تعارف کے تحت اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(انھوں نے) جو کچھ کہا ہے اپنے شوق سے اور محض جذبے اور ذوق سے۔ اسی لیے اس میں صداقت بھی ہے اور خلوص بھی۔ اس میں پیشہ ور شاعروں کی سی ہنرکاری نہ سہی وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جو اچھی شاعری میں ہوتی ہیں"۔

مشہور شاعر محشرؔ بدایونی ان کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۹ مئی ۱۹۸۴ء کو وفات پائی اور کراچی میں دفن کیے گئے۔ نمونہ کلام:

خدا کے بعد نکلتا ہے منہ سے نام ترا
وظیفہ پڑھتی ہے مخلوق صبح و شام ترا

جو تجھ سے پہلے کوئی نام ہے تو نام خدا
خدا کے بعد کوئی نام ہے تو نام ترا

یہ مہر و ماہ تری رفعتوں کو کیا جانیں
مری نگاہ سے پوچھے کوئی مقام ترا

یہ قرب خاص کہ خالق نے اپنے نام کے ساتھ
در قبول پہ رکھا ہے صرف نام ترا

تری زباں سے وہ نکلا جو حق نے فرمایا
کلام حق ہے خدا کی قسم کلام ترا

زباں دھوتے ہیں پہلے وہ پھول شبنم سے
سحر کے وقت جو لیتے ہیں اٹھ کے نام ترا

خوشا نصیب منورؔ بہ فیض نعتِ رسول
قبول بارگہِ حق ہوا کلام ترا

یوں مصور نے بنائی تری تصویر جمال
آج تک آئینہ خلق کو حیرت ہے بڑی

دینے والے ترے ہاتھوں میں سب کچھ ہے مگر
خاکِ طیبہ مجھے دیدے کہ یہ دولت ہے بڑی

---

[1]۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ ص: ۲۶۱ ، خود نوشت حالات مشمولہ اسلامیہ کالج میگزین ۱۹۵۲ء

ترے حسن سے تری شان کٹ رہی ہے نگاہ و تغافل کا فاصلہ — یہ ذرا بھی کاذکر ہے وہ ذرا قریب کی بات ہے

کوئی ایسی جگہ تجویز کردو اپنے رو تھے پر — جہاں رکھدوں تو رکھ کر بھول جاؤں زندگی اپنی

ہونے کو تو ہوگی دلِ مضطر کی دوا بھی — اکسیر ہے لیکن ترے دامن کی ہوا بھی
لب پر ہے ترا نام تو کیا اور طلب ہو — اے صلِ علیٰ یہ تو دوا بھی ہے دعا بھی
میں تم سے وہ کہتا ہوں جو کہنا ہے خدا سے — جب تم مری سن لوگے تو سن لیگا خدا بھی

جوان کا ہوگیا سارا زمانہ پھر ای کا ہے — جو سجدے میں انہیں اپنا بنا کر ہم کبھی دیکھیں گے

---

(۷۱) نسیم[۱]:

احمد حسین ولد محمد حسین۔ ساکن محلہ سوتھا نسباً شیوخ صدیقی۔ تحصیل گنور میں ۷؍اگست ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے قرآن پاک کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مڈل اسکول گنور سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ کُبیر انٹر کالج ڈبائی میں درجہ نہم میں داخل ہوئے۔ ان کے دادا نے جو انگریزی تعلیم کے مخالف تھے اسکول سے نام کٹوا کر دینی تعلیم کے حصول کے لیے ان کا داخلہ مدرسہ قادریہ بدایوں میں کرا دیا۔ اسی مدرسہ سے قرآن حفظ کیا اور درس نظامی کی تکمیل کی اور اردو (۱۹۴۳ء) مولوی (۱۹۴۴ء) عالم وغیرہ کے امتحانات پاس کیے ساتھ ہی پرائیویٹ طور پر انگریزی تعلیم جاری رکھی۔ ۱۹۵۱ء میں ہائی اسکول ۱۹۵۳ء میں یوپی بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ آگرہ یونیورسٹی سے ۱۹۵۵ء میں بی اے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۵۶ء میں بی ایڈ کیا۔

بی ایڈ کرکے ماسٹر سبطین احمد (ف ۱۹۷۱ء) کی جگہ پر اسلامیہ انٹر کالج بدایوں میں ایل ٹی گریڈ کے ٹیچر ہوگئے۔ ۳۰؍جون ۱۹۸۷ء کو تعلیمی خدمات سے سبکدوش ہوئے۔

خوش بیان واعظ تھے۔ شہر میں ان کی عزت ایک اچھے معلم، استاد، عالم کی حیثیت سے تھی۔ اسی عزت و احترام کا خیال کرتے ہوئے ارباب کمیٹی اسلامیہ کالج نے انھیں اپنی کمیٹی کا صدر بھی نامزد کیا۔

---

[۱] ماخذ خود نوشت حالات اور ذاتی معلومات۔

دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی زوجہ دماغ سے ماؤف ہو گئیں ان سے ایک لڑکا تھا وہ بھی دماغی طور پر معذور تھا دونوں وفات پا چکے ہیں۔ دوسری زوجہ سے تین بچے یادگار چھوڑے۔ دوسری زوجہ راقم الحروف کی حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۹٦۸ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کی۔ سلسلہ قادریہ میں مولانا عبدالقدیرؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے۔

۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو طویل علالت کے بعد انتقال کیا۔ ۳۰ر اکتوبر کو تحصیل گنور قاضی پٹی میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

شاعری کا ذوق بچپن سے تھا۔ اس کی ابتدا نعت سے ہوئی اور پھر زندگی بھر نعت کے سوا کچھ نہ کہا۔ ابر احسنی (ف ۱۹۷۳ء) کے شاگرد تھے۔ شہید حسین نے ان کو مست گنوری کا شاگرد لکھا ہے جو غلط ہے[1]۔ نعت میں ان کا انداز بیان شگفتہ تھا۔ نعت کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ البتہ نثر میں ایک کتاب اکابر بدایوں (بدایوں ۱۹۸۵ء) طبع ہو چکی ہے۔ نمونہ کلام:

یارب یہ زندگی کا سفر یوں تمام ہو — کعبہ میں صبح ہو تو مدینہ میں شام ہو
جن عاصیوں کو ڈھونڈ رہا ہے ترا کرم — ان عاصیوں میں کاش ہمارا بھی نام ہو
دل کو بنائے بیٹھا ہوں ایوب کا مکاں — سرکار اس میں بھی تو کسی دن قیام ہو
مل جائیں گی سکون کی راہیں جہان کو — نافذ اگر جہاں میں نبی کا نظام ہو
جو لگ گیا ہو آپ کے نعلین پاک سے — وہ ذرۂ حقیر بھی ماہِ تمام ہو
مجبور غم پڑے ہیں مدینہ سے دور ہم — مقبول بارگاہ ہمارا سلام ہو
دونوں جہاں میں ہے وہی سرخرو نسیم — جس کی نظر میں فرقِ حلال و حرام ہو

الٰہی عمر گذری آج تک پڑھنے پڑھانے میں — جو باقی ہے کٹے نعت نبی سننے سنانے میں
مٹیں تاریکیاں اور روشنی پھیلی زمانے میں — اتر آیا خدا کا نور ہاشم کے گھرانے میں
حبیب کبریا، نور مجسم رحمت عالم — نبی اس شان کا آیا نہیں کوئی زمانے میں
الٰہی آتش ظلم و ستم کو سرد فرمادے — ہیں کوشاں وقت کے نمرود پھر ہم کو مٹانے میں

علی حسب مراتب ہر نبی ہے خلق سے افضل — مگر افضل کوئی میرے نبی سے ہو نہیں سکتا

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۲ ص: ۲۸۹

کہیں ہے ذکر گیسو کا، کہیں رخ کا کہیں قد کا! کلام اللہ گلدستہ ہے اِک نعت محمد کا

روشنی صاف بتاتی ہے کہ جلوے میں قریب وہ رہا گنبد خضرا، وہ مدینہ آیا

سوتے سوتے یک بیک تم اٹھ گئے معراج کو کر دیا بیدار امت کا مقدر یا رسول

خورشید حشر آ گیا سر پر تو کیا ہوا وہ بھی تو آ رہے ہیں ردائے کرم کیسا تھ

محبت کا یہ جذبہ رہ نہ جائے اُمتی کوئی! شفاعت کا یہ عالم ایک ایک خاص نظر میں ہے
پریشاں حال جب محشر میں دیکھا مجھ کو رحمت نے ندا آئی نہ گھبرا، تو بھی رحمت کی نظر میں ہے

عرب کا چاند جس دم آمنہ کی گود میں آیا تو قدسی عرش سے پڑھتے ہوئے صلِ علیٰ آئے

وہ دل حریم مدینہ ہے، عرشِ اعظم ہے نبی کی یاد کا جس میں قیام ہو جائے

---

(۷۲) نظامی:

نظام الدین حسین ولد (مولوی) فخر الدین ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان میں ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ۱۸۸۸ء میں انہوں نے مڈل پاس کیا ۱۸۹۲ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں کلکٹری شاہجہانپور میں نقل نویس کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا بعد ازاں منصرم ہو گئے ۱۹۰۳ء میں ملازمت سے مستعفی ہو کر ذوالقرنین کا اجرا کیا۔ ۱۹۰۵ء میں نظامی پریس کا آغاز کیا اور اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔

نظامی کی شادی دوران تعلیم (۱۸۹۱ء) ہی میں مولوی حمید الدین کی بیٹی سے ہو گئی جن کے بطن سے اولاد نرینہ میں احمد الدین نظامی (پ ۱۸۹۳ء ف ۱۹۷۹ء) پیدا ہوئے۔

نظامی نے ۸ رجون ۱۹۴۷ء کو وفات پائی۔ خاندانی قبرستان ملا سرائے میں دفن کیے گئے۔ مزار پر

تغیر نسب ہے۔ حالی بدایونی نے تاریخ کہی۔

کس زبان سے کہیں چھوٹا وہ رفیق ہمدم | آنکھ خونبار ہے اشکوں سے تو دل ہے مغموم
سال ترحیل جو کہنے کے لیے ہم بیٹھے! | آئی خامہ سے صدا۔ آہ نظامی مرحوم

۱۹۴۷ = ۱۳۰۱ + ۶۴۶

نظامی نے ادبی ذوق ورثہ میں پایا تھا جس کا پہلا اظہار شاعری کی شکل میں ہوا۔ ان کی پہلی منظوم تصنیف مثنوی صبح میلاد (۱۸۹۶ء) ہے شاعری میں انہوں نے مولوی عبدالحیٔ بیخود بدایونی، مولانا الطاف حسین حالی اور مولوی انصار حسین زلالی سے مشورہ کیا۔ نثر میں منشی رحمت اللہ رعد (ف ۱۹۲۱ء) مدیر عالم تصویر کانپور سے استفادہ کیا۔

نظامی کی صحافتی، علمی، ادبی، تعلیمی، قومی و ملی کثیر الجہت خدمات ہیں۔ جن کا احاطہ کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ تقریباً ۲۹ چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف، مرتب اور مؤلف تھے۔ جن میں قاموس المشاہیر، شرح دیوانِ غالب، بحث غالب۔ دیوان جان صاحب کو ادب میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

شاعری کے دو مجموعے تجلیات سخن (بدایوں ۱۹۳۰ء) اور لمعات نظامی (بدایوں ۱۹۵۵ء) شائع ہو چکے ہیں ان کے علاوہ چند نظمیں گلدستۂ دکن (بدایوں ۱۹۲۰ء) قوم کی فریاد (بدایوں ۱۹۲۲ء) حالی کے قصیدہ دعائیہ کی تضمین وغیرہ شامل ہیں۔

نعت کی طرف ان کا خصوصی رجحان تھا اس سلسلہ میں ایک مثنوی صبح میلاد (بریلی ۱۸۹۶ء) نظم اسلامی جوش (۱۸۹۵ء) ایک مسدس مولود کی خوشی (بدایوں ۱۸۹۸ء) اور نکاح فاطمہ (بدایوں ۱۸۹۹ء) قابل ذکر ہیں۔ نبی خانہ بدایوں کی ہر نشست کے لیے نعت کہتے تھے اور بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایسی ۱۷ نظمیں تجلیات سخن میں شامل ہیں۔ تجلیات کے مرتب مولوی سید احمد غفور شوری ان کی نعت گوئی کے متعلق لکھتے ہیں: [1]

> نظامی صاحب نے سالہا سال سے یہ معمول کر لیا ہے کہ اگر سال کے ۳۶۴ دنوں میں ایک شعر بھی موزوں نہ کریں تو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کی شب میں ایک قطعہ یا نظم جشن میلاد نبی خانہ بدایوں کے لیے ضرور لکھتے اور وہ بھی اس طرح کہ شب کو دس گیارہ بجے کے قریب ملنے والوں کی آمد و شد بند ہو جاتی ہے۔ رات کے سناٹے میں وہ قلم دوات لے کر بیٹھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت صرف وہی خیالات جو ان کی نظم کا موضوع ہوتے ہیں، ان کے دماغ پر مسلط ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے اچھی خاصی نظم تیار ہو جاتی ہے۔ جس کو وہ ۱۲ ربیع الاول شریف کی محفل میلاد

---

[1] تمہید: مشمولہ تجلیات سخن ص: ۴

میں سنا دیتے ہیں۔ ۔ ان کی نظموں کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اسلامی تحریک اس زمانہ میں دائر و سائر ہوتی ہے اس کی طرف نظم میں ضرور اشارہ ہوتا ہے۔ اور اس طریقہ سے ربیع الاول شریف کی اکثر نظمیں تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔

راقم الحروف نے ان کی خدمات کا مفصل جائزہ اپنے تحقیقی مقالے "نظامی بدایونی اور نظامی پریس کی ادبی خدمات" میں لیا ہے۔ نمونہ کلام:

تری الفت میں مزا اے نبی! خوش زندگانی ہے — کہ اس درد و الم میں دو جہاں کی شادمانی ہے
تری شان نبوت کا مقابل مل نہیں سکتا — کہ تجھ سے کوئی اول ہے نہ ہمسر ہے نہ ثانی ہے
تمہارے جلوۂ رخ میں جھلک ہے نور خالق کی! — مرے اس قول پر صادق حدیث "من رآنی" ہے
ذرا آ جاؤ میرے دیدۂ دل میں کرم کر کے — تصدق مجھ کو ہونا ہے یہی مدت سے ٹھانی ہے
چلے آؤ شہ والا مرے ٹوٹے ہوئے دل میں — مرا دل عرش ہے، کعبہ ہے، بیت امتحانی ہے
خوشا تقدیر رنجوری کہ آئیں وہ عیادت کو — نہ رنجوری کہو اس کو حیات جاودانی ہے
کہے دیتا ہوں قابو میں رہیں صبر و شکیب دل — کسی نے بزم میں آنے کی اپنے دل میں ٹھانی ہے
کہاں یثرب، کہاں جنت، خدارا واعظو چپ ہو — تمہاری کون سنتا ہے تمہاری کس نے مانی ہے

اگر مل جائیں ہفت اقلیم بھی تو میں نہ لوں ہرگز
کہ شاہی سے زیادہ ان کے در کی پاسبانی ہے

ایک نظم کے چند اشعار:

ہم ہیں اور رات دن کی ہے آفت — ہم ہیں اور اپنی گردش قسمت
ہم ہیں اور لطف سعی لا حاصل — ہم ہیں اور لاکھ آفت و نکبت
ہم ہیں اور صد ہزار مایوسی — ہم ہیں اور بے شمار معصیت
ہم ہیں اور جہل کی ہے تاریکی! — ہم ہیں اور اپنے بخت کی ظلمت
ہم ہیں اور شورشیں زمانے کی — ہم ہیں اور دورِ دورۂ نکبت
ہم ہیں اور بے زری و محتاجی — ہم ہیں اور بے نوائی و حسرت
ہم ہیں خود وقفِ صد پریشانی — ہم ہیں اوروں کو موجب عبرت
یاد کرتے ہیں اپنے پچھلے دن!! — کیسی بن کر بگڑ گئی قسمت
ہم بھی ہم تھے کبھی زمانے میں — یا ہماری ہے آج یہ حالت

چاہتے ہیں ہمیں نگل جائیں
وہ جو کل تک تھے عنکبوت صفت

بزم میں اپنے بھائی ہیں مضطر
کیا یہاں زندگی میں ہو لذت

واں جو مجروح ایڑیاں رگڑیں!
تندرستی میں ہم کو کیا راحت

بے خبر اے شفیعِ نوح و خضر
ہے بھنور میں سفینۂ اُمّت

سخت طوفاں بپا ہے چار طرف
تیری اُمّت کی غیر ہے حالت

تو جو چاہے تو بات بن جائے
تیرے لُطف و کرم کی ہے حاجت

بول بالا ہو اہلِ کعبہ کا!
کفر کا سب طِلسم ہو غارت

عید میلاد کے تصدق میں
دور ہو سب مصیبت و آفت

سال آئندہ آئے پھر یہ دِن
ساتھ میں لائے خیر اور برکت

دینِ حق کے جو نام لیوا ہیں ہم
ان کی قائم رہے یونہی عظمت

ذکر تیرا کریں بلند یونہی!
عیدِ میلاد میں بصد شوکت

---

(۴۳) نورؔ :

نور جہاں ولد (چودھری) اساس الدین۔ ساکن عارف پور نوادہ۔ نسباً شیوخ صدیقی ۱۹۰۵ء میں بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ والد کا انتقال کم سنی میں ہو گیا تھا۔ نانا چودھری احمد حسن علیلؔ ماموں چودھری ابوالحسنات بصیرؔ (ف ۱۹۵۴ء) اور والدہ کے سایہ عاطفت میں ان کی پرورش ہوئی۔

تعلیم خانگی تھی مگر بہت پختہ۔ گھر کا ماحول خالص مشرقی تھا۔ اسلامی تہذیب کے راسخ اثرات ان کے گھر میں موجود تھے چنانچہ نور بھی اسلامی اصول و سانچے میں ڈھل کر ایک مردِ مومن کا نمونہ بن گئیں۔

سن شعور کو پہنچنے کے بعد ان کی شادی ڈاکٹر امیر حسن[1] صدیقی (ف ۱۹۷۱ء) سے ہوئی جو بہت ذی علم اور صاحبِ قلم انسان تھے اور نورؔ کے خالہ زاد بھائی بھی۔ لیکن نباہ نہیں ہو سکا۔ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے دوسری شادی کر لی۔ جس کے سبب نورؔ کی زندگی آنسوؤں اور محرومیوں کی نذر ہو گئی اور اسی عالمِ مایوسی میں انہوں نے شاعری کا سہارا لیا۔ ۱۹۸۰ء میں کراچی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئیں۔[2]

---

[1]۔ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی نے خلافت و سلطنت کے موضوع پر ملک کے باہر کی کسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا تھا۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک ہسٹری کے صدر رہے اور انجمن الفلاح کی بنیاد ڈالی۔

[2]۔ مجموعہ کلام کے آغاز میں پیش کردہ تحریروں کی روشنی میں یہ کوائف معلوم ہوئے۔

نورؔ کی ایک ہمشیرہ رسول جہاں مخفی (ف ۱۹۷۶ء) بھی شاعرہ تھیں ان کا دیوان عروسِ سخن (۱۹۴۰ء) مطبوعہ موجود ہے۔

نورؔ کا بھی ایک مجموعۂ کلام "تخزابۂ دل" کے نام سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ دیوان پروفیسر ضیاء احمد (ف ۱۹۷۳ء) کی اصلاح و مشورے سے شائع ہوا جس پر بہت سے ادیبوں نے اظہار خیال کیا ابوالفضل صدیقی، حامد حسن قادری، جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

نعت گوئی میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ بعض بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ آخر عمر میں نعت کے سوا کچھ نہ کہا مذکورہ دیوان کا بھی ایک حصہ نعت کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ نمونہ کلام:

نمونہ کلام :

رنگِ گلستاں سخا محبوبِ حق شاہِ زمن — نخلِ چمن زارِ عطا محبوبِ حق شاہِ زمن
واللیل ہے زلفِ دوتا، والشمس تیرے رخ کی ضیا — ہے والضحیٰ جلوہ ترا محبوبِ حق شاہِ زمن
لب پر نورالعلِ یمن، دندان پہ دُرِّ عدن — ہے معدنِ صدق و صفا محبوبِ حق شاہِ زمن
یٰسین تیری شان ہے ایمان کی تو جان ہے — ہے جزوِ دیں تیری ولا محبوبِ حق شاہِ زمن
آئے ہیں جتنے انبیاء ہیں عاشقِ ربِ علیٰ — تجھ پر خدا شیدا ہوا محبوبِ حق شاہِ زمن

رحمت نے صدا دی میں طرفدار ہوں اس کی — جو دل سے ہوا بندۂ سلطانِ مدینہ

سرِ ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے — بختِ بے بس پکار کہاں ہے آ جا
آفتوں کی شب دیجور نے گھیرا ہے مجھے — زیست کی صبح ضیاء یار کہاں ہے آ جا

بر آئے نذر کب اشکِ عقیدت لے کے آؤں گی — مرے بحرِ سخا قطرے کو کب گوہر بنائے گا
مریضِ ہجر کی کب نبض ہوگی دستِ عیسیٰ میں — شفا بیمارِ غم کب دامنِ رحمت میں پائے گا

ہو بشر سے کس طرح وصفِ محمدؐ کا بیاں — کس طرح سے بند کوزہ میں ہو بحرِ بیکراں
قلزمِ عرفاں کا گوہر گلشنِ قدرت کا پھول — بیکسوں کا آسرا مجبور کی تاب و تواں
وہ محمدؐ بھیجتا ہے جس پہ خالق خود درود — وہ محمدؐ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں سب انس و جاں
وہ محمدؐ جو غریبوں کے لئے ابرِ کرم — وہ محمدؐ جابروں کے حق میں جو برقِ تپاں
وہ محمدؐ جس کی ہیبت سے دلِ باطل دونیم — وہ محمدؐ جس کی رحمت پردہ دارِ عاصیاں

(۷۳) ھادی :

محمد عبدالہادی عرف محمد میاں ولد (مولانا) عبدالقدیر۔ ساکن مولوی ٹولہ۔ شیوخ عثمانی کے یہاں ۲ رجب ۱۳۳۱ھ / جون ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا عبدالمقتدر کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کی۔ والد ماجد کے علاوہ مفتی حبیب الرحمٰن اور مفتی عزیز احمد سے درسیات کی تکمیل کی۔ الہ آباد بورڈ سے فاضل دینیات اور فاضل ادب کے امتحانات پاس کئے۔

والد کے ہمراہ حیدرآباد پہنچے اور جامعہ عثمانیہ سے تعلیمی سلسلہ استوار کیا۔ ۱۹۴۰ء کے آس پاس حیدرآباد میں درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہو گئے۔ مختلف کالجوں میں تعلیمی خدمات انجام دیکر ۱۹۷۰ء میں نظام کالج حیدرآباد سے پنشن لی۔ کچھ عرصہ بعد بدایوں آگئے اور یہیں پیغام اجل آپہنچا ۲۲ جون ۱۹۹۴ء کو وصال فرمایا۔ تدفین درگاہ قادریہ میں ہوئی۔

۱۹۳۰ء میں وہ ازدواجی زندگی سے منسلک ہوئے ۵ لڑکے اور ۴ لڑکیاں یادگار ہیں۔

اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت تھے شاعری میں گاہے گاہے انھیں سے اصلاح لی۔ کچھ دن لطف بدایونی کو بھی کلام دکھایا۔ انتہائی وارستہ مزاج انسان تھے۔ ہمہ وقت سرشاری کی کیفیت طاری رہتی۔ دیوان مرتب نہیں کیا۔ کلام بیشتر نعت و مناقب تک محدود ہے۔ نمونہ کلام :

ارضِ بطحا میں وہ آفتاب آگیا ساری دنیا میں اک انقلاب آگیا
واقف سرّ مکنون و امی لقب ساتھ میں لے کے ام الکتاب آگیا
اس گنہگار کے جرم تھے بے شمار صاحب رحمت بے حساب آگیا
گھر سے نکلا تو پتھر نے چومے قدم سایہ کرنے کو سر پر سحاب آگیا
خوب ہجرت کی شب ایک ہی برج میں آفتاب آگیا ماہتاب آگیا
آگیا ان کے دریائے رحمت میں جوش گریہ کیا، کام روز حساب آگیا
آنسوؤں کی کرامت کہ میں روز حشر لے کے ہاتھوں میں سادہ کتاب آگیا
جب مصیبت میں ہادی پکارا انھیں مژدۂ نصرت و فتح یاب آگیا

مے بھی ہے جام بھی ہے جشن طرب ہے ساقی میں ہوں تشنہ دہن یہ تو غضب ہے ساقی
کتنے مجھ جیسے مے آشام پڑے ملتے ہیں! تیرا فیضان کرم رحمت رب ہے ساقی
رند کے لب پہ ہنسی دل میں خوشی آنکھ میں نور مائل لطف و کرم تو ہے تو سب ہے ساقی

جب بھی، جتنی بھی جہاں چاہوں کسی طرح ملے کیف دکم، این دمتی عشق میں کب ہے ساقی

تیری بخشش کی سخی دھوم بڑی ہے داتا دیکھ دروازے پہ مخلوق کھڑی ہے داتا

بیمار اس امید پہ بے ہوش رہا اور دیتے رہیں اسے کاش وہ دامن کی ہوا اور
داتا کے تصرف میں ہے رحمت کا خزانہ دیتے ہوئے کہتا ہے بتا چاہیئے کیا اور
تجھ سے ہی ترا ہادیٔ مضطر ہے سوالی جا بھی کہیں سکتا ہے بھلا تیرا گدا اور

---

(۷۵) ہلالی :

محمد سلمان احمد ولد اکرام احمد شاد۔ ساکن محلہ سوتھا۔ خاندان متولیان کے فرد تھے۔ یکم دسمبر ۱۹۱۳ء کو آبائی مکان میں پیدا ہوئے[۱] شہید حسین نے ان کا سال پیدائش ۱۹۱۵ء درج کیا ہے۔ جو غلط ہے۔ ۱۹۲۶ء میں ہائی اسکول کرنے کے بعد سلسلہ تعلیم جاری رکھتے ہوئے آگرہ یونیورسٹی سے ایل ایل بی اور ناگپور یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ علوم مروجہ کے ساتھ، علم دین کی تحصیل مولانا راغب بدایونی سے کی۔ ۱۹۳۶ء سے وکالت کا آغاز کیا اور اسی کو ذریعہ معاش بنایا۔ خاندانی شاعر تھے۔ نعت بہ خصوصیت سے طبع آزمائی کی۔ راقم الحروف نے ان کو دیکھا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ وہ صاحب فراش تھے ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور سے ہو گئے تھے۔ ۲۱ر نومبر ۱۹۸۱ء کو طویل علالت کے بعد انتقال فرمایا۔ جدید اردو شاعر عرفان صدیقی (پ ۱۹۳۸) انھیں کے فرزند ہیں۔

نعتیہ کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے انہوں نے مجھے نذر کیے تھے۔

شرع محمدی منظوم : عثمانی پریس بدایوں ۱۹۳۸ء
مدح سرکار (قصیدہ) نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۲ء
بارش رحمت (دیوان) 〃 〃 ۱۹۶۶ء
بارانِ رحمت (دیوان) 〃 〃 ۱۹۶۷ء

نمونہ کلام :

نگاہِ حضرت خیر البشر جدھر ہو گی قسم خدا کی ادھر جنت بشر ہو گی!
ہیں اسم پاک کے معنی کہ ان کی حمد ہوئی اب اس سے بڑھ کے کہاں مدح مختصر ہو گی

---

[۱] خود نوشت مشمولہ اسلامیہ کالج میگزین ص: ۳۴

در حضور پہ جس وقت میرا سر ہوگا — تو زیست ہونے کو قربان میرے سر ہوگی
نہ بحر و بر میں کہیں ہوگی اس سے بہتر بزم — جو بزم ذکر شہنشاہ بحر و بر ہوگی
ہلالی کیوں کہوں بدقسمتی مسلماں کی — ہے شام عارضی اب مستقل سحر ہوگی

جس نے شہ پر نثار کی ہستی! — اس کو ہستی کا اعتبار آیا!

ہم کو کیا خوفِ تیرِ محشر — سر پہ ہے ان کی رحمتوں کا سحاب

تجھے دیکھیں گے کوتاہیِ تقدیر — پہنچ تو جائیں ان کے آستاں تک
جو ان کا نام نامی بھول جائے — نہ ہو اس کا کہیں نام و نشاں تک

بات جب ہے کہ ہلالی کو حضوری ہو نصیب — ورنہ جنت جو ملی بھی تو مزا کیا ہوگا

خیال آخرت سے نعت کے اشعار لکھ رکھو — مسافر کے لئے توشہ شرط ہے زادِ سفر ہونا
اگر دل میں شہِ دیں کا تصور ہے تو ہستی ہے — عدم ہے ورنہ ساری زندگی کا دردِ سر ہونا
ہلالی پرسشِ اعمال ہو جس وقت محشر میں — تو بس تم مدح سنج سید والا گہر ہونا

جہاں ذکر شہ پر نور ہوگا — اندھیرا کالے کوسوں دور ہوگا
در ان کا ہے ہمارے دل کے نزدیک — وہ ہوں گے اور جن کو دور ہوگا

کتابیات

آئینہ دلدار — ابرار علی — انجمن پریس — کراچی — ١٩٥٦ء

ارتک بدایوں — شمس بدایونی — اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ — بدایوں — ١٩٨٥ء

اُٹھارہ سو ستاون کے مجاہد شعراء — امداد صابری — مکتبہ شاہراہ — دہلی — ١٩٥٩ء

اکمل التاریخ ج/١ — محمد یعقوب ضیاء القادری — مطبع قادری — بدایوں — ١٩١٥ء

اکمل التاریخ ج/٢ — محمد یعقوب ضیاء القادری — مطبع قادری — بدایوں — ١٩١٦ء

انتخاب زریں (طبع سوم) — سرراس مسعود — نظامی پریس — " — ١٩٣٧ء

انساب شیوخ فرشوری — محمد رضی الدین بسمل — کاکس پریس — شاہ آباد — ١٨٩٩ء

ایک غریب مصنف (قلمی) — حکیم مختار سبزواری مرحوم — مملوکہ ادریس قدر آفاق سبزواری، بدایوں

باقیات الصالحات — طفیل احمد صدیقی و انصار حسین زلالی — روہیل کھنڈ فرینڈ پریس — بدایوں — ١٨٩٧ء

بدایوں کے تابندہ ستارے، چودھری صغیر حسن صدیقی — نفیس برقی پریس — مراد آباد — ١٩٨٩ء

بدایوں کے چند اردو شعراء، مبشر علی صدیقی — سلیم مبشر اردو سوسائٹی — بدایوں — ١٩٨٢ء

بدایوں کے مہر و ماہ — چودھری صغیر حسن صدیقی — بریلی الیکٹرک پریس — بریلی — ١٩٩٤ء

بہار بوستان شعراء — حافظ فضل اکرم فرشوری — مطبع صبح صادق — بدایوں — ١٨٨٢ء

تاریخ بنی حمید (اردو) — انشاء اللہ — امیر الاقبال پریس — بدایوں — ١٩١٦/١٧ء
١٣٣٥ھ

تاریخ بنی حمید۔ فارسی (قلمی) — مفتی شرف علی حمیدی — مملوکہ تسلیم غوری فوٹو کاپی مملوکہ راقم الحروف سال تصنیف ١٩١٠ء

تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ۔ سید تنظیم علی نقوی شایاں بریلوی — کراچی — ١٩٩٠ء

تاریخ گویان بدایوں — صداقت اللہ خاں قادری۔ بریلی الیکٹرک پریس — بریلی — ١٩٩٥ء

تجلیات سخن — نظامی بدایونی — نظامی پریس — بدایوں — ١٩٣٠ء

تذکرۃ الشعراء (جزو اول)	حسرت موہانی	مطبع فیض عام	علی گڑھ	۱۹۱۴ء
تذکرۃ الواصلین (طبع دوم)	محمد رضی الدین بسمل	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۴۵ء
تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱/۲	سید شہید حسین شہید	طلحہ پرنٹرس	کراچی	۱۹۸۷ء
تذکرہ طیب	شاہ طفیل احمد	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۲۷ء
تذکرہ طیبہ	ضیاء القادری	"	"	۱۹۳۲ء
تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ)	ڈاکٹر محمد ایوب قادری	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی	کراچی	۱۹۶۱ء
تذکرہ ماہ و سال	مالک رام	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	دہلی	۱۹۹۱ء
تذکرہ معاصرین ج ۱/۲	مالک رام	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	دہلی	۱۹۷۶ء
تلامذۂ غالب (طبع اول)	مالک رام	مرکز تصنیف و تالیف	نکودر	۱۹۵۷ء
پیراشِ مدعا	نجم الدین احمد ثاقب	وکٹوریہ پریس	بدایوں	۱۹۰۱ء
حالی بحیثیت شاعر	ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی،	ادارہ فروغ اردو	لکھنؤ	۱۹۶۰ء
حدیقۂ تاریخ	سید منظور علی	ابو العلائی پریس	آگرہ	۱۹۲۱ء
حیات حافظ رحمت خاں (طبع ثانی)	سید الطاف علی بریلوی	آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی		۱۹۸۰ء
حیاۃ العلماء	سید محمد عبد الباقی	مطبع نول کشور	لکھنؤ	۱۹۲۳ء
خزینۃ الانساب	سید نظر احمد افسوس سہسوانی	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۵۹ء
خمخانۂ جاوید ۴ حصے	لالہ سری رام	نولکشور پریس	لکھنؤ	۱۹۰۸ء
" " "	"	گلاب سنگھ پریس	لاہور	۱۹۱۱ء
" " "	"	دہلی پرنٹنگ ورکس	دلی	۱۹۱۷ء
" " "	"	ہمدرد پریس	دہلی	۱۹۲۶ء
خمخانۂ محامد	نواب قادری	صحیفہ مشین پریس	حیدرآباد	۱۹۶۹ء
دید و دریافت	شمس بدایونی	روشن پبلی کیشنز	بدایوں	۱۹۸۱ء
دیوان زلالی (خطی)	انصار حسین زلالی	مملوکہ شمس بدایونی	"	
دیوان غالب اردو	امتیاز علی خاں عرشی	انجمن ترقی اردو ہند	علی گڑھ	۱۹۵۸ء
ذوق۔ سوانح اور انتقاد	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	مجلس ترقی ادب	لاہور	۱۹۶۳ء
رقعات مدہوش	سخاوت حسین مدہوش	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۶۳ء

زادِ آخرت (دیوانِ نعت)	عبدالجامع جامی بدایونی	توصیف پرنٹرس	کراچی	۱۹۶۲ء
سوانحات الماترین آنولہ	حکیم عبدالغفور	کتابت شدہ نسخہ مملوکہ شمس بدایونی		
سوانح شاہ محمد ایثار علی (قلمی)	شاہ محمد اسرار علی	مملوکہ شمس بدایونی		
سیرالمداد معروف بہ ظہیر الابرار	حکیم ظہیر احمد ظہیری سہسوانی	مطبع منشی نولکشور	لکھنؤ	۱۹۰۰ء
شمیم سخن	عبدالحئی صفا	مطبع امداد الہند و عین الاخبار	مرادآباد	۱۸۸۴ء
صد رنگ	ابرار علی	انجمن پریس	کراچی	۱۹۷۸ء
طبقات الشعراء (شوق)	نثار احمد فاروقی	مجلس ترقی ادب	لاہور	۱۹۶۸ء
ظہور قدسی	عبدالجامع جامی	باب الاسلام پریس	کراچی	
علامہ سید سلیمان ندوی	ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی	مکتبہ فردوس	لکھنؤ	۱۹۸۵ء
غالب اور عصر غالب	ڈاکٹر محمد ایوب قادری	غضنفر اکیڈمی	کراچی	۱۹۸۲ء
قاموس المشاہیر ج/۱	نظامی بدایونی	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۲۴ء
〃 〃 ج/۲	〃	〃	〃	۱۹۲۶ء
قصائد عقیدت:	———	———	علی گڑھ	۱۹۶۶ء
سلام حامد	مرتب عبداللہ ولی بخش	منو لیتھو آرٹ پریس	دہلی بار دوم	۱۹۸۹ء
کلیات بتیات	مرتب آفتاب احمد	گلوب آفسیٹ پریس	دہلی	۱۹۹۳ء
کلیات راغب	مرتب طیب بخش	بریلی الیکٹرلیس پریس	بریلی	۱۹۹۴ء
کنز التاریخ	محمد رضی الدین بسمل	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۰۷ء
گلستان بے خزاں معروف بہ نغمہ عندلیب	احمد حسین سحر	مطبع نامی منشی نول کشور	لکھنؤ	
لفظ و بیان	رفیع بخش قادری	بریلی الیکٹرک پریس	بریلی	۱۹۸۳ء
مردان خدا (طبع اول)	ضیاء علی خاں اشرفی	نامی پریس	لکھنؤ	۱۹۷۶ء
مردان خدا (طبع سوم)	〃	بریلی الیکٹرک پریس	بریلی	۱۹۹۰ء
مکاتیب احسن	ڈاکٹر عنوان چشتی و صغیر احسنی	کوہ نور پریس	دہلی	۱۹۷۷ء
سوج تضمین	یعقوب بخش راغب	ہاشمی پریس	بدایوں	۱۹۳۰ء
مولانا عبدالقدیر بدایونی	پروفیسر محمد مسعود احمد	مکتبہ قادریہ	لاہور	۱۹۷۸ء

میخانۂ جامی	عرفان زبیدی بدایونی	ناظم برقی پریس	رامپور	۱۹۷۰ء
میری صباحیں	ابر احسنی	اعلیٰ پرنٹنگ پریس	دہلی	۱۹۵۶ء
نذر ابر		جمال پرنٹنگ پریس	دہلی	۱۹۷۰ء
نظامی بدایونی	محمد احمد کاظمی	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۴۹ء
نظامی بدایونی اور نظامی پریس کی ادبی خدمات	ڈاکٹر شمس بدایونی	نامی آفسیٹ پرنٹرس	دہلی	۱۹۹۵ء
نقد و نظر	حامد حسن قادری	اخبار برقی پریس	آگرہ	۱۹۴۲ء
نکاتِ غالب (طبع سوم)	نظامی بدایونی	نظامی پریس	بدایوں	۱۹۵۷ء
نئے اور پرانے چراغ	آل احمد سرور	ادارہ فروغ اردو	لکھنؤ	۱۹۷۸ء

رسائل، اخبارات و گلدستے وغیرہ :

آئینۂ شاعرہ	سرور قادری	عزیزی پریس	آگرہ	
آئینۂ مغفرت مع جام کوثر (طبع دوم)		مطبع گلشن فیض	لکھنؤ	۱۸۹۸ء
اردو ادب	(سہ ماہی) دہلی	شمارہ ۳-۴		۱۹۷۳ء
اظہار	(ماہنامہ) دہلی		مارچ	۱۹۸۰ء
العلم	(سہ ماہی) کراچی		جنوری تا مارچ	۱۹۵۶ء
برگِ گل	(سالانہ میگزین) کراچی	محمد علی جوہر نمبر		۱۹۸۰ء
تحریر	(سہ ماہی) دہلی	ج/۲ شمارہ/۲		۱۹۶۱ء
تحریر	″ ″	″ شمارہ/۴		۱۹۶۸ء
تحریر	″ ″	ج/۴ شمارہ/۲		۱۹۷۰ء
چمنِ سخن	(گلدستۂ مشاعرہ)	امیر الاقبال پریس	بدایوں	۱۹۱۹ء
ذوالقرنین	(ہفتہ وار) بدایوں	۲۸ر ستمبر ۱۹۰۵ء ،	۲۸ر مارچ	۱۹۰۶ء
	۲۸ر مارچ ۱۹۱۰ ، ۲۱ر اگست ۱۹۱۵، ۷ر اگست ۱۹۱۶ء ، ۲۸ر جولائی ۱۹۲۴ء، ۷ر نومبر ۱۹۴۲ء			
پیچ	(ہفتہ وار) لکھنؤ	۲۲ر نومبر ۱۹۲۹ء ،	۲۵ر دسمبر	۱۹۳۱ء
صبح	(سہ ماہی) دہلی	جولائی ، اگست ، ستمبر		۱۹۷ء
علی گڑھ میگزین	علی گڑھ	مسلم یونیورسٹی میگزین	علی گڑھ	۱۹۴۸ء

فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڑھ جنوری تا ستمبر ۱۹۸۵ء

مجلہ بدایوں (ماہنامہ) کراچی اگست ۱۹۹۳ء، ستمبر ۱۹۹۳ء، اکتوبر ۱۹۹۳ء، مئی ۱۹۹۴ء، اگست ۱۹۹۴ء، اکتوبر ۱۹۹۴ء، فروری ۱۹۹۵ء، مارچ ۱۹۹۵ء، اپریل ۱۹۹۵ء، دسمبر ۱۹۹۵ء

مخزن (ماہنامہ) لاہور جون ۱۹۰۷ء

معارف (ماہنامہ) اعظم گڑھ مئی ۱۹۴۸ء

میگزین حافظ صدیق اسلامیہ کالج بدایوں سالانہ میگزین: نظامی پریس بدایوں ۱۹۵۲ء

نعت (ماہنامہ) لاہور جولائی اگست ۱۹۸۹ء

ہماری زبان (ہفتہ وار) علی گڑھ ۸ ستمبر ۱۹۶۶ء

مکتوبات:

مکتوبات بنام مرتب (قاضی) الیاس رشید بدایونی متعدد خطوط ۱۹۹۵ء

ادریس قدر رائق سبزواری بدایونی "

تسلیم غوری بدایونی متعدد خطوط ۱۹۹۵ء

(حضرت) سالم میاں بدایونی استفسار ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر صداقت اللہ خاں بدایونی استفسار ۱۹۹۵ء

عارف پرویز بدایونی "

اشاریے — (اشخاص)

نوٹ: (۱) اسماء و کتب کی ترتیب بیشتر پہلے حروف تک محدود ہے (۲) قوسین کے درمیان مندرج اعداد کا تعلق مقدمہ اور دیباچوں سے ہے (۳) شعراء کے صرف تخلص درج کئے ہیں۔

آ:

آتش۔ خواجہ حیدر علی (۲۱) ۵۱

آخون۔ ملا محمد غفران: ۷۲

آزاد۔ محمد علی خاں (۲۲)

آزاد۔ محمد حسین: ۷۵

آفتاب احمد (حاجی) ۹۵

آل احمد سرور (پروفیسر) (۱۴، ۱۷) ۳۴، ۳۵، ۵۶، ۵۷، ۱۰۰، ۱۲۱، ۱۵۵،

آل احمد عرف اچھے میاں مارہروی: ۴۲، ۷۰،

آل رسول مارہروی: (۱۵) ۴۰، ۶۵

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰۷

الف:

ابر احسنی (۲۲، ۲۴) ۸۷، ۱۲۵، ۱۴۴، ۱۶۷،

ابر محمد سلطان حسن: ۸۶

ابرار محمد ابرار علی صدیقی: ۸۵، ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۵، ۱۵۶

ابراہیم قادری مفتی: ۱۶۱

ابراہیم مستی پوری مفتی: ۱۳۴

ابن مسعود: ۱۶۲

ابو احمد علی اشرفی: ۱۲۹

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۱۳۵

ابو الحسن مارہروی: ۱۱۲

ابو الحسین احمد مارہروی: ۳۱، ۹۹، ۱۰۶، ۱۴۶،

ابو منظر: ۹۱، ۹۲، ۱۳۰،

ابو الفضل صدیقی: ۱۷۲

ابو القاسم نیازی: ۱۶۳

ابو اللیث صدیقی ڈاکٹر: ۹۰، ۱۶۵

ابو المعانی عثمانیؒ مولانا: ۷۰

ابو المؤید خاں: ۶۶

ابو النصر محمد خالدی (۱۰)

اثر محمد حسن: ۸۶

احسن مارہروی (۲۲) ۴۶، ۸۶، ۸۷، ۹۷، ۱۰۶، ۱۲۳، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۵۱،

احسن الدین: ۴۸

احمد بخاریؒ (سید احمد) (۱۷) ۹۹

احمد حسن شاہ: ۱۳۱

احمد حسین (مولانا) (۱۱)

احمد رضا خاںؒ بریلوی (۱۷) ۶۲، ۱۶۳،

احید الدین نظامی: ۳۱، ۳۹، ۴۹، ۱۶۸،

اخلاق دہلوی: ۱۴۶

ادا جعفری (۳۴)

ادریس بلگرامی: ۱۳۸

ارشاد قدر: ۱۶۰

ارشدی بدایونی: ۱۶۳

اساس الدین چودھری: ۱۷۱

اساس الدین قرشوری: ۶۶

اسد اللہ الہ آبادی مفتی: ۷۹

اسعد بدایونی (۲۵) ۲۷

اسعد شاہجہانپوری: ۹۰

اسیر علی احمد خاں (۸، ۲۴، ۲۶) ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۷۵، ۸۱، ۱۳۵، ۱۳۶،

اشتیاق حسین قریشی پروفیسر: ۲۹

آسک بدایونی : ۹۹
اظہر کمالی : (۸)
اعجاز صدیقی : ۱۳۲
اعجاز منشی عبدالعزیز (۲۲)
اعلیٰ بدایونی : ۹۴، ۹۸
افتخار حسین سید : ۱۳۸
افضل لکھنوی (۲۱) ۵۳
افق سبزواری : ۱۳۹، ۱۶۰
اقبال علامہ اقبال (۱۶) ۱۱۸، ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۶،
اقبال اقبال حسن مولانا : ۱۲۴
البیرونی : ۱۱۸
البستقلاؤس : ۱۱۹
التمش شمس الدین : (۱۳)
الطاف علی بریلوی : ۱۱۸
الہام بدایونی : ۶۰، ۹۸، ۹۹
اللہ بخش تونسوی : ۶۷، ۱۱۴
الیاس رشید (قاضی) (۱۰)
امجد بدایونی : ۲۸، ۳۲، ۷۵، ۱۳۵
امداد علی ڈپٹی : ۵۶
امیر امیر الدین (۲۱)
امیر ٹونک والا : ۱۴۶
امیر حسن صدیقی ڈاکٹر : ۱۷۱
امیر مینائی (۲۱) ۵۱، ۱۰۴، ۱۴۸،
انوار انوار الحق : ۳۱، ۷۱
انوار حسین : ۱۱۲
انور شاہ کشمیری : ۹۳
انیس لکھنوی : ۱۰۳
ایوب قادری ڈاکٹر : ۲۷، ۵۷، ۶۷، ۷۵،

ب :

باقر جلال الدین : ۳۸
باقر علی سید : ۳۶
بالا محمد حسین : ۹۱، ۹۲، ۱۵۶
برق علی موہانی حکیم : ۷۱
بخت خاں : ۶۷
بختیار شاہ : ۱۲۸
بدر بدر عالم : ۹۳
بدر الحسن قاضی : ۱۶۳
برکات احمد ٹونکی : ۱۵۳
برکت اللہ شیخ : ۷۰
برکت اللہ مارہروی (۱۳)
بسمل رضی الدین : ۶۷، ۷۵، ۹۴
بصیر ابوالحسن : ۱۷۱
بقا بقاء اللہ (۲۳)، ۷۳۰
بادہ حفیظ اللہ (۲۲)
بوعلی سید : ۶۴
بہادر شاہ ظفر : ۷۸
بہاء الحق عباسی : ۵۳
بیباک شاہجہاں پوری : ۱۴۶
بیتاب بدایونی (۲۲) ۳۱، ۷۹، ۸۳، ۹۵
بیتاب محمد احمد : ۵۴، ۹۶
بیجان عزیز خاں (۲۱)
بیچین محمد حسین : ۹۶
بیخود بدایونی (۲۴) ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۶۹،
بیخود دہلوی : ۱۴۶
بیدار شاہ محمدی (۲۱)
بیدل رضا حسنین : ۹۶، ۹۷
بھگت ثنائی : ۹۲

ت :

تاباں عبدالحی (۲۱)
تاثیر امتیاز احمد : ۲۸، ۱۳۵
تسلیم انوار حسین (۲۳)
تسلیم غوری (۱۰)، ۹۲
تسلیم لکھنوی (۱۰) ۱۳۴، ۱۴۶
تغلق محمد تغلق : ۱۳۸
تفضل حسین : ۴۹

تمنا تمنا حسین : ۹۸
تنویر محمد رضی الدین : ۳۱
توانا توانا حسین (۲۵) ۹۲، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰،
۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۳۔

ث :

ثاقب نجم الدین احمد (۲۴، ۲۵) ۵۳، ۱۰۱، ۱۰۲،
۱۰۳، ۱۰۴
ثناء الدولہ حکیم : ۴۰

ج :

جاذب احتشام علی خاں : ۱۰۱، ۱۰۳
جام نوائی : ۴۶، ۱۰۶، ۱۵۳
جامی بدایونی (۱۵، ۲۲، ۲۵) ۳۰، ۶۶، ۱۰۶،
۱۰۷، ۱۲۲، ۱۵۱، ۱۶۵
جامی مولانا : ۱۳۴
جرأت : ۵۶
جگر مرادآبادی : ۱۳۲
جلال بدایونی : ۳۱
جلال لکھنوی (۲۱) ۱۱۷
جلیس قاضی محمد (۲۱)
جمیل مانک پوری : ۶۲، ۱۰۳
جمیل محمود حسین : ۳۲
جمیل احمد عباسی : ۱۰۱
جمیل احمد قادری : ۱۳۱
جناح محمد علی : ۱۰۹
جنگ باز خاں : ۴۷
جوش رادھا رمن : ۸۷
جوش ملیح آبادی : ۱۷۲
جوہر محمد علی : ۱۶۲
جیلانی بانو : ۸۶

چ :

چارلس ایکسن : ۲۹
چھٹن خاں : ۹۲، ۱۵۶

ح :

حافظ رحمت خاں : ۴۷
حالی (۲۱، ۲۵) ۴۵، ۴۶، ۱۶۹
حامد حامد بخش (۲۴، ۲۶) ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۵۷،
۵۸، ۸۱، ۱۵۱
حامد حسن قادری : ۱۰۴، ۱۷۲
حامد سید حامد علی : ۳۶
حامد عبدالحامد : ۱۰۸
حبیب الرحمٰن شاستری : ۱۱۸
حبیب الرحمٰن قادری : ۱۵۹، ۱۷۳
حبیب اللہ : ۵۱
حسرت موہانی : ۴۵
حسن امیر حسن سنجری (۱۲، ۱۸، ۱۹)
حسن بریلوی : ۸۶
حسن جمال الدین : ۳۸
حسین ن۔ ب حسین (۱۰) ۳۹
حضرت دھرم نرائن (۸)
حفظ الرحمٰن سیوہاروی : ۹۳
حفیظ اللہ خاں مفتی : ۱۱۵
حفیظ حفیظ اللہ : ۱۳۱
حمزہ صدیقی : ۱۱۱، ۱۳۶
حمید الدین متولی : ۳۸، ۳۹، ۱۶۸
حمید الدین دانشمندی : ۱۱۲
حیا عبدالرحمٰن : ۱۱۳
حیرت الہ آبادی : ۷۱
حیرت بدایونی علامہ : ۸۶

خ :

خسرو امیر خسرو (۲۰)
خلیل محمد خلیل (۲۱)
خواجہ اجمیری (۲۴) ۹۰

د :

داغ دہلوی (۲۱، ۲۲) ۵۳، ۷۱، ۹۶، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۷،

۱۳۶، ۱۴۷، ۱۵۵،
داماند بدایونی: ۹۲
دانیال قطرئی قاضی (۱۲)
دردی مفتی محفوظ علی (۲۲)
دلاور زنگار (۲۵) ۱۰۷
دلدار: ۷۳
دیانند جی سرسوتی: ۵۶

ذ:

ذاکر بدایونی (۱۵) ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۶۰،
۶۶، ۸۳، ۱۴۱، ۱۴۸،
ذائق بدایونی: ۱۱۵، ۱۲۷
ذکا بدایونی: ۴۴
ذکی الدین قادری: ۳۱
ذکی نانگانوی: ۸۷، ۸۸
ذوق دہلوی (۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۲) ۵۶، ۷۳، ۷۴،

ر:

راس مسعود: ۴۷
راسخ دہلوی (۲۱) ۸۶
راسخ لکھنوی: ۱۵۵
راضی سلیم اللہ (۲۱)
راغب یعقوب بخش (۱۵) ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹،
۱۴۹، ۱۷۴،
رحمت حسین: ۹۱
رزاق بخش: ۱۵۱
رسوا فیض احمد (۲۲) ۵۳، ۵۵، ۸۳،
رضی الدین فرشوری: ۴۷
رضی الدین حسن صغانی (۱۲)
رضی بدایونی: ۹۴، ۱۵۵
رعد رحمت اللہ منشی: ۱۶۹
رعنا سید حمید الدین: ۱۰۴
رفاقت اللہ: ۱۱۷
رفیع الدین شاہ دہلوی: ۷۰
رفیع بخش قادری: ۱۳۰
روشن عنایت اللہ: ۵۱
رونق بدایونی (۸) ۱۰۷، ۱۲۱، ۱۲۲
ریاض الدین فرشوری: ۱۰۶
ریاض محمد ریاض الدین: ۴۴
ریاضی ریاض الدین (۲۱)

ز:

زار داؤد اللہ (۲۲)
زکی دہلوی محمد زکریا خاں (۲۲) ۲۹، ۹۹
زلالی انصار حسین (۱۵، ۲۵) ۴۰، ۴۵، ۴۶، ۵۸،
۸۴، ۱۴۸، ۱۵۵، ۱۶۹،
زہرہ نگاہ (۲۵)

س:

ساقی بریلوی: ۴۴، ۷۳،
سالار مسعود غازی (۱۲)
سالم میاں قادری: ۱۳۴
سائل دہلوی: ۱۳۶
سبطین احمد ماسٹر: ۱۶۶
ستار بخش: ۱۵۱
سحر احمد حسین: ۷۹
سحر دیبی پرشاد: (۲۲)
سحر کاکوروی: ۱۰۴
سحر محمد حسین: ۷۹، ۸۶
سخا شاہجہانپوری: ۸۷
سخاوت اللہ حمیدی: ۵۹
سخاوت حسین: ۱۴۶
سراج الحق عثمانی: ۷۱
سرخ شہید: ۲۳
سرسید احمد خاں: ۵۵، ۵۶
سرشاہ سلیمان: ۱۱۸
سرور رجب علی: ۶۰
سرور قادری: ۱۴۶

سعادت : ۵۹
سعادت علی خاں : ۶۶
سعید احمد دہلوی : ۱۶۳
سعید اللہ قادری : ۶۶
سعید الدین دانشمندی : ۱۱۴
سعید محمد سعید الدین : ۶۶
سعید الدین : ۶۷
سعید چودھری محمد سعید : ۴۹، ۵۰، ۶۷، ۷۹
سلطان بخش : ۵۵
سلطان العارفین (حضرت) (۱۲)
سلیم ـ سلیم اللہ (۲۵) ۵۱، ۸۴، ۸۵،
سلیمان ندوی سید : ۱۰۹، ۱۶۳
سودا (۹)
سیماب اکبرآبادی : ۸۷
سیدہ : ۳۲

ش :

شاداب ذکی : ۸۷
شاد صدیقی (۱۵) ۳۰، ۴۰، ۴۰، ۱۷۴،
شاد گیاوی : ۱۳۵
شاطر رضا احمد (۲۲)
شاہد رضا حسین : ۹۹
شاہین : محمد علی خاں : ۱۲۰
شائق سعید الدین : ۵۰، ۵۳، ۱۰۱
شائق محمد اسرار علی : ۸۹، ۱۱۵، ۱۲۷، ۱۲۸،
شبی عزت علی سندیلوی : ۴۶،
شرر علی بخش خاں (۲۴، ۲۶) ۲۳، ۲۴، ۵۵،
۵۶، ۵۷، ۵۸، ۱۵۱،
شریف حسین : ۱۶۲
شعلہ بریلوی : ۱۳۲
شفاعت بدایونی : ۴۵، ۵۹، ۹۸
شفیقا : (۱۰) ۱۳۰
شفیع احمد : ۸۱

شکور بخش : ۱۵۱
شکیل بدایونی (۳۴) ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۵۸
شمس الاسلام عباسی : ۵۳
شمس بدایونی (۱۰، ۱۱)
شمس تبریزی شمس الدین : ۱۰۲
شمیم رکن الدین : ۱۳۴
شور افتخار الدین : ۸۴
شوق قدوائی : ۱۱۷
شوق قدرت اللہ (۲۱)
شوق لکھنوی مرزا : ۴۱
شوکت علی مذاقی : ۷۵
شبیہ ـ شبیہ حسین (۷) ۲۱، ۳۲، ۳۴، ۳۶،
۴۵، ۵۹، ۶۰، ۶۴، ۹۸، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۲۷،
۱۲۷، ۱۳۱، ۱۴۱، ۱۴۹، ۱۶۷، ۱۷۴
شیدی بریلوی : ۶۰
شیفتہ دہلوی (۲۱) ۴۰

ص :

صابر مرزا قادر بخش : ۶۷
صابر براری : ۱۳۶
صادق علی دہلوی : ۶۶
صادق عزیز الدین (۲۲) ۶۷
صادق محمد عبدالحق : ۱۳۵
صالحہ رعنا : ۱۵۱
صبا سید صابر حسن (۲۳)
صبیح الدین : ۵۲ ـ صبیح احمد کمالی : ۱۱۸
صداقت اللہ خاں (۱۰)
صدیق حسن خاں نواب : ۷۱
صغیر احسنی : ۸۷
صغیر حسن صدیقی : ۵۰، ۱۳۴
صفا عبدالحی : ۷۵
صفیر صفی اللہ (۲۱)
صمد بخش : ۱۵۱

ض : ———

ضابط اصغر علی (۲۳) ۴۹
ضیاء احمد پروفیسر (۱۵) ۱۰۷، ۱۱۷، ۱۱۸،
۱۴۹، ۱۷۲،
ضیا راشد علی (۲۳) ۴۹
ضیا عباس ہاشمی : ۵۳
ضیا عظمت علی : ۸۶
ضیا علی خاں اشرفی : ۱۱۵، ۱۵۳،
ضیاء الدین انصاری : ۵۵
ضیاء القادری (۱۰، ۲۵، ۲۶) ۲۷، ۲۸، ۵۶،
۵۷، ۹۴، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۶۳،
ضو افضل علی : ۴۹

ط : ———

طفیل احمد شاہ : ۴۰
طیب بخش : ۵۵، ۱۱۹

ظ : ———

ظہور احمد : ۳۱
ظہور حسین مارہروی : ۱۰۶، ۱۴۱،
ظہور الدین : ۳۱
ظہیر دہلوی (۲۱، ۲۲) ۵۳، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴،
ظہیر و نظیف (۱۰)
ظہیری ظہیر احمد : ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۵۹،

ع : ———

عابد سنبھلی : ۷۸
عارف پرویز : ۵۱، ۵۲، ۱۱۳، ۱۵۶،
عارف دہلوی (۲۱) ۶۶
عاشق احمد غزنوی : ۲۸
عاشق ٹونکی : ۱۰۴
عالی رفیع احمد : ۱۱۲
عالی کفیل الدین (۱۵) ۴۰، ۴۲، ۱۴۱، ۱۴۲،
۱۴۶، ۱۶۹،
عبدالحق : ۷۲

عبدالحق خیرآبادی : ۲۷ — عبدالحمید عثمانی : ۸۰
عبدالحیٔ فرنگی محلی : ۱۳۸
عبدالرحیم شاہ جی : ۷۳
عبدالرحیم مولوی : ۱۵۴
عبدالرشید حکیم : ۱۶۱
عبدالرشید صدیقی : ۱۰۶
عبدالسلام عباسی : ۵۳
عبدالصمد : ۷۲، ۱۲۷
عبدالعزیز محدث دہلوی : ۷۰
عبدالعزیز رامپوری : ۱۵۲
عبدالعلی نقوی : ۷۲
عبدالقادر مولانا : ۲۷، ۷۱، ۹۵، ۱۱۷، ۱۳۶،
۱۵۲، ۱۶۱،
عبدالقادر ملا (۳۰)
عبدالقادر جیلانیؒ (۱۳، ۲۴) ۵۴، ۱۳۶،
عبدالقادر سر : ۱۰۳
عبدالقدیر قادریؒ : ۶۲، ۹۹، ۱۰۹، ۱۲۴، ۱۲۶،
۱۵۳، ۱۶۷، ۱۷۳۔
عبدالقدیر : ۶۶
عبدالقیوم قادری : ۱۰۸، ۱۶۱
عبدالکریم خاں : ۱۳۲
عبدالکریم ثمر قندی : ۱۱۳
عبداللہ سراج مکی : ۷۸
عبداللہ مکی : ۱۳۵
عبداللہ شاہ عارف باللہ : ۹۳
عبداللہ خاں : ۱۳۲
عبداللہ ولی بخش قادری : ۴۴، ۳۵، ۵۷
عبدالماجد بدایونی : ۱۰۶، ۱۰۹
عبدالماجد دریابادی : ۱۶۲
عبدالمجید آنولوی : ۱۶۱
عبدالمجید قادریؒ (۱۳، ۱۴، ۱۸، ۳۰) ۵۳، ۵۵، ۷۰، ۸۰
عبدالمقتدر قادری مولانا : ۶۲، ۹۱، ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۵۲،
۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۷۳

عبدالمالک انصاری : ۵۹
عبدالواحد عثمانی : ۷۱
عتیق الرحمٰن عثمانی مفتی : ۹۳
عتیق اللہ : ۶۵
(خواجہ سید) عرب بخاری (۱۲)
عرشی امتیاز علی : ۵۷
عرفان زیدی : ۱۴۴
عرفان صدیقی (۲۵) ۱۷۴
عروج زیدی (۲۴۰۸) ۱۴۳
عزیز بدایونی (۳۱) ۶۷
عزیز احمد مفتی : ۱۷۳
عزیز بریلوی : ۵۵
عزیز الدین بلگرامی : ۱۵۳
عزیز مرزا : ۱۴۶
عطا بدایونی : (۶۱) ۱۱۱، ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۴۷
عطاء اللہ : ۵۱
علاؤالدین اصولیؒ (۱۳)
(حضرت) علی کرم اللہ وجہہ (۱۴) ۱۴۷
علی بخش : ۵۵
علی برادران : ۱۳۶
عقیل احمد حسن : ۱۷۱
عنایت رسول چڑیاکوٹی : ۷۹
عنوان چشتی : ۱۴۴
عیار : ۷۳
عیش بدایونی : (۲۵) ۳۰، ۸۳، ۹۸، ۱۱۹، ۱۴۸،
۱۵۵، ۱۵۸، ۱۶۵،

غ :

غالب : (۲۱، ۲۲، ۲۳) ۲۹، ۴۰، ۴۷، ۵۴، ۵۵، ۵۶،
۵۷، ۶۷، ۷۸، ۷۹، ۹۹، ۱۰۰،
غلام امام شہید : ۷۸
غلام جیلانی : ۱۵۵
غلام حسین : ۸۳
غلام دستگیر خاں : ۴۰
غلام رسول : ۱۴۷
غلام رضا خاں : ۱۶۱
غلام غوث : ۹۴
غلام نجف خاں : ۷۰
غنی بدایونی : ۳۲
غوث بخش : ۱۱۷
غیاث الدین : ۱۳۴

ف :

فاخر فاخر حسین
فانی بدایونی : (۳۳) ۱۳۴، ۱۶۰
فائق امتیاز علی : ۵
فائق مصطفیٰ بخش : ۹۶، ۱۵۱
فائق محمد معین (۱۸، ۱۵)
فتح محمد سبزواری : ۱۳۹
فخر الدین : ۱۶۸
فدا جمالی۔ احمد حسین (۲۳)
فراق لکھنوی (۲۱) ۳۰
فرمان فتحپوری ڈاکٹر : ۱۰۷
فصیح الدین : ۳۲
فضل اکرم حافظ : ۲۰، ۴۹، ۷۵
فضل حق خیرآبادی : ۶۶، ۷۹
فضل رزاق : ۱۱۱
فضل فضل حسن (۲)
فضل احمد : ۱۱۷
فضل رسول مست (۱۵) ۳۱
فقیر خوشبو علی : ۶۴
فقیر مولانا عبدالقادر : ۶۱، ۱۵۴،
فکر سید حسین : ۳۷
فیروز ظفر : ۱۲۲

ق :

قتیل مرزا قتیل : ۷۱
قدر۔ قدیر عبدالقدیر : ۱۵۲
قدیر صدیقی : ۱۰۷

تدبیر عبدالقدیر : ۶۵، ۱۰۶
قربان قربان علی : ۵۹
قطب الدین ایبک (۱۳)
قمر بدایونی قمرالحسن : ۲۲، ۵۹، ۷۲، ۸۳، ۱۵۱
قوی بخش : ۳۴
قیس افضل الدین (۲۳)
قیوم بخش : ۱۳۰

ک :

کامل سید الدین : ۶۶، ۶۷، ۶۹
کرامت علی جونپوری : ۷۹
کریم کریم اللہ : ۱۳۱
کریم اللہ دہلوی : ۶۶
کشش التفات حسین : ۶۹
کشفی سلامت اللہ : ۷۰
کشن پرشاد مہاراجہ : ۱۰۲، ۱۵۳
کلیم الدین : ۱۲۵
کمال لکھنوی : ۱۱۷
کیف ابرارالحق : ۷۱، ۱۶۱
کیف دہلوی (۲۲)

گ :

گوکل پرشاد : ۴۷

ل :

لالہ سری رام : ۴۵، ۴۹، ۵۳، ۵۶، ۵۹، ۱۰۳،
لطف بدایونی : (۱۶، ۲۵) ۹۰، ۱۵۵، ۱۵۶،
۱۷۳،
لطیف حسین ادیب : (۱۰) ۹۴، ۱۷۲
لطفی امتیاز الدین : ۳۸،

م :

مالک رام : ۳۹، ۸۷، ۱۳۶
ماہرالقادری : ۱۳۶،
مائل میر غالم علی : (۲۳)
مبشر علی صدیقی : ۲۴، ۱۰۳

مبارزالدین : ۴۴
مبارزالدین حیدر : ۴۰، ۸۳
مبارک علی سوختہ : ۱۳۱
مجتبیٰ بخش قادری : ۱۵۱
محب احمد مولانا : ۱۱۷، ۱۳۵، ۱۵۳، ۱۶۱
محبوب الٰہیؒ : ۱۱۴
محسن کاکوروی : ۶۷، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵
محسن محمد محسن : ۸۶
محشر اکرام اللہ (۱۹، ۲۱)
محشر فاروقی احمد (۸، ۲۴، ۲۶) ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۵
محمد احمد کاظمی : ۳۸
محمد بخش : ۳۳
محمد بشیر محدث سہسوانی : ۱۳۸
محمد تغلق : ۱۳۸
محمد حسن : ۸۶
محمد حسن نبی اسرائیلی : ۲۷
محمد حسین (۱۶)
محمد حسین گنوری ۱۶۶
محمد غوری (۱۳)
محمد یار خاں سورتی : ۷۸، ۷۹
محمود : ۳۲
محمود حسین : ۱۱۳
محمود رزاق قادری : ۱۱۲
مختار بسزاری : ۱۳۹، ۱۵۹
مخفی رسول جہاں : ۱۷۲
مدن شاہجہانپوری : ۷۰
مدہوش سخاوت حسین (۲۳)
مذاق محمد دلدار علی (۱۴، ۱۷، ۲۴) ۲۸، ۴۹، ۶۴،
۶۹، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۹۰، ۱۱۵، ۱۱۶،
۱۲۷، ۱۳۸،
مذنب علی احمد : ۷۵، ۱۳۸، ۱۴۱،
مرتضیٰ احمد برکاتی : ۹۷

مسرت فضل رسول (۲۴، ۲۶) ۶۱، ۷۰، ۷۹،
مسرت گنوری : ۱۶۷
مستجاب الدین : ۳۶
مسعود احمد پروفیسر : ۱۵۳
مسکین عظیم اللہ (۲۳)
مصلح الدین : ۶۹
مضطر غلام شبیر : ۸۱
مظاہر الحق : ۷۳
مظہر مظہر جان جاناں (۳۱)
معجز آغا علی (۳۳)
معجز اعجاز احمد : ۱۵۹
معروف دہلوی (۲۱، ۲۳) ۵۳، ۱۰۹، ۱۱۰
معنبر علی مختار لیقی : ۱۳۱
معین معین الدین (۹، ۲۱)
معین الحق ڈاکٹر : ۲۵
معین الدین چشتی خواجہ : ۴۰
مالک محمد داؤد : ۵۱
ممتاز حکیم ممتاز الدین (۲۲) ۶۵
منظور احمد : ۱۱۴
منظور عبدالماجد : ۱۶۱
منور بدایونی : ۱۶۴، ۱۶۵
میر شکوہ آبادی : ۴۹
موتی لال نہرو : ۱۳۱
موج غفران حسن : ۸۶
موجد وہاب الدین (۲۱، ۲۳) ۳۸
مورخ حسنین احمد : ۱۵۷، ۱۶۴
مومن دہلوی : ۲۹
مہدی تقی حمیدی : ۴۴
مہر و شیخ شہاب الدین (۱۳، ۱۸، ۲۰)
میکش بدایونی : ۹۰، ۱۵۵
میر : ۵۱

ن :

نادر کاکب تحسین خاں : ۵۶
ناسخ : ۵۱، ۵۶،
ناشق نظام الدین (۲۲) ۵۳
ناصر ناصر حسین : ۸۷
نبی بخش : ۸۷
نثار احمد (۱۶) ۵۲، ۷۳، ۱۱۳، ۱۵۶
نثار علی (حافظ) : ۷۳
نجم الدین فرشوری : ۲۱
نخشبی (۱۲، ۱۸، ۱۹)
نذیر احمد (پروفیسر) (۱۹)
نذیر احمد (سید)
نذیر احمد مولوی : ۳۱، ۱۳۸
نذیر الدین احمد : ۱۳۹
نسیم گنوری : ۱۶۶
نصر اللہ خاں : ۱۱۰
نصیر شاہ نصیر (۲۳) ۵۶
نصیر الدین حسین چشتی (۱۴) ۳۵، ۵۹
(خواجہ) نظام الدین اولیاؒ (۱۳، ۱۷، ۱۸)
نظامی بدایونی (۱۵، ۱۶، ۲۵) ۳۳، ۳۴، ۳۸، ۳۹،
۴۰، ۴۱، ۴۲، ۶۳، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۸، ۱۶۸، ۱۷۹،
نفیس اشرف علی (۲۳) ۷۳، ۷۴،
نوا ظہور اللہ خاں (۲۱، ۲۳) ۵۹، ۷۳، ۷۴،
نواب قادری : ۱۵۶
نواب محمد علی خاں : ۶۶
نور احمد مولانا : ۶۲
نور نور جہاں : ۱۷۱، ۱۷۲
نور الحق نرنجلی مجلی : ۷۸
نوشہ عباسی : ۵۳
نوشہ علی زیدی : ۱۴۳
نیاز شاہ نیاز احمدؒ (۱۴)

نیاز فتحپوری : ۵۳، ۸۷

و :

واصل محمد واصل (۲۱)
وجد غلام غوث : ۵۳، ۱۰۱
وجاد محمد اشجع الدین : ۸۲، ۱۴۸
وحشت احمد حسین : ۲۱، ۴۵، ۵۱، ۸۳، ۸۴،
وحید بخش : ۴۴، ۱۵۶
وزیر الدین : ۱۳۵
وفا و طالب سہسوانی (۲۳)
ولا ولا حسین : ۱۰۰
ولایت حسین آنولوی : ۱۱۳
ولایت حسین : ۱۳۱
ولی اللہ مولوی : ۷۰
ویریندر پرشاد سکسینہ : ۴۵

ہ :

ہادی محمد القادری : ۱۷۳
ہارون رشید : ۱۰۰
ہبہ احمد فرشوری (۱۵) ۱۶۹
ہدایت علی بریلوی : ۲۷
ہدایت علی سید : ۳۶
ہزبر حسین : ۴۵
ہلالی سامان احمد : ۱۷۴
ہمت ہمت سنگھ (۲۱)

ی :

یاد حسین محمد : ۱۳۵
ید اللہ سنبھلی مولوی : ۱۱۵
یعقوب علی خاں حکیم : ۴۰، ۱۴۸
یعقوب علی خاں
یکرنگ مصطفیٰ خاں (۲۱)
یوسف حسین قادری (۱۰) ۲۷، ۲۹، ۱۳۲، ۱۳۶
یونس علی محدث : ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۱۷،
یگانہ (۲۱)

کتب و رسائل وغیرہ

الف :

آب کوثر : ۷۱
آثار بیخودی : ۱۴۷
آئینہ انوار : ۱۴۷
آئینہ جذبات : ۱۳۵، ۱۳۶
آئینہ تذرو زاغلیارٹ : ۴۵
آئینہ زمانہ : ۴۳، ۵۰، ۶۴، ۷۲، ۷۳، ۷۵، ۹۰،
۱۱۵، ۱۳۱، ۱۳۲،
آئینہ مشاعرہ (گلدستہ) : ۱۴۰،
آئینہ مغفرت (گلدستہ) ۱۴۰، ۸۵
آہنگ کراچی (رسالہ) : ۱۵۸
ابر بدایوں (سہ ماہی) ۸۸
اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد شعراء : ۶۷
احسن رامپور (ماہنامہ) ۸۷
اخلاق النبیؐ : ۱۴۷
آرزو کی فریاد : ۱۶۰
اردوئے معلیٰ (رسالہ) (۲۱) ۱۰۳
اردو ادب (دہلی) رسالہ : ۴۵
ارکان دینیہ : ۱۱۹
ارمغان عین : ۴۷
از خاک بدایوں : ۹۹
اسرار شائق : ۱۴۷، ۱۴۸
اسلامیہ کالج میگزین : ۸۶، ۸۷، ۱۱۱، ۱۳۵،
۱۴۳، ۱۴۸، ۱۶۴، ۱۴۹، ۱۷۴،
اسلامی جوش : ۱۶۹
اصلاح الاصلاح : ۸۸
اظہار کراچی ماہنامہ : ۱۵۳
اعتقادات سرسید اور شرر بدایونی : ۵۵
اعلانِ حق : ۱۶۳
افکار : ۴۷

اکابر اہلسنت پاکستان : ۱۱۰
اکابر بدایوں : ۱۶۷
اکمل التاریخ ج/۱ ۰ ۲۱، ۳۰، ۵۳، ۵۵، ۵۶،
۵۷، ۵۸، ۶۰، ۷۰، ۷۱، ۷۸، ۷۹، ۸۳، ۱۳۷،
الاظہار : ۱۶۳
الامینۃ الرابیہ : ۱۱۹
الانجم الطوالع : ۱۱۹
التجائیں : ۱۶۰
التمہیدیہ : ۱۶۳
الجواب : ۱۰۰
الحزب الاعظم : ۹۳
العلم کراچی سہ ماہی : ۲۷، ۲۸
القصیدۃ الکوکبیہ : ۱۱۹
القول السدید : ۱۶۳
المطالع : ۱۱۹
الواح حمیدی : ۴۴
المعتقد المنتقد : ۷۹
المکتوب : ۱۶۳
المنظور بدایوں ماہنامہ : ۷۱، ۷۲
انتخاب احسن : ۸۷
انتخاب زریں : ۷۲، ۷۴، ۷۵،
انتخاب عالم (اخبار) ۵۳
انساب شیوخ فرشوری : ۶۶، ۶۷
اوج معرفت : ۳۱
اولیائے بدایوں : ۲۹
ایک غریب مصنف : ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۶۰،

ب :

باب عشرت : ۴۶
باران رحمت : ۱۷۴
بارش رحمت : ۱۷۴
باغ رسول : ۳۲
باقیات الصالحات : ۳۸، ۴۷، ۵۸، ۸۲،
۸۳، ۱۳۸،
بدایوں کے تابندہ ستارے : ۴۹
بدایوں کے چند ادبا و شعراء : ۳۴، ۸۱
بدایوں کے مہر و ماہ : ۱۳۴
برق خاطف : ۵۶
برگ گل (کراچی) : ۱۶۲
بوارق محمدیہ : ۷۹
بہارستان منقبت : ۶۳
بہار بوستان شعراء : ۲۸، ۴۹، ۶۴، ۶۶، ۶۹، ۷۳،
۷۴، ۱۳۸، ۱۳۵،
بہار بوستان : ۱۱۹
بہارستان عقیدت : ۶۲
بہارستان منقبت : ۶۳
بہار سیرت : ۱۲۹
بوستان : ۱۱۹
بیاض الحکمت : ۴۲

پ : پارہ ہائے جگر : ۱۰۰
پیر سنجر : ۹۰
پیغمبر کی مدح : ۴۷

ت :

تاج مضامین : ۱۳۶
تاریخ اولیائے حق : ۱۳۷
تاریخ بزرگان دہلی : ۱۶۰
تاریخ بنی حمید (۲۰) ۴۴، ۵۹، ۶۰، ۹۶، ۹۸،
تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ : ۹۶، ۹۷، ۹۸،
تاریخ قنوج : ۷۱
تاریخ گویان بدایوں : ۱۴۲، ۱۵۳،
تائید الاسلام : ۵۶
تجلیات سخن (۱۵) ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۸، ۴۴، ۴۵،
۴۹، ۵۰، ۵۹، ۷۱، ۷۲، ۸۳، ۱۳۵، ۱۶۹،
تجلائے حرم : ۹۶
تجلیات نعت : ۱۳۶

تحریر دہلی سہ ماہی : ۷۹، ۱۳۱
تحفۂ قریشی : ۴۲
تذکار محبوب : ۱۵۴
تذکرۃ الصلحاء : ۷۵
تذکرۃ الشعراء : ۴۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴
تذکرۃ الواصلین (۱۴، ۱۹، ۲۰) ۶۱، ۶۶، ۶۷
۷۱، ۷۴، ۷۵، ۷۸، ۱۶۱،
تذکرہ شعرائے بدایوں (۷، ۸، ۱۸، ۲۵، ۲۸) ۳۴،
۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۲، ۴۵، ۵۳، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۴، ۶۵،
۶۶، ۶۹، ۷۲، ۷۵، ۷۹، ۸۳، ۸۴، ۹۳، ۹۵، ۹۷،
۹۸، ۱۰۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱،
۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۶۴، ۱۶۷،
تذکرہ نعت گویان بریلی (۱۰)
تذکرہ طیبہ (۱۴) ۱۳۷، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۲
تذکرہ نادر : ۵۶
تذکرہ علمائے بہار: ۵۸، ۶۲، ۷۰، ۷۸، ۷۹،
تذکرہ علمائے حال : ۱۳۸
تذکرۃ الصلحاء
تذکرہ بہار بے خزاں : ۷۹
تذکرہ مطیب : ۳۰، ۴۲، ۶۶
تذکرہ معاصرین : ۲۷، ۸۷، ۱۳۶
تذکرہ ثانی : ۱۶۰
تذکرہ ماہ و سال : ۸۸، ۱۴۸، ۱۵۷
ترانہ غرائب : ۶۰
ترجمان السنہ : ۹۳
تصحیح المسائل : ۷۹
تقویم ہجری و عیسوی (۱۰)
تلامذہ غالب : ۲۹
تمدن ہندوستان : ۱۶۰
تنبیہ المخلوق : ۴۲
تنقیح المسائل : ۵۶
تنویر المو...
تہذیب المحافل : ۴۲

ث :

ثمر بہشت

ج۔چ

جام کوثر : ۴۴ : ۱۳۵
جبر مختار : ۱۶۰
جذبات الصداقت : ۱۶۲
جذبات شمیم : ۱۴۴
جذبات مضطر : ۸۱
جمال احمدی : ۳۸
جوار غوث الوریٰ : ۱۲۷
جواہر الحکم : ۹۳
جھلکیاں : ۱۴۴
چراغ زندگانی : ۱۴۶
چراغ صبح جمال : ۱۲۷
چراغ مدعا : ۱۰۳
چراغ بسرے ہم نوا : ۱۵۸
چشمہ کوثر : ۵۱
چمن سخن (گلدستہ) ۱۴۶

ح :

حاشیہ شرح وقایہ : ۱۱۵
حالات دہلی : ۳۸
حالی بحیثیت شاعر : ۴۶
حدائق بخشش : ۶۲
حدیقہ تاریخ : ۲۸
حرف ثنا : ۱۵۸
حقائق و بصائر (۷، ۱۱)
حیات حافظ رحمت خاں : ۷۰
حیات ذوق : ۷۶
حیات شیخ ابن العربی : ۲۹
حیات صدیق اکبر : ۱۲۷

خ :

خاتون مشرق (دہلی)، ماہنامہ : ۱۵۸

ختم المرسلین : ۱۴۴

خدا بخش لائبریری جرنل : ۱۴۶

خدا کی رحمت : ۷۱

خزینے : ۸۸

خزینۂ بہشت : ۱۳۶

خطاک اور : ۱۶۰

خطباتِ عربیہ : ۱۶۳

خطبہ صدارت : ۱۳۷

خطبہ عزیز مرزا : ۱۴۶

خطوط غالب : ۷۸

خلاصۃ العقائد : ۱۶۳

خلاصۃ المنطق : ۱۶۳

خلافت الہیہ : ۱۶۳

خلافت بنو امیہ : ۱۶۳

خلوت گاہ ناز : ۲۹

خمخانۂ جاوید : ۴۸، ۴۵، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۵،
۵۶، ۵۹، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴،

خمخانۂ مجاہد : ۱۵۶

خورشید روشن : ۵۱

خون حسرت : ۳۱

خونابۂ دل : ۱۷۲

خیر مقدم مولود مبارک : ۹۷

د :

دربار عرس شریف : ۱۳۷

دربار علم : ۱۶۳

دور کو کی گائے : ۱۳۲

درس خلافت : ۱۶۳

در شہوار عقیدت : ۶۲

دعوت فاطمہ : ۱۰۰

دل لخت لخت : ۱۴۴

دواوین منقبت : ۶۳

دیارِ نبی : ۱۳۷

دیدۂ و دریافت : ۷۵، ۹۹، ۱۳۱

دیوان ثانی : ۴۲

دیوان جان صاحب : ۱۶۹

دیوان روشن : ۵۱

دیوان زلالی : ۴۶

دیوان شہیر : ۵۵

دیوان ظہیری : ۱۳۹

دیوان عزیز : ۵۵

دیوان غالب : ۵۷

دیوان کشفی : ۷۰

دیوان منقبت سید الافراد : ۶۳

دیوان معروف : ۱۱۰

ذ :

ذریعہ نجات : ۴۲

ذوالقرنین بدایوں ہفتہ وار : ۳۳، ۴۴، ۶۰، ۶۴،
۵۳، ۹۷، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۶۸،

ذوق سوانح اور انتقاد : ۷۶

ذوق نعت : ۸۱

ذوق مذاق : ۶۴

ر :

راز حیات : ۱۲۵

رسالہ بقولات نباتات : ۴۹

رسالہ علم طبیعیات : ۱۱۵

رعنائیاں : ۱۳۲

رقعات مدہوش : ۴۹

رنگینیاں : ۱۳۲

روشن (سہ ماہی) : ۵۵

روزنامچہ گلبرگہ : ۱۵۳

رہنمائے تعلیم (دہلی) ماہنامہ : ۸۷

ریاض شاداب : ۱۰۳

ریاض رسول : ۶۹

ز : ________

زادِ آخرت (۱۵) ۵۳، ۱۰۶، ۱۰۷

زادالآخرت : ۵۳

زبدۃ المناسک : ۹۳

زمیندار لاہور اخبار : ۱۳۶

زندہ کتبے : ۱۴۴

زہرِ عشق : ۴۱

س : ________

ساغرِ زلالی : ۴۶

سبیلِ کوثر : ۵۱

ستارہ چشت : ۱۳۷

سچ لکھنؤ ہفتہ وار : ۱۶۲، ۱۶۳

سعیدالاخبار (بدایوں) ۵۰

سفینے : ۸۸

سفینۂ غزل : ۱۴۴

سلام حضرت امام حسین : ۱۱۹

سمرنا کی خونی داستان : ۱۶۳

سوانح حیات ایثار علیؒ : ۱۱۵، ۱۲۷

سیرالمدار : ۱۳۸، ۱۳۹

سیف الجبار : ۷۹

سیرۃ الحمید : ۳۸

سیرت سیدنا ابوالعلا : ۲۹

سیرت نعمان : ۲۹

ش : ________

شاعرنامہ : ۱۵۸

شاہ نامہ اسلام : ۱۳۲

شبستاں : ۱۳۲

شبینے : ۸۸

شبیہہ احمدی : ۳۸

شجرۃ الصدیق : ۳۱

شجرۂ خاندان نقشبندیہ : ۲۹

شرح دیوان غالب : ۱۶۹

شرح فصوص الحکم : ۷۹

شرح محمدی : ۱۷۴

شعرائے بدایوں دربار رسول میں (۷)

شمس العلوم بدایوں ماہنامہ : ۱۶۳

شمع انجمن : ۷۱

شمع فروزاں : ۱۴۴

شمیم سخن : ۳۸

شہاب ثاقب : ۵۶

شہر نوا : ۱۵۸

شہنشاہ نامہ اسلام : ۱۴۹

ص : ________

صبح (دہلی) (۱۷)

صحیفہ نجات : ۱۶۰

صدرنگ : ۹۰، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۵۵

صنم خانہ ظہیری : ۱۴۰

صنم وحرم : ۱۳۲

صہبائے سخن : ۱۳۵

ط : ________

طبقات الشعراء (۲۱)

طوالع الانوار : ۳۱

طوفان عشق : ۵۳

ظ : ________

ظہور قدسی : ۱۰۶، ۱۰۷

ع : ________

عالم تصویر کانپور رسالہ : ۱۶۹

عروج کے سو شعر : ۱۴۴

عروس سخن : ۱۷۲

عقیدت کے گجرے : ۱۶۰

علامہ سید سلیمان ندوی : ۱۶۲

علم کا مرکز : ۱۰۳

علی گڑھ میگزین : ۱۱۷، ۱۱۸

عمدۃ التحقیق : ۱۱۳

عمر زہدی : ۶۷

عورت اور قرآن : ۱۶۳

عیار نامہ : ۹۰

غ :

غالب اور عصر غالب : ۵۷، ۶۷، ۷۸

غزل دریا : ۱۵۸

غنچۂ نوبہار : ۱۰۰

ف :

فانی کے مقطعے : ۱۶۰

فسانہ عجائب : ۶۰

فصل فردا : ۱۵۸

فصیح الملک (رسالہ) : ۱۴۶

فصل الخطاب : ۱۶۳

فکر و نظر (علی گڑھ) : ۵۵

فلاح دارین : ۱۶۳

فیض الباری : ۹۳

ق :

قاعدۃ التدریس : ۵۵

قاموس المشاہیر : ۳۸، ۴۴، ۶۰، ۶۲، ۱۲۱، ۱۶۹

قانون مسعودی : ۱۱۸

قرینے : ۸۸

قصائد ظہیری : ۱۴۰

قصائد عقیدت : ۶۹

قصائد ہاشمیات : ۱۱۹

قصیدہ دعائیہ : ۱۶۹

قصیدہ ظہیری : ۱۳۹

قصیدہ نعت : ۱۳۹

قصیدہ نعت شریف : ۹۹

قصیدہ نور : ۲۹

قند نظم : ۱۴۹

قواعد اردو : ۲۹

قوم کی فریاد : ۱۶۹

ک :

کاروان ابر : ۸۷

کاروان رفتہ : ۲۷، ۹۷

کرامات غوثیہ : ۳۱

کرامات اولیائے حق : ۵۰

کڑکا : ۹۰

کشف الحقیقت مالابار : ۱۶۳

کلام ثاقب : ۱۰۳

کلام حامد (۱۴) ۳۴، ۳۵

کلام دلدار علی مذاق : ۷۵

کلیات بیتاب : ۹۴، ۹۵

کلیات ذائق : ۱۱۵، ۱۲۷

کلیات راغب : ۱۱۷، ۱۱۹

کلیات شائق : ۱۲۷،

کلیات شکیل : ۱۳۲

کلیات محشر : ۱۵۸

کنز التاریخ : ۶۷

گ :

گردش کوزہ : ۱۵۸

گلدستہ دکن : ۱۶۹

گلدستہ معیار : ۵۰

گلدستہ کلام شائق : ۱۲۸

گلدستہ گلزار نعت : ۳۴

گلزار نسیم : ۱۲۹

گلزار نظم حامد : ۳۵

گلستان بے خزاں : ۷۳

گلستان سخن : ۶۷

گلستان معرفت : ۱۲۹

گلشن شاداب منقبت : ۳۵

گلشن عشق : ۵۱

گلشن فضائل : ۱۳۹

گنجینۂ نظر حق : ۶۳ ، ۱۵۴
گنجینۂ نعت (بالا) : ۹۲
گنجینۂ نعت و مناقب : ۱۲۶
گوہر نایاب : ۹۵

ل : ________

لفظ و بیان : ۵۸ ، ۱۲۱
لمعات نظامی : ۳۹ ، ۱۶۹
لہجے کے چراغ : ۱۴۴

م : ________

مالا بدمنہ : ۱۱۹
ماہ تاباں : ۳۱
ماہ و نجوم : ۱۲۱
متاع فکر : ۱۴۴
متزاد الحقیر : ۹۳
مثنوی تجلی وصال : ۲۹
مثنوی شیریں خسرو : ۲۹
مثنوی صبح میلاد : ۴۱ ، ۱۶۹
مثنوی غوثیہ : ۱۵۴
مجلہ بدایوں کراچی ماہنامہ (۷) ۲۷ ، ۲۹ ، ۵۲ ، ۶۳ ،
۹۱ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۱۰۹ ، ۱۱۴ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ،
۱۴۲ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ،
مجموعہ گلدستہ نعت : ۱۵۶
مجموعہ کرامات صفت احمد : ۱۳۷
محامد حمد : ۳۵
محبت برکت اور زیارت : ۱۴۴
مخزن لاہور ماہنامہ : ۱۰۲ ، ۱۰۳
مخزن تصوف : ۱۱۴
مخمسات سلیم : ۵۱ ، ۸۵
مخمس ظہیری : ۱۳۹
مدح سرکار : ۱۴۷
مدحت جناب سید الافراد : ۶۳
مدح رسول مکرم : ۳۵

مدیح پیغمبر : ۳۱ ، ۸۳
مدیح خیر المرسلین : ۶۷ ، ۱۰۳ ، ۱۰۴
مدیح مرتضوی : ۶۹
مدینہ بجنور اخبار : ۱۶۳
مذاق سخن :
مراثی بے مثال : ۱۴۲
مرثیہ عبدالماجد بدایونی : ۱۰۰
مردان خدا : ۶۱ ، ۶۲ ، ۷۹ ، ۱۱۴ ، ۱۱۵ ، ۱۲۷ ،
۱۳۵ ، ۱۵۳ ، ۱۶۱ ، ۱۶۳ ،
مرقع شہادت : ۱۳۷
مرقع نعت : ۳۱
مسدس سعید : ۴۹ ، ۵۰
مسئلہ علم مسلم متفکرین کی نظر میں : ۱۱۹
مشارق الانوار (۱۲)
مشرقستان اقدس : ۲۹
مظہر الاسلام : ۴۲
معارف اعظم گڑھ ماہنامہ : ۱۱۸
معالجات ظہیری : ۱۶۰
معرکہ حنین : ۱۴۲
معروض مقبول : ۶۹
مفید المزارعین بدایوں رسالہ : ۵۰
مکاتیب احسن : ۱۴۴
مکافات عمل : ۱۰۰
منتخب التواریخ (۲۰۱۸)
منتخب قصائد : ۱۳۹
منشور محمدی بنگلور : ۵۵
منظوم مظہر : ۶۰
منقبت خواجہ ولی ہند : ۲۹
منور نعتیں : ۱۶۵
منور نغمات : ۱۶۵
منور غزلیں : ۱۶۵
موج تضمین : ۱۱۹ ، ۱۴۹

موج کوثر : ۵۱، ۹۹
مولانا عبدالقدیر بدایونی : ۴۸، ۷۹، ۱۵۴
مولود النبی : ۱۴۰
مولود پیغمبر : ۱۴۹
مولود کی خوشی : ۱۳۱، ۱۶۹
مولود منظوم : ۷۹
مومن بدایوں (۷) ۱۳۱
موئید الاسلام : ۵۶
میخانہ جامی : ۱۰۶
میری اصلاحیں : ۸۸، ۱۲۵
میلاد سید الانس : ۱۱۵
میلاد غوثیہ : ۱۱۵

ن :

نبی جی کی خوشی : ۳۹
نذر ابر : ۸۷
نذرانہ عقیدت : ۱۵۳
نزول عیسیٰ : ۹۳
نسب نامہ شیوخ محمدی : ۷۴
نسیم سحر بدایوں ہفتہ وار : ۲۸
نشہ ہوشیاری : ۷۴
نصاب مثلث : ۴۳
نظام الدین اولیاء : ۱۶۰
نظامی بدایونی اور نظامی پریس کی ادبی خدمات
(۱۷)، ۲۸، ۲۸، ۳۹، ۵۰، ۱۷۰
نظم المعراج : ۲۹
نظم جہاں افروز : ۲۹
نظم رعنا : ۵۴
نعت لاہور (رسالہ) : ۹۶، ۱۳۶، ۱۳۷
نغمہ روح : ۱۲۲
نغمہ ربانی : ۱۳۷
نغمہ ظہیری : ۱۳۹
نغمہ عندلیب : ۴۷
نغمہ فردوس : ۱۳۲
نغمہ نعت : ۹۹
نغمہ ہائے مبارک : ۱۳۷
نقد و نظر : ۱۰۴
نقوش بیتاب : ۹۵
نکات غالب : ۲۹، ۱۶۹
نکاح فاطمہ : ۱۶۹
نگار لکھنؤ لاہور ماہنامہ : ۵۳
نگینے : ۸۸
نوائے دل : ۱۲۲
نوائے حرم : ۱۲۹
نوائے سروش : ۱۴۴
نور الآفاق (بنگلور) اخبار : ۵۵
نور الانوار (بنگلور) : ۵۵
نئے اور پرانے چراغ : ۵۶، ۵۷
نیر حرم : ۹۶

ہ :

ہدیہ سعید : ۵۰
ہماری زبان دہلی ہفتہ وار : ۱۵۵
ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط : ۱۵۳

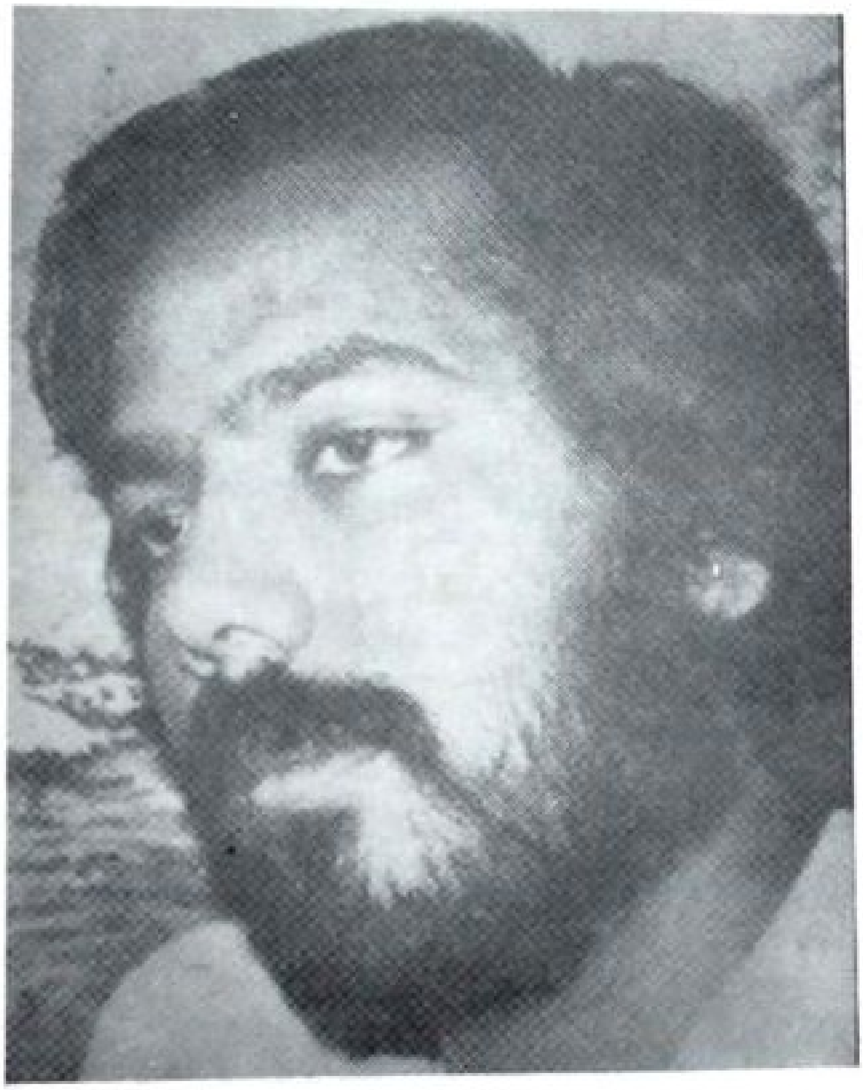

ڈاکٹر شمس بدایونی